لاتفرقوا بین اللہ و بین الرسل

اللہ اور اُسکی بھیجی ہوئی پاک ذوات طاہرین کے مابین تفرقہ نہ ڈالو

اللہ

افکار المنتظرین

تخلیق

شہزادۂ فصیح البیان

السید محمد جعفر الزمان نقوی

www.khrooj.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لا تفرقوا بین اللہ و بین الرسل

اللہ اور اُسکی بھیجی ہوئی پاک ذوات طاہرین کے مابین تفرقہ نہ ڈالو

افکار المنتظرین

شہزادۂ فصیح البیان

تخلیق

السیّد محمّد جعفر الزّمان نقوی

www.khrooj.com

مصنف کا نام	مخدوم السید محمدؒ جعفرؒ الزمان نقوی البخاری
کتاب	افکارالمنتظرین
مرتب	مہتاب اذ آفر
تکنیکی معاونین	علی رضا، بلال حسین
سنۂ اشاعت	2022ء
تعداد	500
ایڈیشن	چہارم
پرنٹرز	فدک پرنٹنگ پریس لاہور
پبلشرز	القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی
	کمرہ نمبر 11 سیکنڈ فلور اے اینڈ کے چیمبر 14
	ویسٹ وہارف روڈ کراچی پوسٹ کوڈ 74000 پاکستان
فون نمبرز	021-32205037,32311979,32311482
ای میل	Email: klbehyder@yahoo.com
ملنے کا پتہ	المنتظرین پبلی کیشنز جمن شاہ ضلع لیہ
فون نمبر	WhatsappNo : 03007314573
ویب سائٹ	www.Khrooj.com
ای میل	Email.jammanshah@gmail.com

ISBN:- 969-8806-34-2

www.khrooj.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس فکر ریزی کو اپنے مرشد

اعلیٰ ظلہ تعالیٰ کے پاک نام سے

منسوب کرتا ہوں کہ جن کا نقش کف

نعلین عطا یائے ادراک و معارف ہے

دعا گو

جعفر نقوی

www.khrooj.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عناوین

خطاب نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
	گفتنی	1
	مقدمہ	10
1	عقیدۂ توحید	15
2	تصورِ احدیت	25
3	فرائضِ توحید	39
4	معرفتہ اللہ	47
5	معرفتِ توحید	68
6	مقامِ مظہریت خطبہ اول	77
7	مقامِ مظہریت خطبہ دوم	88
8	مقامِ نفسیت	98

www.khrooj.com

خطاب نمبر	عنوان		صفحہ نمبر
9	مقامِ آلیت		108
10	مقامِ نسبیت		121
11	معاشرتِ توحید		132
12	تصورِ قادریت		142
13	تصورِ خالقیت		152
14	باِذنِ اللہ		169
15	مقامِ فعلیت		186
16	وسیلۃ اللہ	خطبہ اول	205
17	وسیلۃ اللہ	خطبہ دوم	220
18	مشیت اللہ		232
19	ارادۃ اللہ		244
20	توحید عبادتی		260
21	مقامِ اولیت	خطبہ اول	273
22	مقامِ اولیت	خطبہ دوم	290

www.khrooj.com

خطاب نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
23	مقامِ اولیت خطبہ سوئم	307
24	مقامِ اولیت خطبہ چہارم	318
25	ظاہر و باطن خطبہ اول	335
26	ظاہر و باطن خطبہ دوم	352
27	نبوت	368
28	النقطہ والخط	387
29	حدیثِ طینت	410
30	حدیثِ ثقلین	426
	القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی کی مطبوعات	442

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

گفتنی

الحمد للہ ربنا و رب العالمین و صل علی محمدؐ و آلہ الطیبین خصوصاًعلیٰ سر اللہ فی العالمین عجل اللہ فرجه الشریف و صلوات اللہ علیه

قارئین گرامی القدر

( )اگر مذاہب عالم کی تاریخ پر نگاہ کی جائے تو ہمیں اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنے مذاہب نے جنم لیا ہے ان کا اس وقت کے موجود مذاہب سے تصادم ضرور ہوا ہے دوسری طرف نئے جنم لینے والے ہر مذہب کوختم کرنے کا منصوبہ دربارشاہی یابہ الفاظ دیگراس وقت کے صاحبانِ اقتدار نے ضرور بنایا ہے

( )اس حقیقت کی طرح یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کچھ وقت چلنے کے بعد ہر مذہب ایک درباری مذہب بنتا رہا ہے جیسے جناب موسیٰ علیہ السلام کا دین ایک مظلوم بچے کی طرح پیدا ہوا اور پھر جلا وطنی گزاری اس کے بعد ایک طویل عرصہ سر پر تاج سجائے بر سر تخت شاہی جلوہ فگن رہا

اسی طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام کا دین بھی ہزاروں بدنامیوں میں پیدا ہونے والے بچے کی طرح پیدا ہوا اور ایک مظلوم کی طرح صلیب پر لٹکا یا گیا مگر ایک وقت گزرنے کے بعد یہ بھی ایک سیاسی مذہب بن گیا اور ایک طویل عرصہ اقتدار کی کرسی کا حامل رہا اسی طرح اسلام نے بھی ایک یتیم بچے کی طرح جنم لیا ایک مصیبت زدہ فرد کی طرح پروان چڑھا مظلوم کی طرح جوان ہوا مگر اس نے بھی کچھ وقت بعد ایک سیاسی مذہب کا رنگ اختیار کیا اور یہ بھی حکومت کی دیوی کی پوجا میں مصروف ہو گیا

( ) ہم جب مذاہب عالم کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ حقیقت بھی دریافت ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی مذہب درباری دین بنتا ہے تو پھر وہ عوامی پراپرٹی (Property) بن جاتا ہے اس لئے اسے عوامی نظریات کو قبول کرنا لازم ہو جاتا ہے اور یہیں سے مذاہب میں خرابیاں اور فساد جنم لیتے ہیں

( ) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جملہ مذاہب میں خرابیاں پیدا ہونے کی کیا وجوہات تھیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ہر دور میں اور ہر مذہب میں ایسی تحریکیں بار بار دیکھیں گے جو مذہبی اصلاح کے نام پر شروع ہوتی ہیں یہ تحریکیں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟

اس کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی مذہب عوامی مقبولیت کیلئے حریص ہو جاتا ہے یا اس کے پیروکار اپنے مذہب کو عوام میں مقبول کروانا چاہتے ہیں تو عوام کی پسند کے مطابق اس میں تبدیلیاں کرتے ہیں تاکہ اسے عوام پسند کریں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوام اسے پسند کریں یا نہ کریں اس کے اپنے اندر دھڑے بندیاں اور فرقہ واریت جنم لے لیتی ہے

www.khrooj.com

اسی طرح برسراقتدار طبقہ ہمیشہ چاہے کتنا ہی مذہبی کیوں نہ کہلائے بنیادی طور پر وہ سیکولر (Secular) ہوتا ہے کیونکہ عوامی حکومت ہو یا ڈیکٹیٹر شپ (Dictator Ship) دونوں حالتوں میں اسے عوام ہی پر حکومت کرنا ہوتی ہے اور عوام میں سارے مذاہب و مسالک کے لوگ ہوتے ہیں اور اس حاکم کو ان پر حکومت کرنا ہوتی ہے اس لئے ان میں رہنے کیلئے ان کی خبر گیری اور ان کا تحفظ حاکم اور بادشاہ کی ذمہ داری ہوتا ہے

اسی طرح ہر حاکم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی رعایا میں کوئی اختلاف نہ ہو ان کے مابین کوئی مذہبی منافرت نہ ہو اس خواہش کے پیش نظر ہر زمانے میں ایک ایسے مذہب کی نمائش یا پرچار کیا جاتا ہے جو سارے مذاہب کا ملغوبہ سا ہو جو دیکھنے میں اسلام نظر آئے، سونگھنے پر عیسائیت کی بو دے، چکھنے پر ہندو دھرم لگے، سننے پر یہودیت کی آواز دے اور حقیقت میں دیکھیں تو کوئی بھی دین و مذہب نہ ہو

اس قسم کے مذاہب کو ہر زمانے میں متعارف یا انٹروڈیوس (Introduce) کروایا جاتا رہا ہے یہ بھی ہوتا ہے کہ جس مذہب کے لوگوں کی کثرت ہوتی ہے نیا دین اس کی بگڑی ہوئی شکل میں جنم لیتا ہے جیسے جلال الدین اکبر نے ''دین اِلٰہی'' متعارف کروایا تھا اس میں بنیاد اسلام کو بنایا گیا رنگ ہندو دھرم کا دیا گیا اور پالش سکھ ازم سے کی گئی

اسی طرح بابا گرونانک نے اسلام اور ہندو دھرم کے کمبی نیشن (Combination) یا امتزاج سے سکھ ازم متعارف کروایا اسی طرح کی سینکڑوں تحریکیں مغربی دنیا میں پیدا ہوئیں اور انہی مسائل کا سامنا سارے مذاہب کو رہا ہے اور مذاہب میں توڑ پھوڑ کا

عمل انہی وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے

اس قسم کی تحریکوں کے کئی نتائج نکلتے ہیں مثلاً ایک یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ خود اسی مذہب میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں جو بنیاد پرست لوگ ہوتے ہیں وہ اپنے مذہب سے مخلص ہوتے ہیں اور اس سے واقف بھی ہوتے ہیں وہ مذہب میں من مانی تبدیلیوں کے خلاف سر پر کفن باندھ کر نکلتے ہیں اور عوام کو اپنے مذہب کے دفاع کیلئے سڑکوں پر لے آتے ہیں

ایک یہ بھی ہوتا ہے کہ جس مذہب کو عوامی بنانے کی کوشش کی جائے اس کی تبدیل شدہ شکل کو سارے مذہبی لوگ تو تسلیم نہیں کرتے صرف ایک محدود سی تعداد اسے قبول کرتی ہے جو خود کو براڈ مائنڈڈ Broad_Minded یا لبرل Liberal کہتی ہے باقی لوگ اسے قبول نہیں کرتے اس طرح بغیر نبی یا امام کے ایک نیا دین پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ آج کئی ادیان اسی طرح کے موجود ہیں ۔ یہ ساری باتیں میں نے اس لئے لکھی ہیں کہ آپ کو مذاہب میں تبدیلیوں اور توڑ پھوڑ کے عوامل بتائے جا سکیں

......اب ہم اپنے مقصد پر آتے ہیں

تشیع

دین اسلام اگرچہ ایک کمزور حیثیت میں پیدا ہوا مگر اسے اقتدار کے حصول میں زیادہ دیر نہیں لگی اور یہ چند دنوں میں قیصر و کسریٰ و تبعان و نجاشیوں کے اقتدار پر قابض ہو گیا اور پھر اسے سیاسی مذہب بننے میں کوئی دیر نہیں لگی یہ ایک طویل داستان ہے جسے ہم نہیں چھیڑتے مسلک شیعہ ہمیشہ سے ایک مظلوم مسلک کی طرح رہا ہے

اسے اقتدار اوّلین صدیوں میں ملا ہی نہیں اس لئے اہل تشیع نے اپنے مذہب کو کبھی سیاسی مذہب بنانے کی کوشش ہی نہیں کی اس لئے یہ ہمیشہ اپنی بنیادوں پر قائم رہے کیونکہ روحانیت پر مبنی مذاہب ومسالک کسی من مانی تبدیلی کو جلدی قبول نہیں کرتے جیسا کہ صوفیائے کرام کا دین ہے جو اسلامی روحانیت کا امین ہے اسی طرح شیعہ مسلک بھی اسلامی روحانیت کا دین ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو مذہب ومسلک بھی روحانیت کا علمبردار ہوگا وہ غیر تبلیغی مذاہب ومسالک کی لسٹ میں آجاتا ہے

اسی طرح شیعہ ازم بھی ایک غیر تبلیغی جفا پسند دین تھا اس مسلک کے لوگوں میں جو اصول پسندی تھی اور بے لچک مذہبی رویّہ تھا وہ دیگر مسالک کے لوگوں کو چبھتا تھا اور اس میں یہ بات بھی تھی کہ لاکھ کوشش کے باوجود یہ کسی مسلک سے مکس Mix_up نہیں ہوسکتا تھا بلکہ جو مسلک اسے اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتا تھا وہ خود اس میں جذب ہو جاتا تھا اور یہ بات دیگر مسالک سے بھی زیادہ برسراقتدار طبقے کیلئے دردِ سر تھی اور اب بھی ہے

اس سردردی کو دور کرنے کیلئے سیاسی طبقے کی کوشش رہتی تھی کہ کسی طرح شیعوں کا بھی ایک ایسا دین بنا دیا جائے جو سارے مسالک اسلام کو قابل قبول ہو اور آئے دن کے فسادات کا خاتمہ ہو اس کیلئے صاحبان اقتدار نے ویسے تو کئی حربے اپنائے ہیں مگر ایک حربہ ان کا وہ ہے جو ہر دور میں استعمال ہوتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ اہل تشیع کے علمائے کرام میں سے کچھ ایسے مولوی خرید لئے جنہیں تشیع کے حرم مقدس میں کوئی گھاس نہ ڈالتا ہو اور انہیں دین سے زیادہ دولت دنیا اور نام ونمود اور شہرت و اقتدار کی خواہش ہو انہیں خرید کر ایک مجدد کی طرح ایسے دین کی تبلیغ پر اکسایا جاتا تھا

جو دیگر مسالک کیلئے قابل قبول ہو بلکہ یوں سمجھ لیں کہ اس دین میں بنیادی مسالہ دیگر مسالک کا ہوتا تھا لیکن اس پر تشیع کا لیبل لگا دیا جاتا تھا جیسے محمد بن عبداللہ وہاب نے تبلیغ کی کہ جس میں وہ چیزیں بھی حلال قرار دی گئی ہیں جو خود یہود میں بھی حرام ہیں اسی طرح کے لوگ ہر مسلک میں مل جاتے ہیں کہ جو مال و دولت کیلئے دین کو بیچنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ہر دور میں ایسے لوگ جملہ مسالک میں موجود رہے اور انہوں نے خوب کمائی کی اور دین میں خوب فساد پھیلائے لیکن ایسے لوگوں کا ہمیشہ روحانیت کے مسند نشینوں نے راستہ روکا ہے جیسا کہ وہابیت کا راستہ صوفیائے کرام نے روکا تھا موجودہ دور میں ایک عرصے سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ پھر وہی ڈرامہ سٹیج کیا جا رہا ہے اور اتحاد بین المسلمین کے لیبل میں عوام کو ایک ایسے دین کا پیکیج (Package) دیا جا رہا ہے کہ جس کا ہمارے مسلک سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے گویا اموی و عباسی نظریات کو دوبارہ پالش کر کے اس پر شیعیت کا لیبل لگا کر شیعہ عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے عزاداری کے مخالفین کی تائید میں دلائل دیئے جا رہے ہیں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کی گواہی کو آذان سے نکالنے کی کوشش ہو رہی ہے مسلّمہ فضائل اور معجزات پر غلو کے فتوے لگا دیئے گئے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ جیسا اموی اور عباسی لوگ آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے ویسا عقیدہ رکھا جائے

اسی میں نور و بشر کی بحث ہے یا حاضر و ناظر کا مسئلہ یا استمداد کا مسئلہ یا علم غیب کا مسئلہ، شبیہات کا مسئلہ

الغرض وہ سارے شعائر بند کروانے کی کوشش کی جا رہی ہے جو دیگر مسالک میں ممنوع ہیں اور ان عقائد کی نفی کی جا رہی ہے جو دیگر مسالک میں موجود نہیں ہیں اور

وہ صرف شیعیت کا تشخص برقرار رکھتے ہیں یا اس مسلک کی پہچان ہیں ماتم میں خون بہانے پر فتوے دے کر وہ شیعیت کی خدمت تو نہیں کر رہے

پاکستان میں یہ پہلی بار ہوا ہے مگر مڈل ایسٹ Middle East میں یہ تبلیغی چکر کئی مرتبہ چلایا جا چکا ہے ماضی قریب میں بھی ڈاکٹر موسیٰ موسوی اور اس کے ہم مشرب لوگوں نے ایسے روشن خیالی پر مبنی دین کی تبلیغ کی ہے اور آجکل پاکستان میں اتحاد بین المسلمین کے نام پر بہت کچھ پیش کیا جا رہا ہے

میں سمجھتا ہوں اتحاد بین المسلمین کیلئے ایک کتاب، ایک قبلہ، ایک نبی، ایک خدا کا ہونا کافی ہے اور اسی پر مکمل اتحاد ہوسکتا ہے اور اس کے ساتھ اگر علم الاخلاقیات کی وحدت کو بھی شامل کرلیا جائے تو اتحاد کامل ہوسکتا ہے

ہندوازم نے ایک عجیب طرز اپنائی ہے کہ جو بھی کسی چیز کو پوجتا ہے اسے اپنا ہم مذہب تصور کرلیا ہے اس طرح اس میں جین مت، بدھ مت، پارسی، شنتو ازم والے بھی مزے سے گزار رہے ہیں اور ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہوتا، کیا اسلام کے بڑے مسالک کسی چھوٹے بھائی کو وحدتِ قبلہ و کتاب و رسول وخدا کی بنیاد پر ساتھ رہنے کا حق نہیں دے سکتے؟

میں سمجھتا ہوں کہ وہ دے رہے ہیں ہمارے علاقے میں آج بھی شیعہ سنی مل کر محرم مناتے ہیں اور مل کر میلاد مناتے ہیں ان میں پیار ومحبت کی فضا باقی ہے مگر نام نہاد مصلح اہل تشیع کو آپس میں لڑا رہے ہیں

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی ایسی تحریکیں چلائی گئی ہیں یا جب بھی زرخرید مولویوں کی کوئی کھیپ مارکیٹ میں لائی گئی ہے اس کا دفاع روحانیین ہی نے کیا ہے یہ علیحدہ

www.khrooj.com

بات ہے کہ ان تحریکوں کی سرپرستی حکومتیں اور بڑی بڑی لابیاں کرتی ہیں مگر اہل حق کی سرپرستی خود خالق کائنات فرماتا ہے اس لئے فتح ہمیشہ روحانیت کے علمبرداروں کی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی

روحانیین کا مسلک عشق اِلٰہی ہوتا ہے فنا فی اللہ اور باقی باللہ کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے ان کے وسائل مادّی و روحانی کا عشق بھی گویا اللہ کا عشق ہوتا ہے اسی لئے ایک عارف کا سفر مرشد سے شروع ہوتا ہے اور اللہ تک جاتا ہے اسی کا نام سلسلۂ شریف ہوتا ہے یعنی انسان رشد کی کن کن کڑیوں سے منسلک ہوکر واصل باللہ ہوتا ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں انسان اپنے خالق سے منسلک رہتا ہے اور اس کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہیں ہوتا جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل اللہ جل جلالہ نے اپنے سارے پیغامات مکمل کر لئے تھے اور اس دور میں وہ انسانیت سے منقطع ہے سچ تو یہ ہے کہ اس دور میں بھی اس کا سلسلۂ پیغام جاری و ساری ہے اس کا نمائندہ ہر زمانے کا امام ہوتا ہے اور ہمارے زمانے میں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی اس ذاتِ غیب الغیوب کے نمائندۂ ذات ہیں

اور ہمارے مابین وہ ذات ہی اتحاد کیلئے ایک وجہ کافی ہے کہ جن کی ذات سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا، نہ کوئی سنی، نہ کوئی شیعہ، اب یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی کہے کہ انہوں نے آخری زمانے میں جنم لینا ہے یا وہ ازل سے موجود ہیں اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ انہوں نے آخری زمانے میں جنم لینا ہے تو کیا ہم اس دور کو آخری زمانہ نہیں سمجھ سکتے اگر اسی زمانے کو آخری زمانہ سمجھ سکتے ہیں تو پھر ہمیں اتحاد و اتفاق کے ساتھ ان کی ذات کو تلاش کرنا چاہیے اور جملہ اختلافات کو بھول کر ان کی تشریف

www.khrooj.com

آوری کی دعا کرنا چاہیے کہ وہ ذات کریم اس دنیا میں اپنے دورِحکومت کی نعمتوں سے ہم سب کو سرفراز فرمائیں چاہے وہ روحانی نعمات ہوں یا مادّی...... ان سے پوری انسانیت کوامن وسکون ومنازل اعلیٰ پر فائز فرمائیں

آمین ثم آمین

والسلام

کفش بردار روحانیین ومنتظرین وعاشقین

السید مخدوم محمد جعفرالزمان نقوی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجهُم بِقَائِمِهِم عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَیهِ وَ عَلٰی آلِهِ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوھاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

مقدمہ

سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں اس امر پر دل کی گہرائیوں سے اقرار عجز ہے کہ اس احسان عظیم کا شکر ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہوں کہ مجھ جیسے ہیچ مدان کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ زیر نظر کتاب کی ترتیب وتدوین کروں

اس دور میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین دیواریں کھڑی کی جارہی ہیں یا یوں کہوں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ جان بوجھ کر ایک خاص مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ اور پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے درمیان فاصلے پیدا کئے جارہے ہیں، تفریق پیدا کی جارہی ہے۔ اہل علم اور صاحبانِ مسند علم کے درمیان مسئلہ اِلٰہیات پر بحثیں چل رہی ہیں اور اسی مذکورہ مسئلہ کی آڑ میں خاندان پاک علیہم الصلوات والسلام کی عزت وعظمت پر شعوری یا لاشعوری ناکام حملے ہورہے ہیں

اسی کے پیش نظر بندہ ناچیز نے اس امر کی ضرورت شدت سے محسوس کی کہ مسئلہ اِلٰہیات پر کچھ نہ کچھ روشنی اس انداز سے ڈالی جانی چاہیئے کہ جس سے اس کی حقیقت بھی سامنے آجائے اور خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کے مدارج عالیہ بھی حقیقت اِلٰہیہ کی روشنی میں عوام کے سامنے لائے جائیں اور ان مسائل کا بیان اس قدر سلیس

www.khrooj.com

اور عام فہم ہو کہ ہر موالی بہ آسانی انہیں سمجھ سکے اور حقیقت سے آشنا ہو کر اغوا کنندگان کے چنگل سے نجات حاصل کر سکے

اس مسئلہ کے حل کیلیئے انکشاف حقائق کو ضروری سمجھتے ہوئے میں نے اپنے استاد گرامی واجب صد احترام لائق تعظیم جناب السید مخدوم محمد جعفرؒ الزمانؒ نقوی البخاری کی ان تقاریر کو جمع کرنے کی ٹھانی کہ جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور محمد و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے مابین جو لطیف رشتہ ہے اس کی توضیح بھی ہے اور ان کے اس مقام کا تعین بھی کیا گیا ہے کہ جو خالق اور مخلوق کے مابین اللہ نے ان کیلیئے قرار دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی میں اس دور کے طوفانِ الحاد کا دفاع بھی ہے

بندہ نے جب اپنے استاد گرامی القدر جناب السید مخدوم محمد جعفرؒ الزمان نقوی البخاری کے مجالس کے آڈیو اور وڈیو ریکارڈ کی چھان بین کی تو مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر کی گئی ان کی بیشتر تقاریر میسر آئیں جن میں مذکورہ مسئلہ پر نہ صرف یہ کہ سیر حاصل تبصرہ کیا گیا تھا بلکہ اس مسئلہ کو ہر پہلو سے اجاگر بھی کیا گیا تھا اور ان جملہ تقاریر میں جو قدر مشترک ہے اسی نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کے مابین جو ریلیشن شپ (Relation Ship) یا تعلق داری ہے اسے ایسے خوبصورت انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ ایک سطحی ذہنیت کے حامل انسان کیلیئے بھی اس کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے اب ذی قدر محسن و شفیق استاد گرامی کی اجازت سے ان کی تقاریر کو کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں

واضح رہے کہ ان تقاریر میں بعض مقامات پر آپ کو کچھ باتوں کا اعادہ بھی نظر آئے گا

اسے میں نے حذف کرنے کی بجائے ویسے ہی رہنے دیا ہے کیونکہ یہ ایک مسلّمہ ہے کہ حسنات کا اعادہ بذات خود ایک مستحسن فعل ہے جیسا کہ خود ذات واجب الوجود نے اپنے لا ریب کلام مقدّس میں اسلوب اپنایا ہے کہ نماز کی تاکید میں کم و بیش 270 مقامات پر ''اقیموا الصلواۃ'' فرمایا ہے

ایک بات اور عرض کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ ان جملہ تقاریر میں آپ کو ذہنی معیار کا فرق دکھائی دے گا یعنی تمام تقاریر کا معیار ایک سا نہیں ہوگا بلکہ اس میں عقائد و خیالات کا نشیب و فراز واضح طور پر سامنے آئے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تقاریر اندازاً سنہ 1981 سے 1990 تک کے عشرہ پر محیط ہیں اور ان میں ارتقائے ذہن و عقائد کا جو سفر ہے اس کا اظہار موجود ہے اس لئے اس فرق کو موجود رہنے دیا گیا ہے کہ قارئین عقائد کے اس ارتقائی سفر کا جائزہ بھی لے سکیں جو اس عشرہ میں ظہور پذیر ہوا ہے

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کتاب کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ آج تک علماء و عرفاء نے اِلٰہیات کے موضوع پر جتنی کتابیں لکھی ہیں وہ عام فہم نہیں ہیں اور ان میں ایسی دقیق علمی بحثیں موجود ہیں جو عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہیں

میری دعا ہے کہ تمام موالیین کو مولائے کائنات اپنے دامن کرم میں امان دیتے ہوئے دین کے ان رہزنوں سے بچائیں جو فضائل آل محمد علیہم الصلوات والسلام سنتے ہی شرک و کفر کے فتوؤں کی پٹاریاں کھول دیتے ہیں اور تمام موالیین کو ذات غیب الغیوب عجل اللہ فرجہ الشریف صراطِ مستقیم یعنی صراط آلِ محمد علیہم الصلوات والسلام پر ثابت قدم رکھتے ہوئے وہ روزِ سعید دیکھنا نصیب فرمائیں کہ جب ظلم مع ظالمین کے ختم ہو جائے گا اور پاک محمدؐ و آل محمد علیہم

الصلوات والسلام کی قدرت وعظمت الوہیت کا سراپا اوڑھے عوام پر منکشف ہوگی اس دن جلنے والے اوندھے منہ نارِ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ جلنے کیلئے دھکیل دیئے جائیں گے اور محبت ومؤدت رکھنے والوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی

2003ء کی بات ہے کہ جب جناب الحاج الزوار حکیم ملک غلام عباس چوہان صاحب فاضل الطب الجراحت و گولڈ میڈلسٹ کاٹھ گڑھ ڈی آئی خان نے اپنے پیارے محسن قبلہ سائیں مخدوم محمد جعفرؒ الزمان نقوی البخاری سے ان کی تخلیق وتصنیف کردہ کتب کی طویل فہرست میں سے معدن العصمت اور افکار المنتظرین کی اشاعت کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا فی الحال معدن العصمت سلام اللہ علیہا آپ کے حصے میں آئی ہے۔

افکار المنتظرین کا پہلا ایڈیشن جناب حکیم ملک غلام عباس صاحب نے شائع کروایا ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں اس کے بعد چونکہ سرکار السید مخدوم محمد جعفرؒ الزمان نقوی البخاری کی کافی کتابیں تھیں جن کو پرنٹ کروانا بھی ایک اہم ذمہ داری تھی۔

جناب سید مظہر حسین موسوی صاحب جو کہ القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی کو بھی چلا رہے تھے ساتھ ہی سرکار کی تمام کتب کی اشاعت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی اور ابھی تک بڑے احسن طریقے سے نبھا رہے ہیں ہماری دعا ہے کہ پاک ذات ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے

آخر میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے زیر نظر کتاب کی اشاعت میں تعاون فرما کر مجھے ساحل مراد تک پہنچنے میں مدد دی ہے

www.khrooj.com

ان میں جناب سید علامہ حسن عسکری صاحب آف لاہور، جناب علامہ غلام شبیر صاحب آف لاڑکانہ، جناب سید یحیٰ حسن رضوی صاحب آف فیصل آباد، جناب سید مسرت عباس آف شیخوپورہ، علی رضا، بلال حسین خان، ابجر مہدی

بعد ازاں دعا گو ہوں کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی حکومت کا قیام جلدی ہو اور اس دنیا میں حق کا سورج جلد قائم ہو، پاک گھر آباد و شاد ہو اور مومنین کو یہ دن دیکھنا جلد نصیب ہو، ہمیں امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی نصرت اور خدمت کا اعزاز حاصل ہو

﴿آمین یارب العالمین﴾

دعا گو

احقر العباد فقیر گوشہ نشیں ...... مہتاب اذفر

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشریف
وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلٰی آلِهِ اَجمَعِين

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

اعوذ باللہ القوی العلی العظیم من الشیطان الغوی الشقی الرجیم
اعوذ بمحمد الضی من شر ما قدر و قضی اعوذ باھل بیتہ الطاھرین
من شر الجنۃ والناس اجمعین ومن شر النفس و المغویین
بسم اللہ الوفی الولی الکریم الرحمن الرحیم

عقیدۂ توحید

اے شہسوارانِ عرصۂ عرفان!
جتنے مفکرین و مصنفین و مؤلفین و مقررین عالم ہست کی سطح تحریر پر نمود پذیر ہوئے ہیں سبھی نے اپنے رشحات قلم و زبان سے نقوشِ پائے فکر سینۂ افکار بشر پر چھوڑے ہیں مگر ان کے جام ہائے فکر شرابِ نفی و اثبات سے مملو رہے ہیں
حقیقت یہ ہے کہ اسی بادۂ نفی و اثبات کے ذائقوں کے اختلاف کا نام ہی طرز فکر ہوتا ہے
اکثر مصنفین اور مؤلفین اور مقررین نے بڑی تفصیل سے فکر کے چھوٹے چھوٹے گوشہ ہائے لطیف کے عارضانِ درخشاں سے نقاب کشائی کی ہے اور بعض متقدمین نے بھرپور بحثوں سے لبالب کتب کے ساتھ نتائج پر مبنی کتب بھی چھوڑی ہیں جن

لوگوں نے فکری سرمایا بے دریغ لٹایا ہے مگر اس میں سے حصول مقصد کو عوام پر چھوڑا ہے وہ شخصیات ہر دور میں متنازعہ بنتی رہی ہیں

یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کے ذہن اور علم میں ارتقا کا عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے افکار میں شکست و ریخت کا عمل بھی جاری رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تحقیق اور علم میں حرف آخر نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی آدمی محد سے لحد تک علم کے حصول میں مصروف رہنے کے باوجود دنیا سے تشنہ ہی جاتا ہے

انسان اپنے سفر علم و عرفان میں جیسے جیسے آگے بڑھتا جاتا ہے سابقہ نظریات اور افکار گرد کارواں کی طرح پیچھے رہ جاتے ہیں ایک ہی علمی شخصیت کی متعدد کتابیں اسی وجہ سے تضاد و تناقض کا شکار نظر آتی ہیں اور اسی وجہ سے اکثر لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اور وہ کسی مصنف کے افکار پریشان اور پس ماندہ نظریات کو بھی اس کے آخری نظریات مان لیتے ہیں جبکہ وہ تو انہیں بہت پیچھے چھوڑ چکا ہوتا ہے

اس لئے میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ آج میں جہاں ہوں اس مقامِ عرفانِ توحید کے محل وقوع کے بارے میں آپ کو بتا دوں تاکہ میرے آئندہ آنے والے سلسلۂ تقاریر میں کوئی ابہام و شبہ پیدا ہو کر کہیں خود مجھے ہی متنازعہ نہ بنا دے کیونکہ توحید جیسے موضوع پر جب گفتگو ہوتی ہے تو زبان کو تیز دھار تلوار کی دھار پہ سفر کرنا پڑتا ہے اور سامعین کی سخن فہمی کو بھی دہن کے بیرل سے نکلتی گولی کو پکڑنا پڑتا ہے اس لئے دونوں طرف سے ہونے والا ذرا سا تساہل ہلاکت کی اتھاہ گرائیوں میں ڈال دیتا ہے سامع اور قاری کی یہ مشکلات اس وقت کئی لاکھ گنا اور بڑھ جاتی ہیں جب بات کرنے والا اعتبارات میں بات کر رہا ہو

اے فارسان دشت معرفت!

آپ کے سامنے میں اپنا عقیدہ بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ اس پر میرے گواہ رہیں

میں اس ذات خفی الاخفی کو واجب الوجود مانتا ہوں کہ جس کی کلی ترجمانی کیلئے ناکافی نام ''اللہ'' ہے، میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا، میرا اس سے کبھی سامنا نہیں ہوا، حواس خمسۂ ظاہری اور حواس عشرۂ باطنی پر اس کا کبھی کوئی عکس مرتسم بھی نہیں ہوا، اس کے باوجود میں اس وجود مطلق کو واجب الوجود مانتا ہوں

ممکن ہے کوئی انسان کہے کہ میں اسے آثار سے مؤثر پر استدلال کر کے مان رہا ہوں یا شواہد کائنات سے اس کے وجود کو تسلیم کر رہا ہوں ایسا بھی ہرگز نہیں ہے کیونکہ جن آثار کو انسان کبھی ایک مؤثر کے اثرات سمجھتا ہے وہ کچھ وقت بعد کسی دیگر مؤثر کی طرف رہنمائی کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہ ضروری تو نہیں کہ میں جن آثار کا مؤثر اللہ جل جلالہ کو تصور کروں واقعی ان آثار کا مؤثر وہی جل سجانہ ہی ہو اور یہ بھی ضروری تو نہیں کہ انسان آثار سے مؤثر حقیقی تک پہنچ جائے یہ بھی تو ممکن ہے کہ انسان کچھ آثار کا مؤثر کسی غیر حقیقی مؤثر کو سمجھ لے

جیسا کہ ایک ہندو اپنی مرادوں کے پورا ہونے کو پتھر کے خدا سے جوڑ لیتا ہے یہ تخلیق کائنات جیسے امر عظیم کو بتوں سے وابستہ کر دیتا ہے اور کائنات کا مؤثر وہ چند بتوں کو سمجھ لیتا ہے، اس لئے میں نے عقیدۂ توحید میں آثار و شواہد کی ناقص بیساکھیوں کا سہارا نہیں لیا، میں اس کی ذاتِ واجب الوجود پر براہین انیہ و براہین لمیہ کی زنجیریں نہیں ڈالتا کیونکہ میں اس کی ذات کو ذات سے نہیں سمجھ سکتا کیونکہ میری عقل کی

رسائی اس کے حریم ذات میں محال ہے میں اسے اس کی صفات کے حوالے سے نہیں پہچانتا کیونکہ اس کی صفات بھی عین ذات ہیں

میں اس کے عجائبات سے اس کا عرفان حاصل نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کی ذات کے غیر سے اس کے عرفان کے حصول کا راستہ ہے یعنی غیر اللہ سے اللہ تک جانے کی سعی مذموم ہے میں قرآن کریم یا دیگر دلائل سے وجودِ احد و صمد پر دلیل نہیں لایا ہوں کیونکہ وہ اپنی دلیل خود آپ ہے

ہاں میرے تصورِ توحید اور اس عقیدے کے مآخذ صرف اور صرف محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام ہیں میرے لئے اثبات توحید کیلئے کوئی دلیل کافی نہیں تھی اور کوئی ثبوت قابل قبول نہ تھا، نہ ہے، نہ ہوگا مگر اس ذات واجب الوجود کو میں صرف اس لئے مانتا ہوں کہ ہمیں محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام نے بتا دیا ہے کہ ایک اللہ ہے وہ ذات واجب الوجود ہے بس ان کا یہی فرما دینا ہی میرے لئے ثبوتِ کافی ہے اس کے بعد کسی دلیل و ثبوت کی مجھے کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ ہے اور نہ ہوگی

وہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ کب سے ہے؟ کیا ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ اس کی ذات کیا ہے؟ یہ ساری باتیں سمجھنا نہ ہی میرے بس کا روگ ہے اور نہ میں سمجھنا چاہتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری ناقص عقول جو بھی نتیجہ اخذ کریں گی وہ کامل نہ ہوگا کیونکہ ناقص سے کامل کا صدور نہیں ہوسکتا اس لئے توحید کے بارے میں عقل کا استعمال بے جواز ہے میرے لئے اتنا بھی کافی سے زیادہ ہے کہ اس غیب الغیوب ذات کے وجود کی محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام نے خبر دی ہے انہی کی خبر کو بے چون و چرا مان لینا ہی میں واجب سمجھتا ہوں ورنہ عقلاً اس کے وجود کے اثبات پر جتنے دلائل

www.khrooj.com

دیئے جا سکتے ہیں اتنے ہی اس کے وجود کی نفی میں بھی موجود ہیں

جن عقلا نے اللہ کی صفات میں تعمق سے کام لیا ہے ان متکلمین اور فلاسفہ کی کتابیں دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کہیں نہ کہیں تناقض فی الصفات کا اقرار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اللہ مجموعۂ متناقضات کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوتا اور جو مجموعۂ متناقضات ہو وہ اللہ نہیں ہوسکتا میرے نزدیک جملہ عقائد کے حصول کا واحد مآخذ محمدؐ وآل محمد علیہم الصلوات والسلام ہی ہیں انہوں نے فرمایا ''اللہ ہے'' میں نے مان لیا پھر انہوں نے فرمایا ''اللہ ایک ہے'' میں نے کہا اللہ ایک ہے

میں نے اپنے عقائد کا سفید پیپر ان کی بارگاہِ اقدس میں پیش کر دیا ہے اب ان کی مرضی اس پر جو بھی لکھیں مجھے اس سے انکار نہیں ہے، میرا یہ عقیدہ ہے کہ آج محمدؐ و آل محمد صلیھم علیہم الصلوات والسلام کے فرد آخر موجود ہیں جو ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں وہ اگر خود تشریف لائیں اور فرمائیں کہ ہم اِلہٰ العالمین ہیں اور ہمارے سوا کوئی اللہ نہیں ہے تو سب سے پہلے اس کا اقرار میں کروں گا

آج اگر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں اور اعلان فرما دیں کہ ہم ہی اللہ ہیں اور ہمارے سوا کوئی اللہ نہیں ہے تو اس پر سب سے پہلے بلا دلیل لبیک میں کہوں گا کیونکہ ہمارے لئے حصول حق کا واحد ذریعہ یہی پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام ہیں میرے لئے ان کا ہر فرمان عین حق ہے اور اس پر عقیدہ رکھنا میں اپنا فرض واجب سمجھتا ہوں نتیجہ یہ ہے کہ میں اللہ کے وجود کا صرف اس لئے قائل ہوں کہ اس کی ذات کی خبر ہمیں پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام نے دی ہے

ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ اس نہ سمجھ آنے والی ذات کو

سمجھنا ہوتو ''تنزیہ'' کرو یعنی اس ذات واجب الوجود کو مثل و فعل و کیف و جذبات و صفات و اسم و جسم و شبیہ و ضرب و رؤیت و سماعت وغیرہ سے اجل و ارفع و اعلیٰ سمجھو تنزیہ اس لئے ضروری ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس کی ذات عقولِ عوالم کی ٹامک ٹوئیوں سے ارفع و اجل ہے اور انہوں نے یہ قدغن بھی لگائی ہے کہ تنزیہ حد مطلقیت تک نہ جانے دو کیونکہ اس طرح وہ ذاتِ واجب الوجود خود وجود سے بھی منزہ و پاک ہو جائے گی جس سے اس کا نعوذ باللہ عدم ذات ثابت ہو جائے گا یعنی اس کی ذات ہی نہ رہے گی

ہمیں پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم سمجھانے کیلئے تشبیہ کا سہارا لو یہ تشبیہ تنزیہ کی ضد ہے اور فرمایا کہ سمجھانے کیلئے تشبیہ کے بغیر کوئی چارا نہیں ہے کیونکہ مخلوق میں خالق کی شباہت موجود ہے کیونکہ وہ ذات واجب الوجود سمیع بھی ہے، بصیر بھی ہے، خبیر بھی ہے، حی بھی ہے، ممیت بھی ہے، بلا تشبیہ انسان بھی سنتا ہے، دیکھتا ہے، باخبر ہوتا ہے، زندہ ہے، مارتا ہے وغیرہ وغیرہ

یہ علیحدہ بات ہے کہ حیاتِ الٰہی کے وہ معنی نہ ہوں جو حیاتِ مخلوق کے ہوں مگر صفت حیات میں اگرچہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو مگر شباہت موجود ہے

انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تنزیہ اور تشبیہ میں نقطۂ اعتدال پر قائم رہنا ہے کیونکہ کلی تنزیہ کرو گے تو اللہ کا وجود معدوم ہو جائے گا اور تشبیہ کلی کرو گے تو اللہ مخلوق کی طرح ایک صاحب جسم و صفات بن جائے گا اور ان دونوں حالتوں میں انسان گمراہیوں کے جہنم کی اتھاہ گرائیوں میں جا گرتا ہے

اس لئے میں میزانِ عقیدہ کو تشبیہ اور تنزیہ کے مابین اس طرح قائم رکھنے کی کوشش

کرتا ہوں جیسے دو ہموزن چیزیں میزان میں رکھنے پر میزان کا کانٹا درمیان میں ساکن ہو جاتا ہے میرا عقیدہ نہ تو مائل بہ تنزیہ کلی ہے کہ جس سے اللہ عزوجل معدوم عن العقل ہو جائے اور نہ مائل بہ تشبیہ ہے کہ اللہ عزوجل اسیر زنجیر عقل نظر آئے

ہمیں محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا ہے کہ کمالِ اخلاص وعرفان یہ ہے کہ ذات سے صفات کی نفی کردو اور اسے مجرد عن الصفات سمجھو یہ کمالِ تنزیہ ہے اور تم اس سے آگے قدم نہ بڑھاؤ ورنہ ذات کی نفی ہو جائے گی یہ بھی انہی کے حکم پر کرتا ہوں

انہوں نے فرمایا ہے تشبیہ کی آخری منزل یہ ہے کہ اس کی صفات داخل ذات ہیں یعنی ہر صفت عین ذات ہے

دوستو! آپ پوچھیں گے کہ تنزیہ اور تشبیہ کس لئے ہوتے ہیں؟

تو سنو اس ذات لا یفھم و لا یدرك کو سمجھنے کیلئے تنزیہ ہوتا ہے اور دوسرے کو سمجھانے کیلئے تشبیہ ہوتی ہے، عارفِ ذات حقیقت کو سمجھ کر تنزیہ کرتا ہے اور ایک مبتدی کو حقیقت سمجھانے کیلئے تشبیہ کا راستہ اختیار کرتا ہے کیونکہ تشبیہ کے بغیر حقیقت کو سمجھنا محال ہوتا ہے

میں نے اپنی تقاریر میں دونوں طرح سے باتیں کی ہیں لیکن ابتدائی علم کیلئے میں نے تشبیہ کو اپنایا ہے جن لوگوں نے اس تشبیہ میں تنزیہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے کفر کا فتویٰ دیا ہے اور جن لوگوں نے میرے تنزیہی خطبات میں تشبیہ ڈھونڈنے کی کوشش کی انہوں نے الحاد کا فتویٰ دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کو اشتباہ اور غلط فہمی ہوئی ہے اس لئے حکم ہے کہ فتویٰ دینے سے اس طرح بھاگو جیسے شیر درندہ سے ڈر کر بھاگتے ہو لہٰذا جب تک بات سمجھ میں نہ آئے فتویٰ نہیں دینا چاہیے چونکہ یہ

اس سلسلے کی میری پہلی تقریر ہے اس لئے میں آپ کو اپنی بات سمجھانے کیلئے ایک گائیڈ لائن(Guide Line) دے رہا ہوں کیونکہ میں نے آگے بہت سے انداز میں باتیں کرنا ہیں اور خصوصاً اعتباراتی باتیں اکثر لوگ نہیں سمجھ سکتے یا اس کے اندر چھپی حقیقت کو سمجھنے کی بجائے اسی اعتبار کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں تو دھوکہ کھا جاتے ہیں اس لئے میری ہر تقریر کو اس پہلی تقریر کے تناظر میں دیکھیں گے تو سفرِ عرفان آسان ہو جائے گا۔ میں نے اپنے عرفانیات کے اسباق میں ایک بات کی تھی شاید آپ کو یاد ہو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ایک ایسا غیب لا یدرک ہے کہ جسے سمجھنے کی کوشش کرنے والا کبھی منزل کو نہیں پا سکتا کیونکہ کسی چیز کو سمجھنے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے

( ) اسے سمجھنے کے وسائل و ذرائع کامل و کافی (لامحدود) ہوں

( ) ساتھ ہی وقت بھی لامحدود ہو

ہمارے پاس سمجھنے کے جو ذرائع اور وسائل ہیں وہ حواسِ خمسہ وعشرہ ہیں جو بہت ہی ناقص ہیں یہ اتنے ناقص ہیں کہ ان سے لاکھوں مدرکات کا ادراک کرنا محال ہے مثلاً آنکھ لاکھوں رنگوں میں سے صرف چند ہزار رنگوں کو پہچان سکتی ہے باقی کیلئے یہ کلر بلائینڈ ہے

انسان کی قوتِ شامہ (سونگھنے کی قوت) اتنی ناقص ہے کہ لاکھوں قسم کی بُو میں سے محدود سی چند قسم کی بو کو پہچانتی ہے اور یہ ایک کتے کی قوتِ شامہ سے بھی ناقص ہے

اسی طرح سارے حواس ناقص ہیں جو اصل کے لاکھویں حصے کا بھی ادراک نہیں کر سکتے انسان کو جو وقت ملا ہے وہ بھی بہت محدود ہے آپ خود حساب کر لیں

فرض کریں ایک شخص ایک سو100 سال کی عمر پاتا ہے تو ایک دن میں آٹھ8 گھنٹے

سونے کی وجہ سے عمر کا 33 فی صد یعنی 33 سال سو کر گزار دیتا ہے عمر کا 15 فیصد یعنی بچپن کے 15 سال شعور پختہ کرنے میں صرف کر دیتا ہے عمر کا ایک بڑا حصہ تقریباً 40 فیصد یعنی 40 سال طلب معاش میں صرف کر دیتا ہے اگر روزانہ دو گھنٹے کھانے پینے اور رفع حاجت اور غسل وغیرہ پر صرف کرنا فرض کیا جائے تو 8 فیصد عمر کا حصہ یعنی آٹھ 8 سال اس میں خرچ کرتا ہے اگر پانچ وقت نماز کا پابند ہو تو آدھا گھنٹہ روزانہ نماز پر صرف کرے گا تو اس کی عمر کا دو فیصد حصہ عبادت میں صرف ہو گا یعنی اس نے 100 سال میں سے صرف 2 سال عبادت کی ہے یعنی 98 سال تو انہی امور پر صرف ہو گئے باقی صرف دو سال بچتے ہیں اور دو سال طلب عرفان اور علم دین پر صرف کرنا فرض کر لئے جائیں تو آپ خود سوچیں کیا یہ وقت اتنے ناقص ذرائع کی موجودگی میں کافی ہے؟

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک ایٹم کو معلوم کرنے اور اسے استعمال کرنے تک تین پشتوں نے کام کیا تب جا کر ایک ایٹم سمجھا گیا تھا تو جب ایک ایٹم کو سمجھنے پر اتنا وقت درکار ہوتا ہے تو کائنات کو سمجھنے کیلئے کتنا وقت درکار ہو گا؟ اسی سے اندازہ کر لیں کہ خود خالق کائنات کو سمجھنے کیلئے کتنا عرصہ درکار ہو گا؟

ایک عام آدمی تو دو سال میں ایک کمپیوٹر (Computer) کو کما حقہٗ آپریٹ (Operate) کرنا نہیں سیکھ سکتا تو اس غیب لا یدرک کو کیسے سمجھ سکتا ہے اس لئے میرا ایمان ہے کہ میں اس کے وجودِ واجب کو تسلیم کرتا ہوں مگر اس کے عرفان سے عاجز ہونے کا اقرار بھی کرتا ہوں اور میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں اس ذات کو سمجھنے سے عاجز ہوں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہی اجمالی سا عقیدہ میری نجات کیلئے کافی بھی ہے

کیونکہ میں نے یہ ساری باتیں پاک خاندان کے مقدّس افراد علیھم الصلوات والسلام سے حاصل کی ہیں اوران کے فرمان اور حکم کی تعمیل میں اس ذات نا حاصل و ناشناس کو حاصل کر رہا ہوں اور اس پر اجمالی سا عقیدہ رکھ کر اس کی تفصیلات کو محمدؐ و آل محمد صلیھم الصلوات والسلام کے سپرد کرتا ہوں اور اس پر سوچنا اپنے لئے ممنوع سمجھتا ہوں

ہمارے لئے عرفانِ الٰہی کا کامل ترین ذریعہ و وسیلہ محمدؐ آل محمد علیھم الصلوات والسلام ہی ہیں کیونکہ انہوں نے خود فرمایا ہے☆ ''بنا عرف الله'' کہ اللہ ہم سے پہچانا جاتا ہے اثباتِ وجودِ الٰہی کیلئے ان کی ذاتِ اقدس سے بڑھ کر کون ثبوت ہوسکتا ہے اور اثباتِ وجودِ الٰہی کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ پاک خاندان کے سارے افراد علیھم الصلوات والسلام ہر دکھ سکھ میں ہر لمحہ ذکرِ الٰہی میں رطب اللسان رہے ہیں اور پوری حیاتِ ظاہری ذکراللہ میں اس طرح وقف فرمائی کہ خود انہی کا ذکر پاک بھی اللہ کا ذکر بن گیا ہمارے لئے باقی کسی ثبوت کی حاجت رہتی ہی نہیں

اور میرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ کا مکمل تعارف اس وقت ہوگا جب ہمارے شہنشاہ یزداں اجلال غیب الغیوب عجل اللہ فرجہ الشریف پردۂ غیبت سے باہر تشریف لائیں گے اس وقت ان کے رخِ وجہ اللہ مزاج سے پردہ کیا ہٹے گا گویا اللہ عزوجل کا جبروتی چہرہ بے نقاب ہوگا دعا کریں وہ روز سعید ہمیں جلدی نصیب ہو

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمٌ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلیٰ آلِہٖ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

تصورِ احدیت

قل ھو اللہ احد ( )

www.khrooj.com

اے ہمنشینانِ گوشۂ عرفان!
ہم کہنے کو تو رب ذوالجلال والاکرام کو احد مانتے ہیں اور ایک موحد کیلیئے ایسا ماننا واجب ولازم بھی ہے، اپنے مالک حقیقی کو ایک ماننا ہی اسلام کا پہلا سبق ہے حقیقت یہ ہے کہ مالک حقیقی کے وجود کو ماننا اتنا ضروری نہیں جتنا اسے ایک ماننا ضروری ہے اوراسی کا نام توحید ہے کیونکہ کفّارمکہ کے ساتھ لڑائی اس پر نہیں تھی کہ اللہ ہے بلکہ اس کے ایک ہونے کے نظریے پر تھی ورنہ وہ جہاں تین سوساٹھ 360 خدا مان رہے تھے ایک اور اللہ کا اضافہ کر لینے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا باقی سب کے وجود سے دست کش ہونا ہی ان کیلیئے مشکل تھا اس لئے یادرکھنا چاہیے کہ اسے ایک ماننا ہی اصل بات ہے اس لئے کئی باتیں ایسی ہیں جنہیں یادرکھنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے

( )

دوستو! ہمیں اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مالک مطلق ایک ہے مگر

بحساب عدد ایک نہیں کیونکہ گنتی کی اکائی ایک سے نہیں زیرو (Zero) یا صفر سے شروع ہوتی ہے اور زیرو (Zero) سے ایک کے عدد تک کا جو فاصلہ ہے یہ ایک لا متناہی درجات پر مبنی ہے اور ان کے مابین اربوں درجات یا پوائنٹس (Points) قائم کیئے جا سکتے ہیں جیسے ایک کلوگرام کے ہزار گرام بنتے ہیں گویا یہ ایک کے ہزار حصے یا پوائنٹس (Points) ہیں مگر اس ذاتِ احد کی اکائی پوائنٹس (Points) سے ماوریٰ ہے گویا وہ عین ازلی وابدی اکائی ہے

()

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ذات واحد فگر (Figure) کے لحاظ سے بھی ایک نہیں ہے جیسے عیسائیت میں اقنومِ ثلاثہ کا تصور ہے؟ آپ دیکھیں جب ہم 3 کا ہندسہ لکھتے ہیں تو وہ ایک فگر (Figure) ہوتا ہے مگر اس میں تین عدد ''ایک'' چھپے ہوئے ہوتے ہیں وہ بلحاظ ہندسہ تو ایک ہوتا ہے مگر وہ تین کا مرکب ہوتا ہے، اس لئے یہ بھی ماننا ضروری ہے کہ وہ ایک ہے مگر بحیثیت فگر (Figure) وہ ایک نہیں ہے اور اس کی ذات معدد مرکب نہیں ہے، وہ ذات اجل وارفع ایک کامل صفر یا زیرو (Zero) کی طرح ہے کہ جس میں کوئی عدد، کوئی پوائنٹ (Point)، کوئی ترکیب نہیں ہے وہ ایک ہے تو ایک کامل صفر کی طرح ہے

()

دوستو! احدیت کے تصور میں ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ ایک ریاضیاتی زیرو (Zero) کی طرح بھی نہیں ہے کیونکہ ریاضی کی صفر لاشئے مانی جاتی ہے اور اس طرح اس ذات واجب الوجود کو ریاضیاتی زیرو (Zero) ماننے سے وہ واجب

الوجود لاموجود وغیر موجود ہو جائے گا یوں سمجھ لیں کہ وہ ایک کامل صفر ہے مگر بحیثیت اوّلیت وآخریت کے وہ ایک کامل صفر ہے اور بحیثیت اوسطیت کے بھی وہ ایک کامل صفر ہے اس کی اوسطیت حدود اوّلیت وآخریت میں محدودیت کا نام نہیں اگر اس طرح مانا جائے گا تو وہ لامحدود محدود ہو کر رہ جائے گا اور اس کی اوّلیت آخریت کی غیر ہو گی اور آخریت اوسطیت کی غیر ہو گی اور اس طرح وہ محتاج اور کامل بالغیر اور قائم بالا جزا ہو جائے گا

اس کی اوسطیت بلحاظ مرکزیت کے ہے کیونکہ وہ مرکز ھست وموجود ہے جیسے پرکار کے دائرے کا ایک مرکز ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے اور دائرہ بن نہیں سکتا جب تک اس کا مرکز ایک نہ ہو متعدد مراکز سے بننے والا دائرہ اپنی تعریف سے خالی ہوتا ہے

اس کی مرکزیت کی ایک جیومیٹریکل (Geometrical) تشریح بھی کی جا سکتی ہے کہ وہ ذات واجب الوجود ایک ایسا مرکز ہے کہ جس کے گرد جیومیٹری (Geometry) کی جملہ اشکال بنی ہوئی ہوں کیونکہ جیومیٹری (Geometry) کی جملہ اشکال مرکز کے بغیر ہو ہی نہیں سکتیں ہر شکل کا ایک مرکز ضرور ہوتا ہے اور جب بھی کوئی عقلمند انسان جیومیٹری (Geometry) کی کسی شکل کو دیکھتا ہے تو فوراً اس کی مرکزیت کا ادراک کر لیتا ہے چاہے اسے وہ مرکز نظر آئے یا نہ آئے دائرہ ہو یا مربع، مثلث ہو یا مسدس ہر شکل اپنے مرکز کو منوانے میں مصروف ہوتی ہے

آپ ایک تجربہ کریں آپ کوئی سی ایک شکل بنا لیں اور اس کے مختلف کونوں سے ایسے خطوط کھینچیں جو سامنے والے کونے تک جائیں اس طرح متعدد خطوط کھینچ لیں

جہاں وہ خطوط ایک دوسرے کو قطع کریں گے وہی اس شکل کا مرکز ہوگا اس طرح آپ کو اس شکل کا مرکز مل جائے گا ، مرکز کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ شکل کے ایسے مقام پر واقع ہوتا ہے کہ اگر اس شکل کو ایک پن پوائنٹ (Pin-Point) پر تولا جائے تو اس مرکز کے علاوہ وہ چیز کسی مقام پر قائم نہ ہو سکے گی ان تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی چیز مرکز سے خالی نہیں ہے اور اس کا قیام مرکز کے بغیر ناممکن ہے، اس لئے ذات واجب الوجود کو اس دائرۂ عالم موجود کا ناقابل تردید مرکز ماننا واجب ہو جاتا ہے

آپ اشکالِ کلی کا ایک ایسا نقشہ بنائیں جس میں ایک ہی مرکز قائم کریں اور جملہ اشکال ایک دوسرے کے اندر تشکیل پاتے جائیں تو یہ شکل بنانا آسان ہے ایسا نہ ہو کہ ہر شکل کا ایک علیحدہ مرکز بنایا گیا ہو بلکہ ایک ہی مرکز کے گرد ساری اشکال موجود ہوں اس سے یہ بات سمجھنا آپ کیلئے آسان ہو جائے گا کہ موجود ولاموجود اشکال کا مرکز ایک ہی ہے اور اشکالِ وجود موجود ولاموجود مرکز کے بغیر نہیں ہیں اور ان کا وجود اس کے بغیر ثابت نہیں ہے

()

ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اشکال کے بغیر مرکز کا تعارف محال ہوتا ہے اشکال ہی سے اس کا تعارف ممکن ہے کیونکہ اشکال موجود ہوں تو مرکز غائب رہ کر بھی اپنی ذات کے وجود کو منوا سکتا ہے اور اشکال موجود نہ ہوں تو مرکز موجود ہونے کے باوجود اپنے وجود کو ثابت نہیں کر سکتا گویا اس کے تعارف کیلئے اشکال کا وجود ضروری ہے ورنہ اس کا تعارف محال ہوگا اسی لئے حدیث قدسی میں ہے

☆کنت کنزاً مخفیاً ...... الخ

کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پھر میں نے پسند فرمایا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے اپنے عرفان وتعارف کیلئے مخلوق (عالم موجود) کو خلق فرمایا

جس طرح دائرے کا وجود مرکز پر دلیل بن جاتا ہے اسی طرح خلق کا وجود خالق پر دلیل بن سکتا ہے اور اس طرح اس کا وجود موجودات کے وجود سے خود بخود ثابت ہو جاتا ہے

()

دوستو! ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس کی اوسطیت اور مرکزیت کا تصور تعدد ذات کی نفی کیلئے دلیل کافی بھی ہے یعنی وہ ایک ثابت ہو جاتا ہے...... کثرت میں وحدت کا مقصد یہ نہیں کہ ہر شکل میں اس کا وجود آ جاتا ہے یعنی وہ مختلف اشکال کے مختلف مراکز میں جلوہ آرا ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جملہ موجود اشکال کا وہ ایک ہی مرکز ہے اور اسی مرکز سے شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر مختلف اشکال کی تشکیل وتخلیق کرتی ہیں

()

مقام اوسطیت کو سمجھنے کیلئے ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ریاضیاتی نقطہ نظر سے دیکھیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جملہ اعداد میں ایک کا وجود ناگزیر ہوتا ہے یعنی ایک سے نو تک اور اس سے اوپر جتنے تک چلے جائیں ان میں سے ہر عدد میں ایک کا عدد ضرور موجود ہوگا مثلاً آپ دو کے عدد ہی کو دیکھ لیں جب آپ گنتی کریں گے تو پہلے ایک ضرور مانیں گے اسی طرح نو کا عدد ہے تو اس میں بھی ایک ضرور موجود ہے

آپ تجربہ کریں، آپ کے پاس نو عدد قلم موجود ہیں آپ وہ کسی کو دینا چاہتے ہیں تو جب وہ گن کر دیں گے تو پہلے ایک ضرور کہیں گے یعنی ''ایک'' کا لفظ ایک ایسا لفظ اور عدد ہے کہ جس کا وجود ہر ہندسے اور ہر عدد میں ہمہ وقت موجود رہتا ہے لیکن ایک کے وجود میں کوئی دیگر عدد موجود نہیں ہوتا اور وہ ایک ہی ہوتا ہے یہی کثرت میں وحدت کا تصور ہے

( )

دوستو! اس حقیقت کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وحدت میں کثرت کا تصور اعتباری ہے حقیقی نہیں ہے اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں تا کہ اعتباری حدود کو سمجھا جا سکے

ایک دن ایک آدمی اپنے جملہ خاندان کے ساتھ ایک تقریب میں شامل تھا وہاں وہ کسی بات سے ناراض ہو گیا اور تقریب چھوڑ کر جانے کا ارادہ کیا جونہی وہ باہر جانے لگا تو خاندان والوں کو احساس ہوا کہ یہ تو اچھا نہیں ہوا انہوں نے اسے روکنے کی کوشش کی

اس کے باپ نے کہا ...... بیٹا مت جاؤ

اس کے بھائی نے کہا...... بھائی مت جاؤ

اس کے بیٹوں نے کہا...... بابا جان مت جائیں

اس کی بیوی نے کہا...... سرتاج مت جائیں

اس کے چچا نے کہا...... بھتیجے مت جاؤ

اس کے ماموں نے کہا...... بھانجے مت جاؤ

اس کے دوستوں نے کہا...... یار مت جاؤ

اسی طرح ہر فرد اپنے قریبی رشتے اور تعلق کے حوالے سے مخاطب کرتا رہا
اب خود سوچیں یہ رشتوں کا تعدد (کثرت) اس کی وحدتِ ذات کے منافی ہوسکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ کثرتِ القاب اس کے مختلف وجودوں پر دلیل نہیں بلکہ اس کے مختلف زاویہ ہائے ذات کی دلیل ہے جو اس کی وحدت کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس کی ذات میں یہ کثرت حقیقی نہیں بلکہ اعتباری ہے اسی لئے ارشاد قدرت ہے

☆قُلِ ادْعُواْ اللّهَ أَوِ ادْعُواْ الرَّحْمَـنَ أَيّاً مَّا تَدْعُواْ فَلَهُ الأَسْمَاء الْحُسْنَى

اب چاہے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو ایک ہی بات ہے یہ اعتبارات ہیں ان کی حقیقت وہ ایک ہی ذات ہے جو تعدد و کثرت سے عاری و خالی و ارفع ہے، عرفا اسی حقیقت کو وحدت میں کثرت سے تعبیر کیا کرتے ہیں یعنی پکارنے والوں کے القاب وحروف و الفاظ و اصوات کی کثرت بھی اپنے مقام پر ایک حقیقت ہے مگر وحدت ذات میں یہ اعتباری ہے اور ذات کی یکتائی کامل حقیقت ہے اسی طرح تعدد مرکزیت اشکال کی حد تک حقیقت ہی ہوگا مگر ذات کے حدود میں داخل ہوکر اعتباری ہو جائے گا کیونکہ اصل مرکز ایک ہی ہے

اسی طرح جیومیٹری(Geometry) کی بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن انہی بیان کردہ مثالوں سے بھی ایک مبتدی طالبعلم کو احدیت کے تصور سے روشناس کروایا جا سکتا ہے یعنی اس کی کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا کیا مطلب ہے اسے کچھ نہ کچھ ضرور سمجھایا جا سکتا ہے

()

www.khrooj.com

دوستو! ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس کی احدیت کا مقام درحقیقت مقام غیب مطلق بھی ہے اور مقام مشہود مطلق بھی ہے، جس طرح وہ ذاتِ واجب الوجود ایک ہے اسی طرح وہ غیب الغیوب بھی ہے یعنی وہ اپنے شدتِ ظہور کی وجہ سے غائب ہے اور کمال غیبت کی وجہ سے اظہر الظاہرین بھی ہے

یعنی اس کا اظہار بوجہ آثار ہے نہ کہ بوجہ ظہور ذات ہے اسے اب پھر سابقہ طرز استدلال سے پیش کرتا ہوں جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ وہ ایک مرکز مطلق ہے اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جو بھی مرکز ہوتا ہے چاہے وہ دائرے کا ہو یا عالمین کا، اس کا مشاہدۂ ذات حواس خمسہ وعشرہ سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ حسیات کے ادراک میں آ ہی نہیں سکتا، مثلاً آپ ایک میل کے قطر کا ایک دائرہ لگائیں جب اس کا مرکز بنے گا تو وہ بہت بڑا ہوگا جب آپ اس کا مشاہدہ کریں گے تو پتہ چلے گا کہ وہ مرکز نہیں ایک دائرہ ہے پھر اس کو ایک دائرہ قرار دے کر اس کا مرکز بنائیں گے تو وہ بہت چھوٹا سا ہوگا مگر خوردبین (Microscope) سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ وہ بھی مرکز نہیں ایک دائرہ ہے آخر میں ایک پن کے برابر ایک مرکز بنے گا پھر اسے مائیکروسکوپ (Microscope) سے مشاہدہ کریں گے تو وہ بھی ایک دائرہ نظر آئے گا مرکز نہ ہوگا پھر اسے بڑا کرلیں اس میں ایک مرکز بنالیں اسی طرح خوردبین (Microscope) سے بڑا کرتے جائیں اور مرکز لگاتے جائیں اس طرح مرکز سمٹتا چلا جائے گا اور سمٹتے سمٹتے اتنا سمٹے گا کہ محیط میں گم ہو جائے گا یعنی وہ سمٹنے کے عمل میں درحقیقت پھیل رہا ہوگا اور پھیل کر وہ سارے محیط میں گم ہو جائے گا اس کا مشاہدہ محال ہو جائے گا عقل اور علم کا تقاضہ ہوگا کہ مرکز موجود ہے اور مدرکات سر پیٹ

رہے ہوں گے کہ مشاہدے میں کیوں نہیں آتا، حقیقت میں مرکز کی یہی شان ہے کہ وہ اتنا سمٹا ہوا ہو کہ محیط میں کلی طور پر غائب ہو جائے اور محیط پر محیط ہو جائے اور محیط میں کلی طور پر غیب رہ کر بھی اپنا وجود منوا رہا ہو اور اپنی ذات کے ہونے کو تسلیم کروا رہا ہو''انہ بکل شی محیط'' کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہی موجودات سے محیط ہے، دیکھنے والے اسے مرکز میں دیکھتے ہیں اور پانے والے اسے محیط میں پاتے ہیں وہ مؤثر اپنے آثار کے حجابات میں محجوب ہو جاتا ہے اور اس کی رویت اور مشاہدے کا واحد ذریعہ اس کے مظاہر و آثار ہوتے ہیں اس کی رویت عقلی ہوتی ہے اور اس کی پہچان کا واحد ذریعہ آثار ہی ہوتے ہیں اور وہ احد موجوداتِ کائنات کے پروقار حجابات کے اندر اپنی جبروتی سطوت کے تخت پر جاہ وجلال کے ساتھ جلوہ آرا ہوتا ہے کیونکہ مرکز کی یہی شان ہے کہ وہ اپنا وجودِ واجب منوا بھی رہا ہو اور عقل وادراک سے مستور و غائب بھی ہو یعنی نہ عقول اس کا انکار کرسکیں اور نہ دعوائے حصول ووجدان کرسکیں

( )

دوستو! ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اللہ احد ہے اور اس کی احدیت اس کی اوّلیت پر دلیل ہے اور وہ اوّل ہے تو بلحاظِ ذات اوّل ہے اور وہ آخر ہے تو بلحاظِ ذات آخر ہے اور وہ ظاہر ہے تو بوجہ آثار ظاہر ہے اور وہ باطن ہے تو بوجہ کوتاہیِ عقول و مدرکات مخفی ہے کیونکہ ہمارے نقص حواس کی وجہ سے وہ غائب ہے اسی لئے عرفا کہتے ہیں کہ وہ اتنا غائب ہے کہ اظہر من الشمس ہے اور اس کے شدتِ ظہور کا یہ عالم ہے کہ وہ خفی الاخفی ہے ہمارے حواس وعقول و مدرکات اتنے ناقص ہیں کہ جو ایک قلم

کے لگائے ہوئے دائرے کا مرکز دیکھنے سے عاجز ہیں چہ جائیکہ یہ دائرۂِ موجودات و لاموجودات کے مرکز وحدانیت کا مشاہدہ کرسکیں

اس مقام پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ مرکز کا وجود اگر محیط میں پھیلا ہوا ہے تو اس کا ہمارے پاس کیا ثبوت ہے کہ واقعی وہ مرکز موجوداتِ ھست موجودات کے محیط میں پھیلا ہوا ہے یا موجود بھی ہے؟

اس کے کئی طرح سے جوابات دیئے جاسکتے ہیں ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں آج جو زندہ مذاہب موجود ہیں ان تمام میں خصوصاً اسلام میں مقصد حیات ایک ہی ہے ''قُربِ الٰہی'' اور ''رضوانِ الٰہی'' یعنی جملہ مذاہب کے اعمال خیر اور عمل صالح کا بنیادی مقصد ''تقربِ معبود'' ہی ہے اور اسی کو خلوص فی العبادات کہتے ہیں

اس کے علاوہ اعمال کی نیت میں دیگر کوئی چیز شامل ہو جائے تو اس سے اعمال فاسد ہو جاتے ہیں اور نیکی کا مقصد حقیقی فوت ہو جاتا ہے

اس کا ہم مشاہداتی تجزیہ کر کے دیکھ سکتے ہیں کہ جن اعلیٰ شخصیات نے اس مقصد کو پالیا ہے یا مرکز مطلق کے قُرب کو حاصل کرلیا ہے اور مقام قُرب تک پہنچے ہیں ان کی افادیت کا دائرہ وسیع ہوا ہے یا تنگ ہوا ہے اگر ان کی افادیت اور فیوض و برکات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو کر کائنات پر محیط ہوا ہے تو لازماً مرکز بھی محیط ہی ہے

اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جو لوگ مرکز مطلق سے بعید تر ہوتے چلے گئے ہیں ان کی افادیت کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا گیا ہے تا اینکہ وہ اپنی ذات کے گرد خودغرضیوں کے ایک انتہائی تنگ خول میں سمٹ کر مر گئے ہیں یعنی وہ وسیع ہونے کی

بجائے محدود ہوئے ہیں اس طرح دو نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں

(1) جنہیں قُرب ملا ہے وہ لامحدود ہوئے، وسیع ہوئے ہیں ان کی افادیت کا دائرہ پوری مخلوق تک پھیلا ہوا ہے

(2) جو مرکز سے دور تر ہوئے ہیں وہ اپنی ذات میں سمٹتے گئے ہیں اپنی ذات ہی کی فلاح و بہبود تک محدود ہوئے ہیں

اگر مرکز مطلق محیط کے ہر پوائنٹ(Point) میں پھیلا ہوا نہ ہوتا تو اس کے مقربین بھی سمٹتے، نہ کہ وسیع ہوتے اس سے ثابت ہوا کہ وہ مرکز مطلق محیط بالموجودات ہے

( )

دوستو! ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ قُربِ اِلٰہی کے کئی درجات ہیں مثلاً بعض لوگ جب بعید ترین نقطہ سے قُرب کی طرف ذرا سا آتے ہیں تو وہ اپنی ذات کی افادیت کے ساتھ خاندان کی افادیت پر بھی سوچتے ہیں، قُرب جب اس سے بڑھتا ہے تو ان کی افادیت قوم تک پھیل جاتی ہے جب اور قُرب بڑھتا ہے تو انسانیت کی خیر و فلاح کی بات کرتے ہیں جب قُرب اور زیادہ حاصل ہو جاتا ہے تو حیوانات کی بہبود تک سوچنا شروع کر دیتے ہیں یوں سمجھ لیں کہ جو جتنا جتنا بلند ہوتا چلا جاتا ہے اس کے فوکس(Focus) کا دائرہ اتنا اتنا وسیع ہوتا جاتا ہے اسی طرح مرکز مطلق کے کمال قُرب پر جو ذات موجود تھی یعنی رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو انہوں نے کبھی اسلام و مسلم تک اپنی بات کو محدود نہیں کیا بلکہ جمادات سے لے کر اللہ تک اپنی افادیت کا دائرہ وسیع رکھا ہے اور انسانیت سے بہت بلند ہو کر بات کی ہے اس سے ثابت ہے کہ مرکز مائیکرو(Micro) نہیں ہے کیونکہ اگر مرکز مائیکرو(Micro) ہوتا

تو ان کا فیض بھی محدود ہوتا نہ کہ وسیع ہوتا......

کیونکہ مرکز مطلق رب العالمین ہے اور وہ محیط بالعالمین ہے اور اس سے کوئی چیز خالی نہیں ہے اس لئے اس کے قُربِ حقیقی میں رہنے والی ذات رحمت اللعالمین ہے

( )

دوستو! ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ قُرب کا جو عام تصور ہے وہ ناقص وفاسد ہے اور خالق اور مخلوق کے معاملے میں قُرب کے معنی جدا جدا ہیں، عام طور پر قُرب اتصال بین الموجودین کے معنی میں لیا جاتا ہے حالانکہ خالق خود فرماتا ہے

☆وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

یعنی ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہیں

اگر قُرب سے مراد قُربت وجودی ہو تو تقربِ اِلٰہی تحصیل حاصل کی طرح ہے جیسا کہ کوئی چیز پہلے سے تمہارے پاس ہو اور تم اسی چیز کو دوسرے سے مانگ رہے ہو اور تحصیل حاصل کو فعل عبث یا بے سود مانا جاتا ہے یعنی جب خالق تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ پہلے سے قریب ہے تو اس کی اور قُربت کیا مانگو یا چاہو گے؟

اگر ہم سائنسی فلسفے کے حوالے سے دیکھیں تو یہ ایک مسلّمہ نظریہ ہے کہ لفظ قُرب خوابِ ناقابل تعبیر ہے کیونکہ اس فلسفے کے مطابق صفر سے ایک تک کا جو فاصلہ ہے یہ ازلی وابدی ہے مثلاً ہم دو نقاط کے مابین ایک فاصلہ قائم دیکھتے ہیں تو ہم انہیں اور قریب کرتے ہیں بظاہر ہمیں ان کے مابین فاصلہ نظر نہیں آتا مگر مائیکروسکوپ (Microscope) سے دیکھتے ہیں تو وہ بڑا فاصلہ نظر آتا ہے ہم اس کے مابین ایک اور نقطہ لگاتے ہیں پھر اس سے بڑی مائیکروسکوپ (Microscope) پر دیکھتے ہیں تو پھر بھی فاصلہ ہوتا ہے اسی طرح قریب کرتے جائیں مائیکروسکوپ(Microscope)

(خوردبین) کی طاقت بھی بڑھاتے جائیں تو اتصال تک کا فاصلہ ازلی وابدی نظر آئے گا یہی وجہ ہے کہ خالق کا قُربِ وجودی محال ہے گویا ایک طرح سے یہ تحصیل حاصل ہے اور دوسری طرف سے محال مطلق ہے

()

دوستو! ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ کمال قُرب اور کمال بعدت (دوری) دونوں انسانی مشاہدے میں سب سے زیادہ مانع ہوتے ہیں یعنی اگر کوئی چیز انسان کے انتہائی دور واقع ہو تو مشاہدے میں نہیں آتی اور اگر کوئی چیز انسان کے انتہائی قریب واقع ہو تو تب بھی مشاہدے میں نہیں آتی اس کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں مثلاً جو ستارے ہم سے بہت دور ہیں وہ ہمیں ٹیلی سکوپ (Telescope) یعنی دوربین کے بغیر نظر نہیں آتے اور کئی ایسے بھی ہیں جو کسی بھی ٹیلی سکوپ (Telescope) سے نظر نہیں آ سکتے اس طرح جو چیزیں ہمارے انتہائی قریب ہیں وہ بھی ہماری نظر سے اوجھل رہتی ہیں مثلاً آنکھ کی پتلی خود آنکھ کو نظر نہیں آتی روح جو سارے بدن میں سرایت پذیر ہے وہ بھی ہمیں نظر نہیں آتی ......
اسی طرح ذات واجب الوجود بوجہ کمال قُرب بھی ہم سے مخفی ہے اور بوجہ کمال بعدت بھی ہمارے مشاہدے میں نہیں آ سکتی

() دوستو! ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ایک ایٹم سے لے کر کہکشاں تک ہر چیز کو اس نے اپنی وحدانیت کا گواہ بنایا ہے کیونکہ جب ایک کیمسٹ (Chemist) موجودات ارضی کا کیمیاوی تجزیہ کرتا ہے اور اس کے بعد وہ شہاب ثاقب کے ٹکڑوں کا تجزیہ کرتا ہے پھر وہ چاند اور مریخ سے لائی ہوئی مٹی اور

پتھروں کا[Chemical Analysis] کیمیکل انیلیسز یا کیمیاوی تجزیہ کرتا ہے تو اس کا منہ حیرت سے کھل جاتا ہے اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اس پوری کائنات کی تخلیق کا کیمیاوی فارمولا ایک ہی ہے اور اسے یہ تجزیہ اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ مان لے کہ اس کائنات کو خلق فرمانے والا گریٹ کیمسٹ (Great Chemist) کوئی ایک ہی ذہن ہے کیونکہ کری ایشن [Creation] کا ایک ہی فارمولا ہونا اس کے ایک ہونے کا اتنا بڑا ثبوت ہے کہ جسے کوئی رد کر ہی نہیں سکتا ()

محترم دوستو! آخر پر اتنا عرض کروں گا کہ تمہیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ میں نے یہ ساری باتیں ایک مبتدی (ابتدائی کلاس کے طالبعلم) کیلئے بیان کی ہیں ()

اب آخر پر تمام مومنین سے التماس ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے ہر وقت یہی دعا کرتے رہیں اور اسی دعا کو اپنی حیات کا معمول بنائیں کہ ہماری ترستی ہوئی آنکھوں کو وہ حسین لمحات دیکھنا جلد از جلد نصیب ہوں کہ جب وحدانیت الکبریٰ یعنی ہمارے شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اس دنیا میں تشریف لا کر وجہہ اللہ کو عوام کیلئے بے نقاب فرمانویں گے اور اس وقت وحدت الوجود اور ''اَوَّلنَا وَ اوسَطنَا وَ آخِرنَا وَ کُلَّنَا'' کے سارے راز خود بخود منکشف ہو جائیں گے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمٌ عَجلَ اللّٰہُ فَرَجَہٗ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

فرائض توحید

اے میرے ہمرکابانِ فکر!

اس دور میں شانِ توحید کی اشاعت کے در پردہ فضائل محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام پہ ڈاکے ڈالنے کا رواج پیدا ہو گیا ہے اور جو شخص بھی کسی طرح سے خاندان تطہیر کے پاک افراد علیہم الصلوات والسلام کی عظمت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے وہ اللہ جل جلالہ کی عظمت بیان کرنے کی آڑ میں (نصیب دشمناں) ان کی تنقیص کرتا ہے اور خود کو ایک موحد کی طرح پیش کرتا ہے

سقیفہ والوں کو تو شاید اس کی ضرورت تھی کیونکہ وہاں "اوّل ما خلق اللہ نوری" کی مصداق ذات کی مسند پر خاکیوں کو بٹھانے کی خاطر اللہ کے نورِ اوّل کو بشر اور خاکی انسان بنا کر پیش کرنا ان کیلئے ضروری تھا مگر آج تو اس کی ضرورت نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس دور کے عمامہ وقبا کے وہی سقیفہ والے عزائم ہوں

اس دور میں یہ باتیں عام سننے میں آتی ہیں کہ یہ بات اللہ جل جلالہ کی ڈیوٹی ہے یہ بات اللہ پر واجب ہے یہ بات اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا یہ بات پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کی نہ ہی ڈیوٹی ہے اور نہ ہی ان پر فرض ہے وغیرہ وغیرہ

www.khrooj.com

اے میرے سامعین گرامی قدر!

اس دور میں واجب واجب کی باتیں سن کر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ کے سامنے واجب کے بارے میں کچھ عرض کروں لیکن بات پہلے مخلوق سے شروع کرتے ہیں اور پھر خالق کائنات پر کلام کریں گے حقیقت یہ ہے کہ واجب کی دو نوعیتیں ہوتی ہیں

(1) واجب للذات ......(2) واجب علیٰ الذات

پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟

واجب للذات وہ ہوتا ہے کہ جس میں توکیل و نیابت وتوسیل جائز ہوتی ہے یعنی ان واجبات میں آدمی کسی کو نائب یا وکیل یا وسیلہ واجیر بنا سکتا ہے

واجب علیٰ الذات میں کسی کو وکیل یا نائب یا وسیلہ نہیں بنایا جا سکتا بلکہ فرد کو اس کی ادائیگی خود کرنا ہوتی ہے جیسے زندگی میں نمازیں، روزے واجب علیٰ الذات ہیں اس لئے انسان ان کیلئے کسی کو وکیل نہیں کرسکتا اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثا پر اس کے فرائض کی ادائیگی واجب للذات ہوتی ہے اس لئے وہ انہیں کسی سے بھی اجرت دے کر ادا کرواسکتے ہیں

آپ نے ان دو واجبات کو سمجھ لیا ہے اب یہ بھی جان لیں کہ ان دونوں واجبات کی آگے دو دو اقسام ہیں

(1) واجب مشروط ......(2) واجب غیر مشروط

واجب مشروط کی مثال زکواۃ ہے اور واجب غیر مشروط کی مثال نماز ہے

اس کے بعد ان کے مقدمات ہوتے ہیں واجب مشروط کا مقدمہ واجب نہیں ہوتا اور واجب غیر مشروط کا مقدمہ واجب ہوتا ہے جیسے زکواۃ کا مقدمہ مال ہے اور مال

کا حاصل کرنا واجب نہیں ہے اور نماز کا مقدمہ وضو ہے کیونکہ نماز واجب غیر مشروط ہے اس لئے اس کا مقدمہ یعنی وضو واجب ہے پھر آ گے اس کی شاخیں ہیں

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ واجبات سے کوئی بھی مبرا نہیں ہے ساری مخلوق بھی اور خالق بھی

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خالق تو سب سے ارفع و اعلیٰ ذات ہے اس پر کوئی چیز کیوں واجب ہونے لگی؟ اور اس پر کیا کیا واجب ہے؟

اس مہربان خالق نے انسان کو پیدا کیا ہے وہ عادل بھی ہے، رحیم بھی ہے، رحمان بھی ہے اس کی رحمانیت کے حوالے سے اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ ہر برے یا فاجر کو، نیک یا بد کو رزق عطا فرمائے اس کی رحیمیت کے حوالے سے اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مومنین اپنے پیار کرنے والوں پر خصوصی نوازش فرمائے اس کے عدل کے حوالے سے اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ اپنے مطیع کو جنت دے اور نافرمان کو جہنم بھیجے اسی طرح سے خود سوچتے جائیں کہ اس ذات واجب الوجود پر کیا کیا واجب ہے اس کی ایک طویل فہرست ہے مثلاً

مخلوق کی ہدایت کرنا بھی اس پر واجب ہے

مخلوق کی ہدایت کیلئے ان کے پاس ہادی بھیجنا بھی اس پر واجب ہے

اگر مخلوق میں اختلاف پیدا ہو جائے تو رفع اختلاف بھی اس پر واجب ہے

ہدایت خلق کیلئے انبیا علیہم السلام کو مبعوث فرمانا بھی اس پر واجب ہے

منصب امامت پر کسی پاک فرد کو متمکن فرمانا، اس کا انتخاب کرنا بھی اس پر واجب ہے

الغرض رزق دینا، مدد کرنا، دعا سننا وغیرہ یوں سمجھ لیں کہ اس کے جو جو صفات حسنہ

www.khrooj.com

ہیں ان کا اظہار فرمانا اس پر واجب ہے

اب ہم سفر فکر میں ایک منزل آگے بڑھتے ہیں

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ واجب کی دو نوعیتیں ہیں اس لئے واجبات علیٰ اللہ کی بھی دو نوعیتیں ہیں یعنی خالق پر بھی کچھ واجبات للذات ہیں اور کچھ واجبات علیٰ الذات ہیں یوں سمجھ لیں کہ کچھ واجبات کی ادائیگی رب ذوالجلال والاکرام کو بہ نفس نفیس کرنا پڑتی ہے اور کچھ واجبات کی ادائیگی توکیل و توسیل کے ذریعے ہوتی ہے یعنی کچھ کام اسے بلاواسطہ کرنا پڑتے ہیں اور کچھ کام بالواسطہ

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے واجبات میں بنیادی فرق کیا ہے؟ تو اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کے واجبات میں یہ فرق ہے کہ مخلوق کیلیئے وہ واجبات علیٰ الذات قرار دئے گئے ہیں کہ جن سے اس کے تکبر کا خاتمہ ہوتا ہے اور تزکیۂ نفس ہوتا ہے

مثلاً نمازیں اس لئے انسان پر واجب علیٰ الذات قرار دی گئی ہیں کہ اسے انسان خود ادکرے تاکہ اس میں اس کی جبین جھک کر اس کی فرعونیت اور کبریائی کو برباد کر دے اگر نماز واجب للذات ہوتی تو امیر لوگ کیا کرتے؟ وہ اپنی نمازیں خود نہ پڑھتے اور چند غریب لوگوں کو بلا کر انہیں پیسے دے کر ساری نمازیں مع تہجد پڑھوا لیتے

اس کے نتائج کیا نکلتے؟ انسان فرعون بن جاتا ایک تصور پیدا ہو جاتا کہ امیر لوگ خالق کے قانون سے ماوریٰ ہیں، ایک یہ تصور پیدا ہو جاتا کہ عبادت واقعی کوئی اچھی چیز ہوتی تو امیر لوگ خود کیوں نہ ادا کرتے؟ اس طرح عبادات کا استخفاف اور توہین ہوتی، انسان کی فرعونیت اس قدر بڑھ جاتی کہ یہ سارے واجبات پیسے دے

www.khrooj.com

کرادا کروالیتااور خود واجبات سے بے نیاز ہوجاتا اور یہ آزادی انسان کو چند ہی دنوں میں فرعون کامل بنادیتی انہی مقاصد کے پیش نظر نمازیں اور روزے واجب علیٰ الذات قرار دئے گئے

جب خالق کے واجبات علیٰ الذات پر ہم نگاہ کرتے ہیں تو اس کے واجبات انسان کے واجبات کے بالکل برعکس نظر آتے ہیں خالق کے واجبات میں یہ بات ہے کہ اس کا ہر واجب اس کی کبریائی کا محافظ ہوتا ہے یعنی جہاں اس کی عظمت اس میں ہو کہ اس کے واجبات کی ادائیگی وہ ذات واجب الوجود خود فرمائے تو وہ اس کیلئے واجب علیٰ الذات کا مقام پاتے ہیں اور جہاں اس کی کبریائی کا تقاضہ یہ ہو کہ اس کے واجبات کو اس کا کوئی نائب یا نمائندہ کرے تو اس کی عظمت کا ظہور ہوتا ہے تو وہ واجبات اس کے حضور واجب للذات کا مقام پاتے ہیں

اصل بات تو اس ذات واجب الوجود کی عظمت و کبریائی ہے اب یہ دیکھنا ہو کہ اس کے واجب علیٰ الذات اور واجب للذات کون کون سے ہیں تو یہ دیکھ لیں کہ کون سے واجب کی ادائیگی سے اس کی عظمت کا ظہور ہوتا ہے اور کس طرح ہوتا ہے یعنی اس کی عظمت اگر اس کے کسی نائب کے کرنے سے ثابت ہوتی ہے تو وہ واجب للذات ہے اگر اس کی ادائیگی اس کے اپنے کرنے سے اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے تو وہ اس کیلئے واجب علی الذات ہوگا

اب آپ خود دیکھیں کیا مخلوق میں آکر ان کی ہدایت کرنا اس کے شایانِ شان ہے؟ کیا مخلوق میں انسانی شکل میں آکر ایک مولوی کے فرائض ادا کرنا اس کے شایانِ شان ہے؟

کیا مخلوق کے سامنے حیض ونفاس اور استنجا واستبرا کے مسائل اللہ کا خود آ کر بیان کرنا اس کی کبریائی کو زیب دیتا ہے؟

کیا شکم مادر میں حیض کے خون سے پلنے والے بچے کی شکل وصورت بنانا اس کی کبریائی کے شایانِ شان ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ان واجبات کی ادائیگی بلا واسطہ و بلا وسیلہ اس کی کبریائی اور جاہ و جلال کو ڈیمیج [Damage] کردے گی اس لئے اس نے ایسے واجبات کی ادائیگی کیلئے اپنے نمائندے قرار دئے ہیں جو اللہ کی نیابت و وکالت میں یہ سارے واجبات ادا فرماتے ہیں اور اسی میں اس کی شانِ کبریائی اور جاہ وجلال جبروتی ہے ایک مبتدی کو سمجھانے کیلئے عرض کروں گا کہ اس بات کو سمجھنے کیلئے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اس رب ذوالجلال والاکرام کو ایک صاحب جاہ وجلال بادشاہ فرض کرلیں اور ایک عظیم شہنشاہ کے نظام حکومت پرغور کریں

ایک بادشاہ ہوتا ہے پھر اس کے وزرائے مملکت ہوتے ہیں ان کے ماتحت دیگر عملہ ہوتا ہے، سپاہی ہوتے ہیں، فوج ہوتی ہے، کارندے ہوتے ہیں، حکام وعمال ہوتے ہیں کہ جن کا ہر فعل اس کی طرف منسوب ہوتا ہے مثلاً

اس نے امراء مملکت کو دعوت دی اس کے غلاموں نے کھانا تیار کیا، فرنیچر میزیں کرسیاں آراستہ کیں، سارا انتظام خدّام اور غلاموں نے کیا حتیٰ کہ جب مہمان آ گئے تو انہیں کھانا بھی انہوں نے پیش کیا، انہوں نے کھانا سامنے رکھا، مشروبات انہوں نے پیش کئے، اور جو لوگ دعوت میں موجود تھے انہوں نے بادشاہ کا شکر یہ ادا کیا کہ آپ نے ہمیں اپنے کھانے پر یاد کیا اور اتنا اچھا کھانا دیا، اتنے مشروبات

دیئے، اس لئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں

اب خود سوچیں بادشاہ نے نہ کھانا پکایا تھا، نہ وہ لایا تھا، نہ ہی اپنے ہاتھ سے اس نے مشروبات کسی کو پیش کیے تھے مگر شکریہ اسی کا ادا کیا جا رہا ہے آخر یہ ناانصافی کیوں ہو رہی ہے اور ہر بات کا فائدہ یا اڈوانٹیج [Advantage] اسی کو کیوں دیا جا رہا ہے؟

اب اس کی دوسری صورت بھی دیکھیں کہ اگر کوئی بادشاہ سارے کام اپنے ہاتھ سے کرنا شروع کر دے، باورچی کی بجائے کھانا خود تیار کرے اور خود میزوں پر سجائے اور خود مشروب بنائے، خود کرسیاں لگائے، اور خود ایک ایک کو دوڑ دوڑ کر کھانا اور مشروبات پیش کر رہا ہو تو کیا کوئی اسے بادشاہ کہے گا؟ اگر کہہ بھی دے گا تو کیا اسے عقلمند بھی سمجھے گا؟

اور جو بادشاہ سڑکوں پر کھڑے ہو کر ٹریفک چالان کر رہا ہو کیا اس کا مقام ایک سارجنٹ سے زیادہ ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ خلاقِ بے نیاز بھی کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ اس کے خدّام اور غلام اور نمائندے اور وکلا اور وسیلے کرتے ہیں، وہ مارتا ہے مگر خود نہیں مارتا اس نے ایک نمائندے کی ڈیوٹی لگائی ہے جو اس کی طرف سے یہ کام کرتا ہے اس کا یہ کام اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے، وہ رزق عطا فرماتا ہے مگر یہ کام خود نہیں کرتا اس کے نمائندے کرتے ہیں اسی طرح اس کی جملہ صفات کا اظہار اس کے نمائندوں سے ہوتا ہے اور اسی میں اس کی عظمت کا راز مضمر ہے اور اسی میں اس کی عظمت و کبریائی اور جاہ و جلال کا ظہور ہے اور بقا ہے جب یہ بات سمجھ میں آجائے تو جملہ متنازعہ مسائل کا حل سمجھ میں آجاتا ہے

www.khrooj.com

اب اگر کوئی عارف خاندانِ تطہیر کے پاک افراد علیہم الصلوات والسلام کو مظہر صفاتِ اِلٰہی کہہ دے تو کیا اس سے اللہ کی کبریائی کا اظہار رہوتا ہے یا اس کی کبریائی متاثر ہوتی ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ بعض کام اس ذاتِ واجب الوجود کی نیابت میں پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کرتے ہیں اور بعض کام تو ان کے شایانِ شان بھی نہیں ہوتے جو ملکوت کے ذریعے وہی کرواتے ہیں اور بعض کام ملکوت کے شایانِ شان بھی نہیں ہوتے وہ عام وسائل سے عمل میں لائے جاتے ہیں اس لئے جب بھی پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے فضائل بیان ہوں تو اعتراض سے بچنا چاہئے کیونکہ اس میں ابدی ہلاکت ہے
دوستو! دعا کریں شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف دنیا میں جلدی تشریف لائیں ان کے سنہری دور میں ساری دنیا دیکھے گی کہ آج تک جتنے معجزات انبیا علیہم السلام نے دکھائے ہیں وہ سارے کے سارے عام مومنین کو حاصل ہوں گے
ہر مومن عصائے موسیٰ علیہ السلام کا حامل ہوگا اور ہر مومن کا ہر عصا عصائے موسیٰ علیہ السلام ہوگا، ہر مومن جناب صالح علیہ السلام کی طرح جب اور جس پہاڑ سے چاہے گا ناقہ برآمد کر سکے گا بلکہ بات ناقہ تک محدود بھی نہ ہوگی بلکہ جو جی میں آئے برآمد کرے گا ہر مومن جناب عیسیٰ علیہ السلام کی طرح جاندار خلق کر رہا ہوگا، مردے زندہ کر رہا ہوگا، یعنی ہر مومن حامل امر کن فیکون ہوگا تب سارے راز منکشف ہوں گے دعا کریں وہ وقت جلدی آئے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

معرفتہ اللہ

اے بادہ کشانِ معرفت!

اس دور میں ایک آواز بار بار گونج رہی ہے کہ توحید کے حفظ مراتب کا خیال کرنا سب سے اوّل ہے بعض مولوی حضرات کو فضائل آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کے بیان کے دوران یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ''خدا خدا ہے''یا''اللہ اللہ ہے''

ہم سوچ میں پڑ جاتے تھے کہ کس نے کہا ہے کہ اللہ اللہ نہیں ہے؟ اگر کسی نے نہیں کہا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے فضائل میں یہ نعرے کیوں لگ رہے ہیں؟ بار بار نعرے لگائے جا رہے ہیں اللہ کو مت فراموش کریں اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کسی کی ایک فضیلت بیان کر دو تو شرک اور کفر کے دروازے کھل جاتے ہیں، فتوؤں کی بوریاں الٹ دی جاتی ہیں اور زبانیں زہریلے مواد اگلنا شروع کر دیتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے اور یہ باتیں اس انداز میں کی جانے لگی ہیں کہ جیسے اللہ اور اہل بیت کا الیکشن ہو رہا ہے اور ایک طرف اللہ کی پارٹی ہے اور دوسری طرف اہل بیت پاک علیہم الصلوات والسلام کی پارٹی ہے اور ان کے مابین انتہائی زوردار مقابلہ ہو رہا ہے اور جیسے اللہ جل جلالہ اور اہل بیت پاک علیہم الصلوات والسلام

www.khrooj.com

دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہوں (نعوذ باللہ) میں تو انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں سمجھتا تھا مگر سٹیج کی فضا اور کتب کے میدان میں تو ایسا لگنے لگا ہے کہ ان کی آپس میں خوب ٹھنی ہوئی ہے اس فضا کو دیکھتے ہوئے میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کس نا ہنجار نے اللہ بمقابلہ رسولؐ کی فضا پیدا کر دی ہے

اس پر میں نے سوچا کہ شاید ہم ہی اللہ کو نہ سمجھ سکے ہوں اور ممکن ہے یہ لوگ اس کی ذات کی تہہ تک پہنچ گئے ہوں اس لئے ہمیں بھی سوچنا چاہئے ممکن ہے ہم بھی اس نہ سمجھ آنے والی ذات کی معرفت کی تہہ تک پہنچ جائیں، میں نے کئی بار سوچا کہ میں بھی کوشش تو کر کے دیکھوں شاید اس عظیم ذات کو سمجھ سکوں کہ جس کی کوئی ذات نہیں اور جسے سمجھ لینا عقول بشر سے ماوریٰ ہے، آخر وہ اللہ کتنا عظیم ہے جسے یہ فخر حاصل ہے کہ وہ خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کا اللہ ہے آخر اس کی کیا شان ہے تا حد عقل وفہم اس کی عظمت کو سمجھنے کی کوشش تو کروں تو آخر سوچ نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے سمجھنے کی اپنی طرف سے ساری کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں مگر اصل مسئلہ تو ابھی باقی تھا کہ اسے کس طرح سمجھنے کی کوشش کروں اور اس کا ذریعہ کس چیز کو بناؤں؟

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ مجھے اپنی طرف سے کچھ سمجھنے کی بجائے اسی ذات کے کلام پاک کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو بقولِ خدا کلامِ خدا ہے اس فیصلے کے بعد میں نے تبیان لکل شیءٍ کی مصداق کتاب کی بنظر غائر تلاوت شروع کر دی اور اس کوشش میں لگ گیا کہ وہ ذاتِ واجب الوجود خود کو جو سمجھوانا چاہتی ہے میں وہی کچھ سمجھوں جب میں نے قرآنی تصورِ توحید کو حاصل کرنے کی کوشش کی تو میں نے دیکھا کہ اللہ جل جلالہ کے موضوع پر قرآن کریم میں دس اقسام کی آیات موجود ہیں اور اسی میں

وہ تصورِ توحید ہے

اس بات کو علمائے کرام اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے اختصار کے ساتھ آپ کو بھی چند ایک کے بارے میں بتا تا ہوں

نمبر 1 ......آیات افتعال

☆ان الافتعال تدل علی الجسم

اس قسم میں ایسی آیات شامل ہوتی ہیں کہ جن میں اللہ کی طرف ایسے افعال منسوب ہوتے ہیں جو لازمۂ بدن ہوتے ہیں یعنی یہ آیات اللہ کی جسمانیت کو ثابت کرتے ہیں

نمبر 2 ......آیات الاجتسام

☆ان الاجتسام تدل علی الجسم مع الاعضاء

آیاتِ اجتسام اس قسم کی آیات کو کہا جاتا ہے کہ جن سے اللہ جل جلالہ کا جسم مع اعضا و جوارح کے ثابت ہو یعنی جنہیں پڑھ کر ایسا لگے کہ اللہ کا ایک جسم بھی ہے اور اس کے اعضائے بدن بھی ہیں

نمبر 3 ......آیات کیفیات

☆الکیفیة تدل علی النفس

اس میں ایسی آیات آ جاتی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر ایسا لگے کہ اللہ جل جلالہ پر کیفیات نفسی بھی طاری ہوتی ہیں اور وہ انسان کی طرح کا ایک حساس نفس بھی رکھتا ہے

نمبر 4 ......آیات التنفیس

اس میں اللہ بلا دلیل کیفیاتِ صاحب نفس ثابت ہوتا ہے

نمبر 5 ......آیات التعاشر

اس میں اس قسم کی آیات آ جاتی ہیں کہ جن سے لگتا ہے کہ اللہ جل جلالہ ہمارے مابین ایک آدمی کی طرح رہتا بستا ہے اور وہ ہمارے معاشرے اور سوسائٹی کا ایک فرد ہے چونکہ میں اتنے ہی اقسام کی تشریح کرسکوں گا اس لئے انہی پر اکتفیٰ کرتا ہوں ان آیات کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس غیب مطلق نے ظاہر پرست انسان کو اپنی ذات کو سمجھانے کیلئے خود اسی انسان کو سامنے رکھ کر سمجھانے کی کوشش کی ہے کیونکہ حدیث ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه ان آیات کو اگر یکجا کرلیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ کسی انسان نما خدا کی تصویر کشی کر رہا ہے اور کسی بشر نما اللہ کا تعارف کروا رہا ہے جو اللہ کم اور بشر زیادہ لگتا ہے یعنی ایک مکمل انسان کی طرح کا خدا اس نے ہمارے سامنے کھڑا کر دیا ہے

دوستو! کسی فتویٰ لگانے میں جلدی نہ کیجئے گا بات مکمل ہونے تک اپنی رائے کو محفوظ رکھئے گا، اب آپ مجھ سے یہ سوال نہیں کریں گے کہ وہ ☆لا جسم له لا اسم له لا ذات له لا صفات له کی مصداق ذات ایک انسان کی طرح صاحب جسم کیسے ثابت ہوتی ہے؟

دوستو! پہلے ذرا انسان کو دیکھتے ہیں کہ وہ کیا ہے؟ اس کے بعد دیکھیں گے کہ ان آیات سے اللہ کے بارے میں کیا تبادر ہوتا ہے

دیکھئے انسان تین ارکان کا مرکب ہوتا ہے......(1) جسم (2) نفس (3) روح

سب سے پہلا انسان کا رکن جسم ہوتا ہے جو سب کے سامنے ہوتا ہے

اسی لئے آیاتِ کلام مقدّس کی پہلی قسم بھی یہی ہے کہ جن سے اللہ جل جلالہ ایک صاحب جسم ثابت ہوتا ہے یعنی آیات کی پہلی قسم اللہ جل جلالہ کا انسان کی طرح کا

ایک بدن وجسم ثابت کرتی ہیں

آیئے پہلے یہ بھی دیکھ لیں کہ بدن کا انسان کی ذات سے کیا تعلق ہوتا ہے

انسان کی ذات تو تین ارکان کی مرکب ہوتی ہے یعنی بدن نفس اور روح سے مل کر ذات بنتی ہے مگر بدن اس ذات کا مظہر ہوتا ہے، انسان کی ذات کا اظہار بدن سے ہوتا ہے باقی ارکان غائب ہوتے ہیں اور ان کیلیئے بدن کو مقامِ ذات میں مقامِ مظہریت ملتا ہے یعنی فرد کی ذات کیلیئے مظہر بدن ہوتا ہے کہ ذات کا اظہار بدن سے ہے اور بدن کا ہر قول وفعل وحرکت وسکون ذات سے منسوب ہوتے ہیں

یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح ذات کیلیئے بدن مقامِ مظہریت رکھتا ہے اسی طرح بدن بھی تین مرکبات پر مبنی ہوتا ہے یعنی جسم، اعضا اور قوت اور پھر مقامِ اعضا سے آگے مقامِ آلیت شروع ہوتا ہے

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مقام آلیت مقام غیریت ہے لیکن یہ باتیں وضاحت کے بغیر شاید سمجھ نہ آئیں اس لئے پہلے ان مقامات کی وضاحت کرتا چلوں

() ایک مکمل بدن کیا ہے؟

مکمل بدن وہ ہے جو اعضا و جوارح سے مل کر بدن کہلاتا ہے یعنی ہاتھ، پاؤں، سینہ، سر، منہ وغیرہ سب مل کر ایک بدن کو مکمل کرتے ہیں تو ایک بدن مطلق بنتا ہے

() مقامِ عضویت (مقامِ مظہریت) کیا ہے؟

ایک بدن مطلق مرکب الاعضا ہوتا ہے یعنی ہاتھ، پیر، سر، آنکھ، ناک وغیرہ جب ملتے ہیں تو اس مجموعۂ اعضا کو بدن کہا جاتا ہے پھر ان اعضا و جوارح کی اپنی اپنی ایک ڈیوٹی ہوتی ہے ان کا اپنا اپنا ایک فنکشن (Function) ہوتا ہے اور ذات سے

اعضا و جوارح کا جو تعلق اور رشتہ بنتا ہے اسی کو مقام عضویت کہا جاتا ہے
ان کی ڈیوٹیاں کیا ہوتی ہیں وہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتے ہے، ہاتھ کام کرتے ہیں، زبان بولتی ہے مگر یہ کس طرح اپنی ڈیوٹیاں انجام دیتے ہیں اس کے بارے میں بتانا علم النفسیات اور علم الابدان کا کام ہے کہ وہ ان کے عمل کو دیکھے کہ آنکھ کیسے دیکھتی ہے، کان کیسے سنتے ہیں، میرا یہ موضوع نہیں ہے

() مقامِ ربطیت کیا ہے؟

ان اعضا و جوارح اور انسان کی ذات کے مابین ایک اور چیز بھی ہوتی ہے جو ذات کے احکامات کو اعضا و جوارح تک پہنچاتی ہے اور ان پر عمل کرواتی ہے اس باطنی قوت کا جو تعلق انسان کی ذات سے بنتا ہے اسے مقامِ ربطیت کہتے ہیں یعنی وہ طاقت جو ان سے افعال کا صدور کرواتی ہے وہ مقام ربطیت کہلاتی ہے اس کے آگے اعصاب، پٹھے، شرائین، ہڈیاں وغیرہ کا اجتماعی عمل ہوتا ہے مگر یہ بھی نفسیات اور علم الابدان کا کام ہے کہ وہ ان کے عمل کو سمجھیں اور بتائیں یہ بھی میرے موضوع سے خارج ہے

() مقامِ آلیت کیا ہے؟

انسان کافی امور میں اکثر کام آلات سے کرتا ہے اور جو تعلق انسان کی ذات اور ان آلات کے مابین بنتا ہے اسے مقام آلیت کہتے ہیں اسے اس طرح سمجھیں کہ انسان ایک آگ کے دہکتے ہوئے انگارے کو اُٹھانا چاہتا ہے یہ انگارہ اُٹھانے کا کام یوں تو سارے بدن نے مل کر کرنا ہے مگر بظاہر یہ کام ہاتھ نے کرنا ہے جو مقامِ عضویت رکھتا ہے اور پھر ہاتھ نے کوئی چیز اٹھائی یعنی چمٹا اٹھایا اور اس کے ذریعے اس نے

انگارہ اٹھالیا اور یہ چمٹا ایک آلہ ہے اور ذات کیلئے مقامِ آلیت پر فائز ہے

اس وضاحت کے بعد عرض کروں گا کہ قرآن مجید میں اس ذات واجب الوجود نے انسان کو اپنی ذات سمجھانے کیلئے خود انسان ہی کو سامنے رکھ کر اپنی ذات کی تصویر کشی کی ہے یعنی اس نے فرمایا کہ اوّل اس کی ذات ہے، پھر اس نے اپنے لئے ارکان ثلاثہ کے متعلقات کو منسوب کیا اور اپنے بارے میں کچھ مقاماتِ جسمیت کو بیان فرمایا یعنی اس نے ذات سے لے کر مقامِ آلیت تک سبھی مقاماتِ انسانی کو اپنے لئے بھی قرار دیا ہوا ہے

مثلاً اس ذاتِ بے بدن نے متعلقاتِ بدن کو اپنی ذات کی طرف نسبت دی ہوئی ہے جیسے وہ ذاتِ بے بدن ایک صاحبِ بدن ذات ہے اور متعلقات بدن کو تو سبھی لوگ جانتے ہیں یعنی افعال وحرکات وسکنات واقوال واحوال وغیرہ ہی متعلقات بدن و جسم ہوتے ہیں اور قرآن کریم میں ذاتِ باری نے ان چیزوں کا اپنی ذات سے صادر ہونا بھی بیان فرمایا ہے ان کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے

اب سوال پیدا ہوتا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو میں عرض کروں گا آپ کلام مقدّس کی تلاوت کر کے دیکھ لیں اقوال وافعال واحوال وحرکات وسکنات وغیرہ جو بدن سے متعلق ہیں خود ان کا صدور خالق نے اپنی ذات کی طرف سے بھی فرمایا ہے مثلاً ان میں سے ''قول'' ہی کو دیکھ لیں جو کہ بدن کا فعل ہے قرآنِ کریم میں خالق نے فرمایا

☆ قال الله یٰعیسی ''اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ''یہ'' کہنا'' دائرۂ اقوال میں آتا ہے اور یہ بدن سے متعلق ہے اس طرح اور مقام پر فرمایا

☆إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ...... (یٰسین آیہ 82)

تو یہاں بھی خالق کی طرف سے کہنا ثابت ہے اور کہنا یعنی قول لازمۂ جسمانیت ہے اس طرح ''سننا'' ہے تو یہ بھی لازمۂ بدن ہے اور اس کے بارے میں کلامِ مقدّس میں فرمایا☆سمع الله قول التی ''اللہ نے سن لیا جو ان کا قول ہے'' سماعت بھی لازمۂ بدن میں سے ہے جسے خالق نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے

اسی طرح کلام فرمانا بھی لازمۂ بدن ہے اور کلام اِلٰہی میں ہے

☆لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ

اللہ کفّار سے قیامت کے دن کلام بھی نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا یعنی کچھ لوگوں سے اس کا کلام کرنا ثابت ہے جیسے تیسرے پارے کی پہلی آیت میں رسل کے بارے میں ہے کہ☆ مِنۡهُم مَّن كَلَّمَ اللّٰهُ کہ ان میں سے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا ہے

یہ ساری باتیں لازمہ ہائے بدن میں سے ہیں یہ کہنا، سننا لازمۂ بدن ہے اور جسمانیت پر دلیل ہے......اس کے بعد دیکھنے کا عمل ہے تو یہ بھی بدن کا لازمہ ہے اور اللہ عہد شکنوں کے بارے میں سورۂ آل عمران میں فرما رہا ہے

☆وَلَا يَنظُرُ إِلَيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ اللہ قیامت کے دن ان پر نظر بھی نہیں فرمائے گا اس آیت سے اس کا کچھ لوگوں پر نظر فرمانا ثابت ہے اب یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جب کسی سے اللہ کچھ فرمائے گا تو اس سے قبل خاموشی ثابت اور خاموشی کے بعد بولنا ثابت ہوگا اور بولنے کے بعد پھر خاموشی ثابت ہوگی اس طرح اللہ کی ذات میں تغیرات ثابت ہوتے چلے جائیں گے اور کلیہ یہ بتایا جاتا ہے کہ☆کل متغیر حادث ہر وہ چیز جس میں تغیر ہو وہ حادث ہے اور اللہ حادث نہیں قدیم ہے اور ان

www.khrooj.com

آیات سے تو اللہ نعوذ باللہ حادث ثابت ہورہا ہے

اسی طرح لوازماتِ بدن میں جملہ افعال بھی آتے ہیں، دائرۂ افعال کو دیکھئے تو اللہ سے بھی صدورِ افعال کا ثبوت ملتا ہے جو لازمۂ جسمیت ہے گو بولنا، دیکھنا، اور سننا بھی افعال ہی ہیں مگر یہ مخصوص ہیں حواس خمسہ کیلئے مگر جسم کے دیگر افعال بھی قرآن کی رو سے اللہ سے صادر ہونا ثابت ہیں جیسے سورہ انفال آیہ 17 میں ہے

☆فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَـكِنَّ اللّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَـكِنَّ اللّهَ رَمَى

پس ان کو آپ نے قتل نہیں کیا بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے، اور یہ (پتھر) آپ نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکے ہیں

جنگ بدر کے بارے میں فرمایا کہ کفار کو تم لوگوں نے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے

موت دینا اور بات ہے اور قتل کرنا اور بات ہے، یہ قتل کرنے کا فعل لازمۂ جسمیت ہے اسی آیت میں ہے☆ ولکن اللہ رمیٰ وہ پتھر بھی اللہ ہی نے پھینکا تھا تو یہاں پتھر کو اُٹھا کر طاقت سے پھینکنا یہ سب چیزیں مادّی جسم کے افعال ہیں، اسی طرح کسی کو پکارنا ہے یا کسی کے سامنے کوئی چیز بیان کرنا ہے تو یہ بھی افعالِ جسم مادّی ہیں لیکن ان کا صادر ہونا بھی خالق کی طرف سے ثابت ہے جیسا کہ سورہ انفال میں ہے

☆يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَجِيبُواْ لِلّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُم

اے ایمان والو جب تم لوگوں کو اللہ پکارے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پکاریں تو فوراً جواب دو اس آیت سے ایمان والوں کو اللہ کا پکارنا یا بلانا ثابت ہوتا ہے، اسی طرح سورہ بقرہ میں ہے

☆كَذَلِكَ يُبيِّنُ اللّهُ لَكُمُ الآيَاتِ

''جیسا کہ اللہ آیات کو تمہارے لئے بیان کرتا ہے'' یہ اللہ کا کسی چیز کو بیان کرنا اور پکارنا بھی افعال جسم میں سے ہے، اسی طرح سورہ بقرہ میں جناب عزیز نبی اللہ کے ذکر میں ہے ☆ فَأَمَاتَهُ اللّهُ مِئَةَ عَامٍ ''اللہ نے انہیں سو سال کیلئے مار ڈالا'' یہ مارنا بھی فعل ہی ہے جو بدن کا لازمہ ہے، سورہ آل عمران میں ہے کہ

☆ وَاللّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ

اسی طرح اللہ کا انتقام لینا بھی ثابت ہے اور انتقام کی آتش کا بھڑکنا یہ بھی ماڈی بدن کا ایک فعل ہے، بدست خویش تصویریں بنانا بھی افعال میں سے ہے اور افعال لازمۂ بدن ہوتے ہیں ارشاد ہے

☆ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ...... (آل عمران آیہ نمبر 6)

اس آیت سے اس کا شکم مادر میں خود آکر تصویریں بنانا بھی ثابت ہوتا ہے سورہ یونس آیت نمبر 45 میں ہے کہ

☆ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُواْ بِلِقَاء اللّهِ وَمَا كَانُواْ مُهْتَدِينَ ()

خسارے میں رہیں گے وہ کہ جنہوں نے اللہ سے ملاقات کی تکذیب کی اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے

تو یہاں آ کر بات واضح ہو جاتی ہے کہ خسارے میں ہیں وہ لوگ جو اللہ کے دیدار کو جھٹلاتے ہیں، اس طرح دیدارِ الٰہی کا انکار خسارے میں داخل کر دیتا ہے اور دیدار کا ہونا آنکھ کے عمل سے ہے اور آنکھ کا دائرۂ ادراک مادّیات تک محدود ہوتا ہے اس آیت کریمہ سے دیدارِ الٰہی کا ہونا ثابت ہے اور دیدار بھی لازمۂ جسم مادّی ہے بلکہ بات اس سے بھی آگے ہے سورہ ہود میں ہے ☆ إِنَّهُم مُّلاَقُو رَبِّهِمْ (29)

www.khrooj.com

سورہ بقرہ میں بھی ہے کہ☆ وَ أَنَّهُم مُّلاَقُو اللّه ان آیات سے تو اللہ کی ملاقات بھی ثابت ہورہی ہے دیدار ہونے کا بھی تبادر ہورہا ہے یہ بات سارے جانتے ہیں کہ ملاقات ہونا لازمۂ جسم ہے یعنی مادّی جسم ہوگا تو نظر آئے گا، اسی طرح اللہ کی طرف سے صدورحرکات بھی ثابت ہے جیسے سورہ اعراف میں ہے☆ ثُمَّ اسْتَوَی عَلَی الْعَرْشِ ''پھر اللہ عرش پر چڑھ گیا'' یہ حقیقت ہے کہ چڑھنا اترنا ایک حرکت ہے جو خلافِ سکون ہے اور حرکت ایک تغیر بھی ہے جو قدیم ہونے کے منافی ہے اسی طرح ہے کہ

☆ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَأْنٍ ...... ہر روز اللہ کیلئے ایک کام ہوتا ہے

روزانہ جو اللہ نئے نئے کام کرتا ہے تو یہ مبنی برحرکات وسکنات ہیں حتیٰ کہ تان یہاں آ کر ٹوٹتی ہے کہ خدا نے فیصلہ دیا کہ کہاں تک تم لوگ میرے افعال واقوال واحوال و حرکات وسکنات کی فہرست جمع کرتے پھروگے سیدھی سی بات کہہ کر فیصلہ کردو

☆ وَلَـكِنَّ اللّهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ...... سچ تو یہ ہے کہ وہ اللہ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے، بہ الفاظ دیگر یہ فرمایا جارہا ہے کہ فعل کے صدور کو اس سے بعید نہ سمجھو

مسلّمہ حقیقت

یہ ایک مسلّمہ ہے کہ اگر ان افعال کو یا ان چیزوں کے صدور کو رب ذوالجلال کی ذات تسلیم کر لیا جائے تو پھر اللہ اللہ رہ نہیں سکتا مگر دوسری طرف قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ان چیزوں کے صدور کو اللہ سے ثابت سمجھو، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خالق خود قرآن میں ان افعال کے صدور کا نظریہ فراہم کر رہا ہے تو امت

www.khrooj.com

مسلمہ اس قرآنی توحید کے خلاف کسی نظریے پر قرآنی نظریۂ توحید کو کیوں قُربان کر رہی ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کا بلا واسطہ اگر خالق سے صدور مانا جائے تو وہ ایک مجسم ذات ثابت ہوگی اس کا ایک جسم ثابت ہو جائے گا اور خدا کو مجسم تصور کرنا کفر ہے جس پر عالم اسلام متفق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کا جسم مانیں گے تو اس کے دیکھے جانے کا امکان پیدا ہو جائے گا یعنی وہ حواس کی زنجیروں کا اسیر متصور ہوگا

اعضائے اِلٰہی

انسان کا جسم مرکب بالاعضا ہوتا ہے یعنی اس کا جسم کئی اعضا پر مبنی ہوتا ہے مثلاً ہاتھ، پاؤں، چہرہ، منہ، سر، کان، آنکھ، ناک، سینہ وغیرہ مل کر ایک جسم بناتے ہیں اسی طرح قرآن میں اللہ نے انسان کو اللہ کا جو تصور دیا ہے اس سے بھی یہی لگتا ہے کہ وہ کسی انساں نما اللہ کی تصویر کشی کر رہا ہے

آیات کی دوسری قسم جو ہے وہ اللہ کے مقام عضویت کو واضح کرتی ہے ان سے تو خدا بائی پارٹس(BYPARTS) ثابت ہوتا ہے یعنی جیسے بدن انسان کی تحلیل یا انیلیسز (ANYLASIS) سے بات واضح ہوتی ہے قرآن میں اللہ کی بھی تحلیل طبعی یا فزیکل انیلیسز(PHYSICAL ANYLASIS) کی گئی ہے

چہرہ

جیسے انسان کا چہرہ ہوتا ہے بالکل انسان کی طرح قرآن میں اللہ کا بھی چہرہ بتایا گیا ہے ارشاد ہے ☆ ’’كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ‘‘ یعنی ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے

سوائے اللہ کے چہرے کے،اسی طرح دوسری آیت میں ہے کہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ()وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَام (سورہ الرحمن)

ہر چیز فنا ہوگی مگر اللہ کے چہرے کو بقا حاصل ہے،اس آیت سے بھی اللہ کا چہرہ ثابت ہے جو بدن کا ایک عضو ہوتا ہے یعنی جسم کا ایک حصہ ہی ہوتا ہے

ہاتھ

جس طرح انسان کے ہاتھ ہوتے ہیں اسی طرح اللہ کے بھی ہاتھ بتائے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے'' يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ''اس آیت میں بیعت کے دوران اللہ کے ہاتھ کو لوگوں کے ہاتھوں کے اوپر بتایا گیا ہے اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ'' بيدك الخير ''یعنی اے اللہ تیرے ہاتھ میں کلی خیر ہے،اسی طرح ایک اور آیت میں ہے کہ'' لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ''اس آیت سے اللہ کا ایک نہیں انسان کی طرح دو ہاتھ ثابت ہو رہے ہیں،اسی طرح ایک اور مقام پر ہے'' تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ''
اب کس کس آیت کا حوالہ دیا جائے اور کس کس عضو پر دلالت کرنے والی آیات پیش کی جائیں یوں سمجھ لیں کہ قرآن پڑھتے جائیں اس کے اعضا پر آیات ملتی جائیں گی تا اینکہ ایک انسان نما اللہ سامنے کھڑا ہو جائے گا اور ید اللہ، عین اللہ، وجہ اللہ، جنب اللہ،اذن اللہ،ساق اللہ وغیرہ وغیرہ کے الفاظ اللہ کے ہاتھ،آنکھیں، چہرہ، پہلو، کان، پنڈلیاں وغیرہ ثابت کرتے چلے جائیں گے

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے ثبوت فراہم ہونے کے بعد کون احمق ہے جو اللہ کی جسمانیت سے انکار کرسکتا ہے؟

اصل الجھن یہ ہے کہ ایک طرف کلام اِلٰہی کی آیات کی ایک طویل فہرست ہے جو خدا کے جسم کو، اعضا و جوارح کو، مادّی وجود کو ثابت کررہی ہیں دوسری طرف عقلا وعلما ومتکلمین و فلاسفہ کی ایک طویل فہرست ہے جو ثابت کر رہی ہے کہ خدا جسم اور جسمانیت سے ارفع واعلیٰ ہے،جمع بین التصورین

جب یہ باتیں سامنے آتی ہیں تو ایک نارمل انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ حکم خالق یہ ہے کہ☆ ''وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذَٰلِكَ سَبِيۡلاً ''یعنی دوانتہاؤں کا درمیانہ راستہ اختیار کرو لیکن یہاں درمیانہ راستہ کون سا ہے؟ کیونکہ ایک طرف یہ تصور ہے کہ اللہ ایک جسم و بدن رکھتا ہے اوراسی کے ذریعے جملہ امورانجام دیتا ہے، دوسری طرف یہ تصور ملتا ہے کہ فرقۂ مجسمہ کی طرح اللہ کا کوئی نوری یا مادّی وغیر مادّی جسم و بدن ماننا کفر ہے اب آدمی کہاں جائے؟ تو اس مسئلے کوحل کرنا کسی انسان کے بس کا روگ نہیں ہے اس مسئلے کا حل وہی بتا سکتے ہیں جنہوں نے یہ مسئلہ پیدا کیا ہے یا جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے تو چلو انہیں کے شہرعلم کے دروازے پر دق الباب کر کے عرض کرتے ہیں کہ آپ نے انبیاءعلیہم الصلوات والسلام کی مشکل کشائی فرمائی ہے اب ہماری بھی اس مشکل کوآسان فرمائیں ہماری مشکل یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں اللہ کا جسم ماننا کفر ہے اور قرآن فرماتا ہے کہ اللہ کے ہاتھ، پاؤں، پہلو، پنڈلی، آنکھیں اور کان سب کچھ ہے اب ہم ان نظریوں کو یکجا کیسے کریں؟ باب مدینۃ العلم سے فرمان زین القرآن سنائی دیتا ہے

☆ان الکلمة من آل محمدعلیھم الصلوات والسلام تنصرف اِلیٰ سبعین وجھا کلما فی ذکر الحکیم و الکتاب الکریم و الکلام القدیم من آیة یذکروا فیھا

العين والوجه واليد و الجنب فالمراد منها الولی لانه جنب الله و وجه الله و عين الله و يد الله لان ظاهرهم باطن الصفات والظاهرة و باطنهم ظاهر الصفات و باطن الظاهر واليه الاشارة بقوله ان لله اعين و ايادی و انا و انت يا علیؑ منها

فرمایا آل محمد علیہم الصلوات والسلام کی شان میں ایک ایک لفظ کی ستر ستر 70 توجیہیں ہیں ان سب کیلئے ذکر حکیم اور کتاب کریم اور کلام قدیم میں آیات کی ایک ایسی قسم ضرور موجود ہے جس میں اللہ کے چہرے، آنکھ، ہاتھ، پہلو وغیرہ کا ذکر ہے بس ان سب سے مراد ولی العصر ہی ہے کیونکہ وہی جنب اللہ ہے، وجہ اللہ ہے، حق اللہ ہے، علم اللہ ہے، عین اللہ ہے، ید اللہ ہے گویا ان کا باطن باطنی صفات کا ظاہر ہے پس یہ باطن کے ظاہر اور ظاہر کے باطن ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا ''بہ تحقیق اللہ کے ہاتھ اور آنکھیں بھی ہیں'' اے میرے بھائی ہم اور آپ انہی میں سے ہیں یعنی ہم ہی ید اللہ ہیں، عین اللہ ہیں، لفظ ''منھا'' دلالت کرتا ہے کہ محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے سارے افراد جو ''کلنا محمدؐ'' کے مصداق ہیں وہ سارے ان آیات کے مصداق ہیں

اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے جو اعضائے الٰہی کا ذکر کیا ہے اس میں ایک استعاراتی انداز میں مقام مظہریت کی وضاحت فرمائی گئی ہے جس طرح انسان کی ذات کیلئے جسم عضوی و مادّی مقام مظہریت کا حامل ہوتا ہے اسی طرح اس پاک خاندان کے مقدّس افراد علیہم الصلوات والسلام بھی مقام مظہریت کے حامل ہیں، جس طرح انسان کی ذات کیلئے مظہر صرف بدن ہے کہ جس سے ذات کا اظہار ہوتا ہے، بدن جو بھی کرتا ہے وہ

بدن سے نہیں ذات سے منسوب ہوتا ہے کیونکہ نوعِ انسان میں جو انسان ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں یا ایک انسان دوسرے کے سامنے انسان کی طرح آتا ہے تو سامنے نظر آنے والی انسان کی ذات نہیں جسم ہوتا ہے جو اعضا و جوارح پر مبنی ایک پیکر ہے جو دیکھنے میں آتا ہے اگر کوئی عزت کرتا ہے تو بدن کی کرتا ہے، کسی جرم کی سزا ملتی ہے تو بدن کو ملتی ہے مگر ذات ہے کہ بدن کی عزت کو اپنی عزت تصور کرتی ہے اور بدن کی ذلّت کو اپنی ذلّت تصور کرتی ہے جب تک انسان عالم ھست میں موجود ہے بدن کو ذات سے علیحدہ نہیں کرسکتا کیونکہ اس کائنات کے سامنے ذات کا مظہر اور نمائندہ صرف جسم ہے، ذات نے لوگوں کا رویّہ ذات سے نہیں بدن سے دیکھنا ہے کیونکہ ذات تو سرالاسرار ہے ظاہر تو بدن ہی رہتا ہے جو اس کا مظہر اتم ہے، مثل العلیٰ ہے، نمائندہ ہے، کیونکہ مقام مظہریت پر فائز ہے اسی طرح اللہ کی ذات اتنی ارفع و اعلیٰ ہے کہ جو سرالاسرار سے بھی مخفی تر ہے اور عقولِ عالمین سے بلند تر ہے تو یہاں اس نے اپنی ذات کو پیش کرنے کی بجائے مظاہر ذات کو پیش کیا ہے جو مقام مظہریت کے حامل ہیں اب اس مقام کو سمجھ لیں تو پھر مسئلہ حل ہوتا چلا جائے گا کہ اللہ سے منسوب اقوال و افعال و احوال و حرکات و سکنات دراصل مظاہر ذات کے افعال و اقوال ہیں

اب ہم ایک بار پھر افعال کی طرف جاتے ہیں کہ کون کون سے افعال کو کلام اِلٰہی میں اللہ کی ذات سے منسوب کیا گیا؟

اللہ کا سب سے پہلا فعل جو کلامِ الٰہی میں اس کی ذات سے صادر ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ ہے اس کا ''فعل تخلیق'' اس نے تخلیق کا عمل کیسے کیا؟ اس کے بارے میں کلام

اِلٰہی میں ہے کہ

☆إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ...... (یٰسین آیہ 82)

یعنی جب بھی وہ فعال لما یرید کی مصداق ذات کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ فرماتی ہے تو اس وقت ''کن'' فرماتی ہے تو وہ چیز فوراً عدم سے نکل کر لباسِ وجود میں موجود ہو جاتی ہے دیکھنا یہ ہوگا کہ کیا یہ عمل خالق سے بلا واسطہ صادر ہوا ہے؟ اگر اس نے ارادہ کیا پھر کہنے پر بھی نوبت آئی اور پھر کہہ دیا گیا اور وہ ہو گیا تو یہ اتنے سارے تغیرات کیسے اس میں واقع ہوئے؟ اگر اس میں یہ تغیرات واقع ہوئے تو پھر وہ قدیم کیسے رہا؟

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ کلام کو ایجاد فرماتا ہے مگر یہ نہ سوچا کہ ایجاد کیلئے پھر کسی وسیلے کی ضرورت بھی ہوگی ان تمام مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ ہم مقامِ مظہریت کو سمجھیں جب ہم مقامِ مظہریت کو سمجھ لیتے ہیں تو بہت سارے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں جیسا کہ اس کی ذات کے مظاہر کاملہ نے فرما بھی دیا ہے

☆و اولیائه المقربون و امره بین الکاف والنون بل هم کاف والنون

اس کی ذات کے جو اولیاء مطلق ہیں ان کو قُربت ذات بھی حاصل ہے کیونکہ ذات کے سب سے زیادہ قریب مظہر ہوتا ہے اور لفظ ''کن'' کے اندر عمل پذیر قوت بھی ولی العصر ہی ہوتے ہیں اور عین لفظ ''کن'' بھی، یہی مظاہر اتم ہوتے ہیں

اس کا مقصد یہ ہے کہ جتنے بھی افعال و اعمال اللہ جل جلالہ کی ذات سے منسوب ہوتے ہیں وہ درحقیقت مظاہر اِلٰہی کے افعال و اعمال ہوتے ہیں اور بالمجاز ذات کے افعال ہوتے ہیں اور جب مشیّت کی نگاہ سے دیکھیں گے تو یہی افعال و اعمال

حقیقت ذات کے ہوں گے اور مجازاً مظاہر ذات کے ہوں گے اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے دوسرا بڑا کام کون سا کیا ہے؟ تو اس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ

جب اللہ نے ارواحِ بنی آدم کو خلق فرمایا تو انہیں جناب آدم علیہ السلام کی پشت میں ڈالا اس کے بعد انہیں پھر واپس بلایا اور ان سے عہد لیا اور فرمایا ''الست بربکم '' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ''قالوا بلیٰ'' سب نے عرض کیا بے شک تو ہمارا رب ہے اس واقعہ میں بھی اللہ عزوجل کا ارواحِ بنی آدم سے کلام فرمانا ثابت ہوتا ہے اور یہاں یہ بھی تمیز نہیں ہے کہ کیا صرف نیک لوگوں سے کلام کیا یا عابدین وزاہدین سے کلام کیا، حقیقت یہ ہے کہ بلا امتیاز نیک و بد سب سے کلام کیا

اب پھر وہی بات مانے بغیر کوئی چارۂ فکر نہیں کہ یہ کام بھی اس کا ذاتی نہیں ہے بلکہ عالم ازل میں مسند الوہیت پر اس کا کوئی مظہر جلوہ آرا ہوا اور اس نے بنی آدم کو جناب آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا اور ان سے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

اب کوئی یہ پوچھ سکتا ہے کہ تم یہ اپنی طرف سے کہہ رہے ہو یا معصومین علیہم الصلوات والسلام میں سے کسی نے بھی یہ راز بیان فرمایا ہے؟

تو میں عرض کروں گا کہ میں نے بھی انہی سے سنا ہے جنہوں نے الست بربکم کی صدا دی تھی انہوں نے خود فرمایا ہے

☆أنا آخِذ العهد على الارواح فى الازل أنا منادى لهم الست بربكم بامر الله......

قیوم لم یزل فرماتے ہیں ہم ہی مسند نشین محفل ازل تھے اور ہم ہی نے ارواحِ خلائق

سے عہد و میثاق لیا تھا اور ہم ہی نے حکم رب العالمین سے لوگوں کے سامنے فرمایا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو ساری محفل ازل نے بیک زبان کہا تھا بیشک تو ہی ہمارا رب ہے

اب اس دنیا میں آنے کے بعد تمہاری مرضی ازل کے عہد کا پالن کرو یا کسی چھوٹے مقام پر بٹھا دو یا بشر مان کر خلافت کی چوتھی سیڑھی پر بٹھا دو ہم نے بتانا تھا سو بتا دیا ہے، اب ماننا تمہارا کام ہے، ہاں پھر غلط ماننے پر سزا دینا بھی ہمارا کام ہے کیونکہ تم روز قرآن میں پڑھتے ہو☆ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انتِقَامٍ اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے اور اس کے انتقام کا وسیلہ و ذریعہ بھی ہم ہی ہیں، دیکھنا جب ہمارے آخری لخت جگر عجل اللہ فرجہ الشریف تلوارِ انتقام بلند فرمائیں گے تو ازل کے سارے عہد یاد آ جائیں گے

بارگاہِ رب العزت میں صرف اور صرف یہی التجا ہے کہ ازل سے ابد تک کے تمام مومنین و مومنات کو وہ سعید ترین دن فوراً سے پہلے دیکھنا نصیب ہو کہ جب زبردست انتقام لینے والے اولین و آخرین کے منتقم حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف اس دنیا کو عدل و داد سے اس طرح بھر دیں گے کہ جس طرح ان کے ظہور سے قبل یہ ظلم و جور اور فسق و فجور سے بھر چکی ہو گی

﴾آمین یارب العالمین﴿

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشريف وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلىٰ آلِهِ اَجمَعِين

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

معرفت توحید

اے صدا بگوشانِ دستک عرفان!

میں نے گذشتہ خطبہ میں مقامِ مظہریت کو واضح کرنے کی کوشش کی تھی، اس میں میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن مقدّس میں بہت سی ایسی آیات نظر آتی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اللہ ایک مجسم انسان کی طرح ہے اور دوسری طرف ہمارا مسلّمہ عقیدہ ہے کہ اللہ جسم وجسمانیت سے ارفع واعلیٰ اوراجل وماوریٰ ہے اور یہ عالم تشیع کا متفقہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اللہ جل جلالہ کو مجسم مانے یا انسان کی طرح اس کے اعضا وجوارح تسلیم کرے وہ کافر ہے اس لئے ان دو متضاد باتوں کے درمیانہ راستے کی تلاش میں ہم نکلے ہوئے تھے اور میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ جل جلالہ نے انسان کو سمجھانے کیلئے جو آیات نازل فرمائی ہیں اور جن میں اس کے اعضا و جوارح (ہاتھوں، آنکھوں وغیرہ) کا ذکر ہے یہ استعاراتی ہیں اور اس سے مراد اللہ جل جلالہ کی ذات نہیں بلکہ اس کے مظاہر اتم اولیائے عصر یعنی آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام ہیں اور وہی اللہ کی ذات کے بہ منزلت اعضا وجوارح ہیں کیونکہ ان کا ہر کام عین ذاتِ اِلٰہی کا کام ہے اور وہ اس کے افعالِ کلی کے وسیلۂ واحدہ ہیں

ہم بات کررہے تھے کہ اللہ نے جہاں بھی کلام فرمایا ہے وہاں اس کی ذات نے کلام نہیں فرمایا بلکہ اس کے مظاہر ذات نے کلام فرمایا ہے اور اللہ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، اس کی مثال خود انسان میں موجود ہے جیسے انسان کے جملہ افعال اور اعمال اس کے اعضا و جوارح کرتے ہیں مگر وہ منسوب ذات کی طرف ہوتے ہیں

آپ خود سوچیں انسان کے پاس بولنے کا ذریعہ کیا ہے؟ اس کا جواب آپ کو یہی ملے گا کہ انسان کے بولنے کا ذریعہ اس کی زبان ہے، جس آدمی کی زبان کاٹ دی جائے وہ بول نہیں سکتا، بلاتشبیہ اللہ نے بھی اپنے لئے افعال واعمال کے ذرائع اور وسائل قرار دیئے ہیں کہ جو اس کی طرف سے بولتے ہیں جیسے انسان کی زبان اس کی ذات کی طرف سے بولتی ہے

اب ایک مقام پر ہے ''وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ ......'' کہ جب اللہ نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کا سجدہ کرو تو سارے ملکوت نے سر جھکا دیا اور ایک چودھری اکڑ گیا

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے ایک کلام بھی فرمایا اور اسے ملکوت نے بھی سنا اور ابلیس نے بھی سنا اور روح نے بھی سنا کہ اس کو آدم علیہ السلام کے جسد خاکی میں جانا تھا اور اس کے جانے کے بعد سجدہ ہونا تھا

یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ عز و جل اگر بولنا شروع کر دے تو وہ وہ نہ رہے گا اگر نہیں بولے گا تو دوسرے سمجھیں گے کیسے؟ اس لئے اس ذات نے اپنی وحدانیت اور قدیمیت کو بچانے کیلئے اپنے ایک مظہر کو طلب فرمایا اور مسند الوہیت پر انہیں زینت بخشنے کو کہا اور اپنی نیابت میں اسے ساری کارروائی کرنے کا حکم دیا

www.khrooj.com

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا مظہر الوھیت تھا کہ جس نے سارا کام کیا؟
اس کا جواب خود امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام یوں عطا فرماتے ہیں کہ ہم ہی نے ملکوت کو آدم علیہ السلام کے سجدے کا حکم دیا تھا
اب یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھا رہا ہے اور یہ غلو کر رہا ہے تو اس کا جواب بھی میں اسی ذات کی بارگاہ میں عرض کر کے لے لیتا ہوں کہ جنہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے میں انہی سے عرض کرتا ہوں آقا یہ آپ نے کیسا دعویٰ کیا کہ اس سے تو آپ باقی تیرہ معصومین علیہم الصلوات والسلام سے افضل واشرف ثابت ہو رہے ہیں، جواب ملتا ہے اپنے نقص شعور کو دریافت کرو ہم نے تو اسی مسئلے کے ضمن میں جناب سلمان محمدی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہی فرما دیا تھا

☆یا سلمان أنا و الھداۃ من اھلبیتی سر اللہ المکنون و اولیاء المقربون کلنا واحد و سرنا واحد فلا تفرقوا فینا فتھلکوا

اے سلمان ہم اور ہمارے اہل بیت علیہم الصلوات والسلام میں سے جو ہادی ہیں وہ اللہ کے مخفی راز ہیں اور وہ مقامِ قُربت اِلٰہی پر فائز ہیں اور ہم سارے کے سارے واحد ہیں اور من حیث التکوین من حیث المراتب ایک ہی ہیں ہماری ذات ایک ہے، ہمارا راز ایک ہے اور ہمارے مابین فرق مت سمجھنا ورنہ ہلاکت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرو گے
اب اس کو بھی ہم انسان کے حوالے سے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ دیکھئے ایک انسان کئی چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے مثلاً روح، نفس، بدن، اعضا و جوارح،

www.khrooj.com

شرائین، اعصاب، ہڈیاں، گوشت، خون، جلد وغیرہ
اب ہم اسے تحلیل طبعی یعنی فزیکل انیلیسز (Physical Analysis) سے گزارتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ انسان کہاں ہے؟
آپ کسی کے ہاتھ کو پکڑ کر اس سے پوچھیں یہ کیا ہے؟ وہ کہے گا یہ ''میرا'' ہاتھ ہے پھر سر کے بارے میں یہی سوال دہرائیں تو وہ کہے گا یہ ''میرا'' سر ہے پھر اس کے سینے کے بارے میں یہی سوال دہرائیں تو وہ کہے گا یہ ''میرا'' سینہ ہے اسی طرح اس کے جملہ اعضا کے بارے میں پوچھیں کہ یہ کیا ہیں؟ تو وہ کہے گا یہ ''میرے'' اعضا ہیں حتیٰ کہ اس کے بدن، نفس اور روح کے بارے میں یہی سوال دہرائیں گے تو ان کے متعلق بھی وہ یہی کہے گا کہ یہ سب ''میرے'' ہیں
اب اس سے اس طرح سوال کریں کہ یہ تمام اعضاء تو تمہارے ہیں مگر تم کہاں ہو؟ یعنی یہ سب چیزیں تمہاری ہیں مگر تم نہیں ہو...... دیکھئے آپ کہیں کہ یہ زید کا ہاتھ ہے، یہ زید کا پاؤں ہے، یہ زید کا سر ہے، یہ زید کی روح ہے، یہ زید کا نفس ہے، یہ زید کا بدن ہے، مگر وہ زید کہاں ہے جس کی یہ ساری چیزیں ہیں؟
تو جواب یہی ملے گا کہ یہی ساریں چیزیں ہی تو زید ہیں وہ کہیں باہر تو نہیں بیٹھا ہے
بس اسی طرح اس پاک خاندان کے جملہ افراد علیہم الصلوات والسلام ایک نور ہیں، ان کی اصلیت ایک ہے، یہ واحد الاصل نور ہیں، نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا، نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا مگر اللہ جل جلالہ نے انہیں اپنے اظہار صفات کیلئے منقسم فرمایا ہے، مختلف صفات کی وجہ سے مختلف شکلیں دی ہیں اور ان کے مختلف زمانے قرار دئے ہیں، ان کی اوّلیت ایک ہے اور وہ ذاتِ احد کی طرح واحد نور ہیں اور یہ اظہار اعتباری ہے نہ

کہ حقیقی

ایک اور مثال سے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں

آپ ایک سمندر کے کنارے کھڑے ہو جائیں اور اس کی ایک ایک چیز کا کسی سے سوال کریں تو وہ اس طرح جواب دے گا کہ یہ سمندر ہے اس میں جو اونچی اونچی چیزیں اٹھ رہی ہیں یہ لہریں ہیں، جو ان سے اوپر اٹھ رہے ہیں یہ قطرے ہیں اور جو آ بگینوں کی طرح تیر رہے ہیں یہ حباب (بلبلے) ہیں وغیرہ وغیرہ

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ حباب کا وجود حقیقی ہے اور یہ سمندر سے ایک علیحدہ چیز ہے، جیسے مچھلیاں علیحدہ چیز ہیں؟ کیا قطرہ بھی ایک علیحدہ چیز ہے؟ کیا لہر بھی علیحدہ چیز ہے؟ کوئی انہیں علیحدہ نہیں کہے گا اور کہے گا کہ یہ سب سمندر کی اعتباری چیزیں ہیں اپنی نمائش میں علیحدہ ہیں مگر حقیقت میں یہ پانی ہی ہیں جب تک ان کو اظہار نہ ملے یہ پانی ہی میں گم ہوتی ہیں جب اظہار ملتا ہے تو وہ لمحاتی ہوتا ہے اور پھر یہ پانی میں مل جاتی ہیں

اسی طرح یہ انوار مقدّس حقیقتاً سمندرِ نورِ اِلٰہی ہیں اور ان کا جو اظہار ہے یہ ہمارے لئے ہے، ان کی ذات میں وحدت ہی وحدت ہے اور یہ کلنا واحد کے مصداق ہیں اسی لئے تو انہوں نے بار بار فرمایا ہے، ایک ذات نے نہیں ہر ذات نے اس کا اعادہ فرمایا ہے کسی نے فرمایا ہے

☆أنا اتقلّب فی الصور کیف شا الله من رآهم فقد رآنی و من رآنی فقدرآهم و نحن فی الحقیقة نور الله الذی لا یزول ولا یتغیر

میں ان ان صورتوں میں جلوہ نما ہوا ہوں کہ جن میں اللہ نے دیکھنا چاہا ہے اور جس

www.khrooj.com

نے میری ان صورتوں کو دیکھا ہے حقیقتاً اس نے مجھے ہی دیکھا ہے اور ہم معصومین علیہم الصلوات والسلام حقیقت میں اللہ کے وہ انوار ہیں جو نہ ہی زوال و کمال کے مراحل سے گزرتے ہیں اور نہ ہی کبھی متغیر ہوتے ہیں کیونکہ یہ قدیم الاصل نور ہے اس لئے اس میں تغیر کا امکان نہیں ہے، کسی ذات نے فرمایا ہے

☆انا محمدؐ و محمدؐ انا اتقلب فی الصور کیف اشاءُ من رآنی فقد رآھم و نحن نورالله الذی لا یتغیر دائما

میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور وہ میں تھے اور ہم جیسی بھی چاہیں صورتیں اختیار فرما سکتے ہیں اور جس نے ان صورتوں میں سے کسی کو بھی دیکھا تو گویا اس نے ہمیں ہی دیکھا ہے کیونکہ ہم اللہ کے وہ نور ہیں کہ جس میں کبھی بھی تغیر واقع نہیں ہوتا ہے یعنی ہم نور قدیم الاصل ہیں ......اسی طرح اور فرمان ہے

☆فأنا أنظر فی کل زمان و وقت ارادوا فی صورة شئنا باذن الله عزوجل و اذا شئنا شاء الله و اذا کرهنا کره الله

ہم ہر زمانے میں اور وقت میں جس صورت میں اللہ چاہتا ہے اظہار پذیر ہوتے ہیں اور اللہ وہی کچھ چاہتا ہے جو ہم چاہتے ہیں اور اللہ وہی کچھ ناپسند فرماتا ہے جو ہم ناپسند فرماتے ہیں اور اسی طرح کا ایک اور فرمان بھی ہے کہ

☆فأنا نظر فی کل زمان فی صورة ما شاء الرحمن

اب ہم کس کس فرمان کا اور کس کس ذات کا حوالہ دیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ زمانوں کی تقسیم اور یہ اشکال وصورتوں کی کثرت اعتباری ہے اور یہ واحد الاصل نور ہے، یہ ایک بحرِ نور ہے جس کی امواج اعتباری ہیں، جیسا کہ جناب جابر بن یزید جعفی کی

روایت میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے امام زین العابدین علیہم الصلوات والسلام کی بارگاہ میں عرض کیا آقا الحمدللہ اب تو آپ کی معرفت رکھنے والوں کی کثرت ہے اب ہم قلیل نہیں رہ گئے، اس پر انہوں نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ہماری معرفت رکھنے والوں کی قلت ہے اگر تم اس کا امتحان کرنا چاہو تو ان کثیر عرفا میں سے سب سے کامل چھانٹ کر ہماری بارگاہ میں لاؤ

جناب جابر جعفی گئے اور ایک جماعت کو منتخب کیا اور انہیں بارگاہ امام علیہ الصلوات والسلام میں لائے اور انہیں بارگاہ میں پیش کیا تو امام علیہ الصلوات والسلام نے سوال کیا کہ کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ جل جلالہ جو چاہے کر سکتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا بیشک وہ قادر مطلق ہے، یہ سن کر جناب جابر نے کہا الحمدللہ امام علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا ابھی نہیں ایک اور سوال بھی ہے اس کے بعد فرمایا بتاؤ کیا اللہ جل جلالہ اس پر قادر ہے کہ وہ میرے لخت جگر امام محمد باقر علیہ الصلوات والسلام کو مجھ میں بدل سکتا ہے اور مجھے ان میں بدل سکتا ہے؟ کیا وہ میں اور میں وہ بنا سکتا ہے؟ یہ سن کر انہوں نے سر جھکا لیا کئی مرتبہ استفسار فرمایا مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے، اس کے بعد امام علیہ الصلوات والسلام نے اپنے لخت جگر کو اپنے قریب بلایا اور فرمایا اب دیکھو، انہوں نے جب دیکھا تو امام چہارم امام پنجم بن چکے تھے اور امام پنجم امام چہارم بن چکے تھے، انہوں نے پھر دیکھا تو دونوں ذوات امام زین العابدین علیہ الصلوات والسلام بن چکے تھے پھر رنگ بدلا تو دونوں ذوات امام محمدؐ باقر علیہ الصلوات والسلام بن کر سامنے جلوہ آرا تھے یہ دیکھ کر وہ لوگ سجدے میں گر گئے اور کہا

☆امنت بسرکم و علانیتکم و بظاھرکم و بباطنکم ...... الخ

جب انہوں نے اپنی معرفت کی کوتاہی کا اقرار کیا تو امام علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا

''وارفعوا رؤسکم ''اب تم اپنے سر سجدے سے اٹھاؤ اب تم مومن وطیب و صاحب عرفانِ کامل ہو...... العبقری الاحسان کی اس روایت سے یہ بات ملتی ہے کہ یہ ذوات پاک علیہم الصلوات والسلام اگرچہ ظاہری طور پر مختلف صورتوں میں تشریف لائے ہیں مگر یہ سارے من حیث الکل ایک ہی نور ہیں اوران کا اختلافِ اشکال و صور اعتباری ہے

ہم اس پر بات کر رہے تھے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ کی ایسی صفات کا ذکر ہے جس سے اس کی جسمانیت وجسمیت کا تبادر ہوتا ہے وہاں اس کے مظاہر ذات کے افعال کا ذکر ہے جو حقیقتاً اسی کی ذات ہی کے افعال ہیں جیسا کہ خالق نے بعض انبیا علیہم السلام سے کلام فرمایا ہے یا اس نے کوہِ طور پر ایک شجر میں سے کلام فرمایا کہ

☆''یَا مُوسَی إِنِّیْ أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ''

خالق نے فرمایا کہ یہ میں نے فرمایا تھا مگر ایک اور ذات ہے جو منبر سلونی پر جلوہ آرا ہے اور ہزاروں کا مجمع سامنے ہے اور اپنے آخری لختِ جگر کے قیام وخروج پر خطبہ انشا فرما رہے ہیں اس میں پہلے علائم خروج بیان فرماتے ہیں اور اپنی لسان خالق ترجمان سے وہ خطبہ انشا فرما رہے ہیں جو کتابوں میں ''خطبہ التطنجین'' کے نام سے مشہور ہے اس میں علائم خروج بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں جب یہ حالات ہوں

''فتوقعوا ظهور مكلم موسىٰ من الشجرة على الطور فيظهر هذاظاهر مكشوف و معان موصوف الاركم عجائب تركهتها و دلائل كتمتها()

جب تم ان علائم کا مشاہدہ کرنا تو پھر اس کے ظہور پر نور کی توقع رکھنا کہ جس ذات

خالق نے شجر طور سے جناب موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا

☆ ''یَا مُوسَی إِنِّیۡ أَنَا اللَّهُ رَبُّ الۡعَالَمِیۡنَ''

اس کے بعد مظہر العجائب کے عجائبات کا ظہور ہوگا جنہیں تم دیکھو گے مگر ہم انہیں یہاں بیان نہیں کرنا چاہتے، اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ خود اللہ عزوجل کا ظہور اجلال ہوگا بلکہ اس ذات کا ظہور ہوگا جس نے وہاں اس کی نیابت میں کلام فرمایا تھا، اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ ذات کون ہے؟

اس کا جواب خود امیر المومنین علیہم الصلوات والسلام نے کئی خطبات میں فرمایا ہے کہ

''انا متکلم بالشمس'' یعنی ہم ہی سورج سے کلام فرمانے والے ہیں

اسی طرح ایک اور مقام پر آخری زمانے کے بارے میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا

''ثم فتنة الغبرا و القلادة الحمرا و فی عقبها قائم الحق ثم اسفر عن وجهی بین اجنحة الاقالیم کا القمر المضی الکواکب الاوان لخروجی علامات عشرة اوّلها تحریق الرایات فی ازقة الکوفه و تعطیل المساجد و انقطاع الحج و خسف و قذف بخراسان و طلوع الکواکب المذنبة واقتران النجوم و هرج و مرج و قتل نهب فتلك علامات عشرة''

علائم بیان کرنے کے بعد فرمایا فتنۂ سیاہ اور فتنۂ سرخ گلوبند ظاہر ہوگا یعنی دو قسم کی موتوں میں مخلوق مبتلا ہوگی اس کے بعد حق کا ظہور ہوگا، اس کے بعد ہم اپنا رخ انور کائنات کی حکومتوں کے سامنے بے نقاب کریں گے، ہمارا چہرہ ایسا تاباں ہوگا جیسے ستاروں میں ماہ چہاردہم چمکتا ہے اور ہمارے خروج کی دس علامات ہیں

1 ......کوفہ کی گلیوں میں فوجی جھنڈے گردش کریں گے

2......مساجد نمازیوں سے خالی ہو جائیں گی اور کچھ وقت مسجدیں معطل رہیں گی

3...... حج منقطع ہو جائے گا یا اپنے وقت پر ادا نہ کیا جائے گا

4......خراسان میں زمین دھنس جائے گی اور اپنے اہل کو نگل لے گی

5......کئی کومٹ (Comet) دمدار ستارے فلک پر نظر آئیں گے

6......نظام شمسی کے سیاروں کا ایک عظیم قِران ہو گا

7...... ہرج یعنی لوگوں میں آپس کے فسادات جاری ہوں گے

8......مرج یعنی لوگ اپنی اصلی حالت میں نہ رہیں گے اشیاء خراب ہو جائیں گی

9......قتل عام ہو گا انسانی جان کی کوئی قیمت نہ رہے گی

10 ......نھب یعنی لوگ ایک دوسرے کو لوٹ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہوں گے، اس وقت ہم اپنا چہرہ اقالیم کے سامنے منکشف فرمائیں گے

شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے بارے میں ہے کہ جب ان کا خروج ہو گا تو سورج مقام غروب سے ایک پہر پہلے کی جگہ پر رک جائے گا اور اس میں سے امیر المومنین علیھم الصلوات والسلام کمر تک ظاہر ہوں گے اور اپنے لخت جگر کا تعارف کروائیں گے اور فرمائیں گے لوگو یہ ہمارے لخت جگر ہیں ان کی بیعت کرو

اس وقت لوگ بیعت کیلئے ٹوٹ پڑیں گے جب شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا دست قدرت مزاج لوگوں کے ہاتھوں کے اوپر برائے بیعت سایہ فگن ہو گا تو اس وقت آسمان سے اس آیت کی تلاوت ہو گی ''یَدُ اللَّهِ فَوۡقَ أَيۡدِيۡهِمۡ ''

یہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا دست مبارک نہیں یہ اللہ کا ہاتھ ہے جو مخلوق سے بیعت لینے

میں مصروف ہے

اس ساری بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے جملہ اقوال وافعال و حرکات وسکنات ان کے ذاتی نہیں اللہ کے ذاتی ہیں اور اللہ کے جتنے افعال واعمال وحرکات وسکنات کلام الٰہی میں مذکور ہیں وہ سب انہی کے کام یا ذاتی افعال ہیں

دعا ہے کہ ترستی ہوئی نگاہیں وہ حسین منظر فوراً دیکھیں کہ جب عین یداللہ ذات پاک عجل اللہ فرجہ الشریف اپنے دست قدرت شعار پر لوگوں سے بیعت لے رہے ہوں گے اور یَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ کا حقیقی مفہوم سب کے سامنے آجائے گا

﴿آمین یارب العالمین﴾

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشريف
وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلٰى آلِهِ اَجمَعِين

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

مقامِ مظہریت

خطبہ اول

اے شنوندگانِ حرفِ عرفان!
اس دور میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ بعض لوگ شانِ توحید کے پردے میں پاک خاندان کے مقدّس افراد علیہم الصلوات والسلام کی تنقیص (خدانہ کرے) کررہے ہیں، یہ بھی اسی طرح کا ایک قدم ہے جو ماضی میں سوادِ اعظم کے بعض تخریب کاروں نے اٹھایا تھا، انہوں نے شانِ صحابہ کرام کے پردے میں پاک خاندان توحید و رسالت علیہم الصلوات والسلام کے خلاف زبانِ طعن کھولی تھی
ہمیں اس پر اعتراض نہیں تھا کہ وہ شان صحابہ کیوں بیان کرتے تھے کیونکہ ہر مذہب و مسلک کے افراد کا یہ پہلا حق ہے کہ وہ اپنے رہبرانِ مذہب و مسلک کے فضائل بیان کریں مگر انہیں یہ حق کوئی نہیں دے سکتا کہ کسی دوسرے مذہب کے رہبروں اور قابل احترام شخصیات کی توہین کریں یا کسی مسلک کے لوگوں کی دل آزاری کریں
ماضی کی طرح اس دور میں خانۂ توحید و رسالت کی (نصیب دشمناں) توہین کیلئے انہوں نے توحید کو آڑ بنایا ہے اور شانِ توحید ان کا مقصود بالذات نہیں بلکہ ہمیں ان کے دوسرے عزائم سے اختلاف ہے

www.khrooj.com

اسی لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ خالق جس کی عبادت پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے جملہ پاک افراد پوری زندگی کرتے رہے ہیں اسے ان کے مقابلے میں کھڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

وہ جب سے دنیا میں تشریف لائے اسی دن سے ان کی زبان مبارک پر اللہ کا نام رہا اور تلواروں کے سائے میں سجدۂ توحید بجا لا کر انہوں نے ثابت کیا کہ وہ ہماری عبادت کے لائق ہے اسی کی ذات ہماری زندگی ہے اور زندگی کا مقصد ہے اور ہمارے یہاں تشریف لانے کا مقصد بھی صرف اسی ذاتِ واجب الوجود کا تعارف کروانا ہے مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی رب ذوالجلال والاکرام کو ان کے مقابلے پر کھڑا کر کے اس کی شان بیان کرنے کے بہانے تنقیص و توہین کے زہر آلود تیر چلانا شروع کر دیئے ہیں

جو صاحبانِ عرفان ہیں وہ اس حکم کے پابند ہیں کہ جس میں فرمایا گیا تھا کہ

''لا تفرقوا بین اللہ و بین الرسل''

یعنی اللہ اور اس کی بھیجی ہوئی پاک ذوات طاہرین علیہم الصلوات والسلام کے مابین تفرقہ نہ ڈالو اور انہیں ایک ہی سمجھو مگر تخریب کاروں نے ایک الیکشن کی فضا بنا دی ہے، ایک اللہ والی پارٹی ہے اور ایک مولا والی پارٹی ہے، اس طرح زبانیں بے لگام کر دی گئی ہیں حالانکہ اللہ نے انہیں اپنا مظہر ذات و صفات قرار دیا ہے اور اس میں بھی اس قادر مطلق کی مجبوری تھی کہ وہ ناقص مخلوق سے بلا واسطہ رابطہ نہیں کر سکتا تھا اور اگر خود وہ آ کر اپنا تعارف کروانا بھی چاہتا تو بھی نہیں کروا سکتا تھا اس میں یا مخلوق نہ رہتی یا پھر خود خالق خالق نہ رہتا

اس لئے اس نے قرآن کریم میں ایسی آیات کے ذریعے اپنے مظاہر ذات وصفات کے اختیارات اور ان کے اور اپنے درمیان رشتے اور تعلق کو بھی واضح فرمایا ہے یعنی ان کے اور خالق کے درمیان ذات اور مظہر کا رشتہ ہے جس طرح ایک بدن اپنی انا کا مظہر ہوتا ہے ایک جسم اپنی روح کا مظہر ہوتا ہے بلاتشبیہ اسی طرح یہ اپنے اللہ کے مظہر ہیں، یہ اس کے ظاہری بدن کی طرح کام کرتے ہیں اور وہ اس ذات واجب الوجود کا کام شمار ہوتا ہے

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ ان باتوں کو خود خالق نے بیان فرمایا ہے اور کئی مواقع پر سب کے سامنے اس نے ان باتوں کی وضاحت فرمائی ہے

آپ قرآن میں دیکھ لیں جب شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقام پر کسی کو پتھر مارا اور اس پتھر نے وہ کر دکھایا جو کسی عام آدمی کا پھینکا ہوا پتھر نہیں کر سکتا تھا اس پر لوگوں نے تعجب کیا تو آیت نازل ہوئی کہ جب آپ نے پتھر مارا تھا تو یہ آپ نے کب مارا تھا

☆وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ رَمَىٰ

یہ تو اللہ ہی نے مارا تھا تبھی تو ایسے کام کر رہا تھا

تو ثابت ہوا کہ اس کی نیابت میں کام یہ کرتے ہیں خوش خالق ہوتا ہے کہ یہ بھی میں نے کیا ہے اور وہ بھی میں نے کیا ہے جیسے کام ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضا و جوارح کرتے ہیں مگر انا کہتی ہے کہ سارے کام میں نے کیئے ہیں

اسی جنگ میں اسی ذات کے نصف دیگر نے جب جلال اِلٰہی کا مظاہرہ فرمانے کیلئے یداللہ بن کر جوہر شمشیر دکھائے تو لوگ ظالمین و کفّار کی لاشیں دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ انہیں ایک اکیلے امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے کیسے قتل کر لیا ہے تو اس استعجاب کو

خالق نے خود توڑا اور فرمایا

☆فَلَمۡ تَقۡتُلُوهُمۡ وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ

انہیں آپ نے فی النار نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں فی النار کیا ہے جب اللہ فی النار کرتا ہے تو تعجب کیسا وہ تو تھوک کے بھاؤ لیتا ہے

اسی طرح یہ مظہر ذاتِ الٰہی کلام سنتے ہیں تو اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ یہ میں نے سنا ہے یعنی ☆''سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّتِیۡ ......الخ'' اللہ نے ان بکواس کرنے والوں کی بکواس سن لی ہے کہ جو اللہ کے بارے میں چھپ چھپ کر باتیں کرتے ہیں

اس کی بھی یہی حقیقت ہے کہ منافقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کے بارے میں بکواس کیا کرتے تھے تو اللہ کا اذنِ سامعہ بن کر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سماعت فرماتے تھے مگر یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم نے ان کی بکواس کو سن لیا بلکہ اللہ فرماتا ہے کہ انہوں نے نہیں سنا میں نے سن لیا ہے

یہ تو ایک اصول ہے کہ جب کسی کی کوئی بات آپ سن لیتے ہیں تو اس کہنے والے سے یہ نہیں کہتے کہ میرے کانوں نے تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں بلکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ میں نے ساری باتیں سن لی ہیں کیونکہ کانوں کا کام سننا بھلے ہی کیوں نہ ہو مگر ان کا یہ کام ان کا نہیں ہے بلکہ وہ تو آپ کے مظہر ہیں اور وسیلۂ سماعت ہیں اس لئے ان کا فعل ان کی طرف نہیں آپ کی ذات کی طرف منسوب ہوگا

اسی طرح آپ کے بولنے کا ذریعہ زبان ہے مگر جب بھی زبان بولے گی تو کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ یہ آپ نہیں آپ کی زبان بول رہی ہے بلکہ سارے یہی کہیں گے کہ آپ ہی بول رہے ہیں، آپ کی ذات بول رہی ہے، زبان ایک وسیلۂ کلام ہے

جس کے ذریعے آپ کی ذات کلام کرتی ہے اگر ذات نہ بولنا چاہے تو زبان بول نہیں سکتی اسی لئے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کو امت کے سامنے بیان فرماتے تھے تو اللہ فرماتا ''یبین اللہ'' اللہ نے بیان کیا ہے، خالق نے تمہارے سامنے حقیقت بیان کر دی ہے، وہ اس لئے یہ فرماتا ہے کہ اس کی ذاتِ واجب الوجود کیلئے کلام کا ذریعہ یہی ذوات ہیں وہ ان کے ذریعے مخلوق سے کلام فرماتا ہے

اب اسی طرح دیکھتے جائیں بات کو سنتا کوئی ہے اللہ فرماتا ہے میں نے اس کا قول سن لیا ہے، آیات کو لوگوں میں بیان مظہر کرتا ہے لیکن اللہ فرماتا ہے کہ میں اللہ بیان کرتا ہوں یہ اللہ کا کوئی نرالا طرز بیان نہیں ساری دنیا اسی طرح بات کرتی ہے تو پھر اعتراض کیسا؟

دیدارِ الٰہی

عالم اسلام کے اکثر مسالک اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کا دیدار کرنا مخلوق کیلئے محال ہے بعض مسالک کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی میں محال ہے مگر موت کے بعد اللہ کا دیدار ممکن ہے، بعض مسالک کہتے ہیں کہ اللہ کا دیدار اور ملاقات موت کے بعد بھی محال ہے ہاں قیامت کے دن اللہ کچھ نیک بختوں کو اپنے دیدار کا شرف بخشے گا، بعض نے یہ بے تکی بھی ہانکی ہے کہ میں تو یہیں انہی دو آنکھوں سے اللہ کی کئی مرتبہ زیارت کر چکا ہوں وہ نیلم اور سونے کے تخت پر جلوہ آرا تھا اس کا جسم چمکدار سونے کا تھا مگر وہ اندر سے ڈھول کی طرح خالی تھا اس کے قدموں میں سونے کی جوتی بھی تھی اس کی زلفیں بھی سونے کے تاروں کی بنی ہوئی تھیں وغیرہ وغیرہ

اب کسی نے جب اس سے سوال کیا کہ محترم آپ نے کیسے دیکھ لیا؟ انہوں نے فرمایا تم اس سے انکار کرتے ہو؟ ارے اللہ کی ملاقات سے انکار کرنے والا تو اللہ کے کلام کا منکر ہے کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ

☆قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُواۡ بِلِقَاءِ اللّٰهِ ...... یعنی اللہ کے دیدار کو جھٹلانے والے خسارے میں ہیں

اب اس نے یہ سوال نہیں کیا جو اسے کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس کا جواب بھی معلومات میں کافی اضافہ کرتا اور میں سمجھتا ہوں کہ اسے یہ بھی پوچھنا چاہئے تھا کہ اللہ کے ظاہر کی تو آپ نے زیارت فرمائی ہے مگر ہمیں یہ فارمولہ بھی بتا دیں کہ اس کے اندر گھس کر آپ نے کیسے دیکھ لیا کہ وہ اندر سے ڈھول کی طرح خالی تھا

اس کا جواب جو بھی وہ دیتے وہ بہت معلومات افزا ہوتا افسوس یہ ہے کہ یہ سوال کیا نہیں گیا، سچ تو یہ ہے کہ ایسی بیسیوں آیات موجود ہیں کہ جن کے لفظی معنی یہی نکلتے ہیں کہ واقعی اللہ کا دیدار اور اس سے ملاقات ضرور ہوگی

جیسے محولہ بالا آیت ہے کہ جس کے معنی یہ ہیں کہ یقیناً خسارے میں وہ لوگ ہیں جو اللہ کی ملاقات اور دیدار کی تکذیب کرتے ہیں اسی طرح اور مقام پر ہے

☆ أَنَّهُم مُّلاَقُو اللّٰهِ ......(سورہ بقرہ 249)

☆إِنَّهُم مُّلاَقُو رَبِّهِمۡ ......(سورہ ہود 29)

ایسی بہت سی آیات ہیں کہ جن میں سے ملاقاتِ الٰہی کا اثبات ہوتا ہے کہیں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی ملاقات کریں گے کہیں یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی ملاقات کریں گے، کہیں ہے کہ اللہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا، کہیں یہ ہے کہ اللہ ان کی طرف نظر

نہیں فرمائے گا

ایسی بیسیوں آیات ہیں اور احادیث کی تعداد اس سے بھی کئی گنا زیادہ ہے کہ جن میں اللہ کی ملاقات اور زیارت اور کلام فرمانے کا ذکر ہے

ایک طرف ان آیات واحادیث کی تکذیب کرنا گناہ ہے دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ اللہ کے بارے میں عرفائے شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اگر ظہور فرمائے تو عدم تحمل کی وجہ سے کائنات تباہ ہو جائے کیونکہ کائنات اور اہل کائنات کی قوت برداشت تو اتنی سی ہے کہ ایک کروبی نے کوہ طور پر اپنے نور کا لاکھواں کروڑواں حصہ دکھایا تو پہاڑ جل گیا بشر فنا ہو گئے اور نبی بے ہوش ہو گیا

تو اب اس کا درمیانہ راستہ یہی ہے کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ جہاں جہاں بھی اللہ کے بارے میں ایسی آیات و روایات ہیں ان میں اس کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ اس نے اپنے مقامِ مظہریت کی نشان دہی فرمائی ہے ان سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا کوئی مظہر ذات وصفات انسانی قوت برداشت کے عین مطابق لباس بشری میں ظہور فرمائے گا اور اللہ کے منبر عدل وقسط پر بصد جاہ وجلال رونق افروز ہو گا اور اللہ جل جلالہ کے ☆وَلَـكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ......

والے جملہ اختیارات کو استعمال فرمائے گا اور اس کا اظہار فرمائے گا کہ پہلے بھی ہم جو چاہتے تھے کرتے رہے ہیں اور اب بھی جو چاہیں گے کر کے دکھائیں گے فرق صرف اتنا ہے کہ ازل سے ہم جو کرتے رہے ہیں وہ غائبانہ تھا اب اس کا اس طرح مظاہرہ فرمائیں گے کہ ساری کائنات دیکھے گی کہ اس کا مظہر نہیں اللہ خود جلوہ آرا ہے، اپنے اس مظہر ذات کی آمد کی اللہ عزوجل نے اس طرح منظر کشی کی ہے کہ

☆وَجَاء رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفّاً صَفّاً
کہ جب تمہارا رب آئے گا تو اس کے ساتھ فرشتوں کا بھی اس طرح نزول ہوگا کہ وہ صف در صف قطار اندر قطار نازل ہوں گے
اس کے بعد وہ اس طرح عرش اِلٰہی کو زینت بخشے گا کہ
☆ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ ...... کی جیتی جاگتی تصویر و تفسیر کائنات کے سامنے آجائے گی اور اس کے بعد ملکوت و کروبیاں اور قدسیان کے ساتھ مومنین ومنتظرین و خواص واوّلین وآخرین سے بیعت لینے کا سلسلہ شروع ہوگا، آج تک تو بیعت کے لینے کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جو بیعت لیتا ہے اس کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے جو بیعت کرتا ہے اس کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے مگر اللہ جل جلالہ کے اس مظہر ذات کا طریقہ اس کے بالکل بر عکس ہوگا وہ ذات اپنا یداللہ صفات دست مبارک اوپر رکھ کر بیعت لیں گے اور جب کائنات بیعت کر رہی ہوگی تو اس وقت آفاق میں ایک آیت گونج رہی ہوگی کہ☆ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ گویا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے اور لوگ اس نمائندے کی اس مظہر کی بیعت نہیں کر رہے بلکہ اللہ کی بیعت کر رہے ہیں
ایک وضاحت کر دوں کہ عرش تخت کو کہتے ہیں تخت کیلئے عربی میں دو لفظ عام طور پر استعمال ہوتے ہیں ایک عرش اور دوسرا سریر ان میں فرق یہ ہے کہ جس تخت کے اوپر چھت بھی ہو یعنی مسقّف ہو تو اسے عرش کہتے ہیں اور جس کی چھت نہ ہو اسے سریر کہتے ہیں بعض لوگوں کو عرش کے لفظ پر شاید جھٹکا لگا ہو انہیں سورۂ یوسف علیہ السلام میں دیکھ لینا چاہیئے
☆وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ ...... تو یہاں جناب یوسف علیہ السلام کے والدین کا عرش

پر بلند ہونا معراج کے معنی میں نہیں ہے بلکہ جناب یوسف علیہ السلام کا انہیں تخت پر بٹھانا مراد ہے یعنی عرش تخت شاہی کو کہا جاتا ہے

جس دور میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف قیام حکومت فرمائیں گے وہ زمانہ اوّلین و آخرین کی امنگوں کے عین مطابق ہوگا دنیا امن و آشتی کا گہوارہ ہوگی انسانیت کو درپیش جتنے مسائل ہیں سارے حل ہو جائیں گے وہ زمانہ سنہری زندگی یا گولڈن ایج (Golden Age) کا آئیڈیل (ideal) دور ہوگا اور انسان کا رابطہ پھر اپنے خالق سے ہو جائے گا

احادیث میں ہے کہ اس دور میں جو مومن جہاں سے اور جس وقت اور جس جگہ سے جب چاہے گا اللہ کے مظہر ذات کے رخ انور کی زیارت سے مشرف ہو سکے گا اور جس سمت میں بھی اس کا رخ ہوگا اسے رخ تک نہ بدلنا پڑے گا اور جونہی وہ اپنے مالک حقیقی اپنے شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت کا ارادہ کرے گا اسی سمت میں وہ ان کی زیارت سے مشرف ہو سکے گا اور جونہی مومن زیارت کا ارادہ کرے گا آواز آئے گی

☆فَأَيۡنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجۡهُ ٱللَّهِ

کہ چاہے جدھر رخ کر لے ہر طرف اللہ کا چہرہ موجود ہے تو زیارت کر لے اب کوئی مانع نہیں رہا، جب اللہ کے مظہر ذات وصفات قیام حکومت فرمائیں گے تو قیام عدل ہوگا اور عاشقانِ دل سوختہ کیلئے علاجِ دردِ ہجراں ہوگا اور ظالمین کیلئے مرحلہ قیامت ہوگا اس وقت وہ عرش اِلٰہی کو زینت بخشیں گے تو مومنین سجدہ عشق میں جبینیں جھکا دیں گے

جو جبینیں مدت سے سجدۂ خالق کیلئے بیقرار ہوں گی وہ اپنی حسرتیں پوری کریں گی مگر دنیا کا یہ دستور ہے کہ اپنے مطلب کیلئے وہ کسی کے آگے بھی جھکنے کیلئے تیار رہتی ہے اسی طرح جب اللہ کے مظہر ذات کو عرش الٰہی پر بصد جاہ وجلال متمکن دیکھے گی تو پھر اپنے پرائے کی کوئی پہچان نہ رہ جائے گی جو کل تک اس شہنشاہ اعظم عجل اللہ فرجہ الشریف کا نام تک سننا گوارہ نہ کرتے تھے ان کے احترام اور تعظیم پر فتوے دیا کرتے تھے اور ان کے سامنے جھکنے کو بدعت کہتے تھے اس وقت وہ بھی اپنی جبینیں ان کی نعلین کے سامنے جھکانے کی کوششیں کریں گے مگر ہوگا یہ کہ وہ لاکھ کوشش کریں گے مگر وہ وہاں سجدہ نہ کرسکیں گے ان کی پشتیں لوہے کے تختے کی طرح اکڑ جائیں گی، بس اسی سنہری لمحے کو خالق کائنات نے اپنے پیرائے میں اس طرح بیان فرمایا ہے

☆يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

جس دن ساق اللہ کو پردے سے باہر لایا جائے گا اور سجود کیلئے بلایا جائے گا تو وہ سجدے کے منکرین سجدہ نہ کرسکیں گے

عربی میں ساق کے کئی معنی ہیں ان میں سے ایک پنڈلی بھی ہے مگر یہاں پنڈلی مراد نہیں بلکہ مقام مظہریت کی طرف اشارہ ہے کہ جو وجہ اللہ ہے، عین اللہ ہے، اذن اللہ ہے، جنب اللہ ہے، وہی ساق اللہ ہے...... لفظ ''یکشف'' اسم مضارع مجہول ہے جس کے معنی ہیں ''کھولا جاتا ہے'' یا ''کھولا جائے گا'' یہ لفظ ہمیشہ غیب سے ظہور کے معنی میں آتا ہے

اور یہاں غیب کے بعد ظہور کو لفظ ''یکشف'' میں مضمر کر دیا گیا ہے

اس سے یہی ایک مراد ہوسکتی ہے کہ جب اللہ کے آخری مظہر ذات کی آمد ہوگی یعنی

وہ پردۂ غیبت سے باہر تشریف لائیں گے تو کائنات کو ان کی اطاعت مطلقہ کا حکم ہوگا، ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی، ان کی محبت اللہ کی محبت ہوگی، ان کے ساتھ رکھا جانے والا ہر رویّہ گویا اللہ کے ساتھ کیا ہوا برتاؤ شمار ہوگا، انہی کی حکومت اللہ کی حکومت ہوگی اور انہی کا دور اقتدار ملک اللہ ہوگا اور اس دن اللہ کی عبادت بلا خوف وخطر ہوگی، پوری دنیا پر ایک ہی دین ہوگا

اس لئے ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی عبادات میں شہنشاہ معظم امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کی آمد کی دعا ضرور کرے اور ان کی حکومت کیلئے خود کو تیار کرے اور ان کی اطاعت اور نصرت کیلئے خود کو مہیا کرے کیونکہ ان کی نصرت ہی اللہ کی نصرت ہے

ان کی عظمت کا اندازہ اسی بات سے کرلیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و رسل علیہم السلام دنیا میں آئے اور ان کے جانے کے بعد اللہ نے قیامت کو واقع نہیں فرمایا مگر ان کی حکومت کے بعد قیامت واقع ہو جائے گی اور ان کی حکومت یوم عدل و یوم الدّین سے متصل ہو جائے گی ان کے بعد کسی کو حکومت نہ ملے گی صرف خالق کی حکومت ہو گی جو ان کے دور سے شروع ہو کر یوم جزا تک متصل ہوگی اور ابدالاباد تک رہے گی اس لئے دعا کریں کہ خالق ہمیں ان کی ابدی حکومت جلدی دکھائے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہِ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

مقامِ مظہریت

خطبہ دوم

اے صرافانِ کبریت عرفان!

ہم کئی طرح سے اس سمجھ نہ آنے والی ذات کو سمجھنے کی حتیٰ المقدور کوشش کر رہے ہیں مگر ہو یہ رہا ہے کہ ہم اسے تو نہیں سمجھ پا رہے ہاں اس کے مقام مظہریت کے کئی پہلو ہمارے سامنے اجاگر ہو رہے ہیں اب ہم اس کی پھر ایک مرتبہ کوشش کرتے ہیں کہ ہم اپنے خالق کو سمجھ سکیں، ذات واجب الوجود نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ ''میں ایک مخفی خزانہ تھا اور میں نے یہ پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے فوراً خلق کو تخلیق فرمایا''

اس حدیث قدسی سے ثابت ہے کہ انسان کی تخلیق کی وجہ عرفانِ اِلٰہی ہے اس پر مرزا غالب نے بھی کیا خوب کہا ہے کہ......ع

ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

یعنی حسن اوّل کو اگر شوق خود بینی نہ ہوتا تو مخلوق کی تخلیق ہی نہ ہوتی اور مخلوق کو خلق ہی اس لئے فرمایا گیا کہ اس کو پہچانا جائے اس کی ذات کا عرفان حاصل کیا جائے

یہ بھی ایک مسلّمہ ہے کہ عرفان کا حصول ذرائع کے بغیر محال ہوتا ہے مثلاً میں ایک

دور دراز علاقے میں جاتا ہوں، وہاں کے لوگ جدید دور کی ایجادات کو بالکل نہیں جانتے اور میں وہاں جا کر کمپیوٹر (Computer) کا ذکر کرتا ہوں کہ یہ ایک بہت ہی عجیب چیز ہے اور بڑے عجیب کام کرتا ہے اور ان کو کمپیوٹر (Computer) سے متعارف کروانا چاہتا ہوں لیکن میں وہاں جتنی جامع تقاریر کیوں نہ کروں کمپیوٹر (Computer) کے تعارف کیلئے ناکافی ہوں گی اب میرے سامنے دو ہی صورتیں ہیں کہ جن کے ذریعے تعارف کروانا ممکن نظر آتا ہے پہلی صورت تو یہ ہے کہ میں انہیں وہاں کمپیوٹر (Computer) منگوا کر دکھا دوں، دوسری صورت یہ ہے کہ میں اس کی خصوصیات کی حامل ایک چیز بنا کر انہیں دکھاؤں جس سے وہ اسے سمجھ اور پہچان سکیں اس کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ ہے ہی نہیں

جب ایک انسانی ایجاد ان دو طریقوں کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتی تو کائنات کا خالق کس طرح سمجھ میں آ سکتا ہے؟ اسی لئے ماننا پڑے گا کہ خالق کائنات جسے بھی اپنا تعارف کروانے کیلئے بھیجے گا اس کے پاس بھی ان دو ذرائع کے علاوہ کوئی آپشن (Option) نہیں ہوگا کوئی تیسرا راستہ نہیں ہوگا

جب ہم خالق کے تعارّف پر غور کرتے ہیں تو ہمیں پہلا طریقہ محال نظر آتا ہے کیونکہ اگر مخلوق خالق کے نمائندہ سے یہ کہے کہ خالق ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا بہتر یہ ہوگا کہ آپ خالق ہی کو بلا کر ہمیں دکھا دیں تاکہ ہم اسے اچھی طرح پہچان لیں یہ تقاضہ ہوتا بھی رہا ہے تو اللہ کے نمائندے کا یہی جواب ہوگا کہ وہ نظر نہیں آ سکتا جب ہم اشیائے عالم پر غور کرتے ہیں تو نظر نہ آنے کی ہمیشہ تقریباً چار وجوہات ہوتی ہیں

1 ...... ہر وہ چیز جو بہت زیادہ وسعت کی حامل ہوگی اسے دیکھا نہیں جا سکتا جیسے یہ

کائنات ہے جس کی وسعت کا اندازہ نہیں ہو رہا اور لاکھوں دوربینوں کی ایجاد کے باوجود اسے کما حقہٗ نہیں دیکھا جا سکا اور اس کے مشاہدے میں اس کی وسعت دیوار بن کر کھڑی ہوئی ہے اور خالق کی وسعت کا اندازہ کرنا محال ہے جو ''وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ'' کی مصداق ذات ہے اس کا مشاہدہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

2...... اگر کوئی چیز بہت زیادہ لطیف ہو تو اس کا مشاہدہ محال ہوتا ہے جیسا کہ ہوا ہے ارواح و گیسیں (Gases) ہیں ویوز (Waves) اور ریز (Rays) ہیں یہ اتنی لطیف و شفاف ہوتی ہیں کہ ان کا مشاہدہ ممکن نہیں ہوتا، یہ چیزیں پھر بھی کچھ آلات سے نظر آ سکتی ہیں مگر وہ خالق کائنات جو ''اَ تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ'' کا مصداق ہو اس کا مشاہدہ کیسے ممکن ہے؟

3...... اور جو چیز مقام کمال قُرب پر واقع ہو اس کا مشاہدہ بھی محال ہوتا ہے مثلاً آنکھ کی پتلی آنکھ کے از حد قریب ہوتی ہے اس لئے اس کا مشاہدہ محال ہوتا ہے آئینے میں اس کا عکس تو دیکھا جا سکتا ہے مگر آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی؟ یہ سارے جہاں کو دیکھنے والی خود کو دیکھنے سے عاجز ہے اس کی واحد وجہ کمال قُرب ہے، انسان اپنی روح کو دو وجوہات کی بنا پر نہیں دیکھ سکتا ایک وجہ لطافت ہے اور دوسری وجہ کمال قُرب ہے

خالق کائنات کی ذات ہے تو وہ ''وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ'' کی مصداق ہے

اس کا مشاہدہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کیونکہ وہ قریب نہیں اقرب ہے

4...... چوتھی وجہ یہ ہے کہ واجدات یعنی مخلوق کو جو وجدان و ادراک کے ذرائع عطا ہوئے ہیں یہ ذرائع ناقص ہیں، مشاہدے کے ذرائع حواس خمسہ و عشرہ باطنیہ ہیں تو

ان سب کی ایک حد ہے مثلاً آنکھ ہے ایک خاص فاصلے تک دیکھ سکتی ہے، آلات سے لاکھ فاصلہ بڑھا لیا جائے پھر بھی ایک حد ہی ہوگی اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ یہ کسی معمولی سی چیز کے حائل ہونے پر بھی نہیں دیکھ سکتی، اس میں یہ بھی نقص ہے کہ اگر روشنی کسی خاص رنگ کی ہو یا آنکھ کے سامنے کسی رنگ کے لینز (Lens) شیشے لگے ہوں تو یہ اشیا کو اسی رنگ میں دیکھتی ہے

اسی طرح کان ناک اور دیگر اعضا مدرکہ کی ایک حد ہے ان کے بھی یہی نقائص ہیں جو آنکھ کے ہیں اور یہ محدود ہیں، اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ لامحدود کسی محدود میں نہیں سما سکتا اور جو ذات ''وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطاً'' کی مصداق ذات ہو اس کا احاطہ حواس ناقصہ کس طرح کر سکتے ہیں؟ اس کی ایک حسی مثال بھی دیتا چلوں

ایک شخص اپنے بچے کو پہاڑ دکھانے لے گیا جب اس کے بچے نے ایک چٹان کو دیکھا تو اس نے باپ سے پوچھا ''اس چٹان کا وزن کتنا ہوگا؟'' اس نے جواب دیا میں نے پیمائش کی ہوئی ہے اور حساب کر کے دیکھا ہے اس کا وزن دس ٹن ہے

بچہ کہتا ہے میں نہیں مانتا بلکہ یہ چٹان میرے سر پر رکھو اور میں جب تک اس طرح خود اٹھا کر اندازہ نہ کر لوں گا اس بات کو نہیں مانوں گا

اب کوئی عقلمند باپ اپنے بچے کے سر پر وہ چٹان رکھنا پسند کرے گا تاکہ وہ اپنے حساب کی درستی ثابت کر سکے؟ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ بچہ نادان ہے اور یہ بھی نہیں جانتا کہ چٹان کو سر پر رکھوانے کا انجام کیا ہے؟ اس بچے کے اس تقاضے کی دو وجوہات ہیں ایک تو شعور ناقص ہے دوسری وجہ اپنی استعداد سے لاعلمی ہے وہ نہیں

جانتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا، بالکل اسی طرح بعض امتوں نے تقاضہ کیا تھا کہ ہمیں اللہ دکھایا جائے تب ہم اس پر ایمان لائیں گے انہیں بھی انجام کا علم نہ تھا مگر اللہ کے نمائندے تو جانتے تھے اس لئے ہر بار انہیں ٹالا گیا

میں نے کہا تھا کہ تعارف کے دو راستے ہوتے ہیں مگر اس بات سے یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ اللہ کے نمائندوں کے سامنے دو نہیں صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ تھا کہ اصل کو لانا ناممکن ہے تو اس کی ایک مثل بنا کر دکھا دی جائے کیونکہ اپنے تعارف کی خواہش اس ذات علیم و حکیم نے خود فرمائی تھی اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کی مثل اگر انسان خود بنائے گا تو غلطی کرے گا جیسی غلطی بت پرستوں نے بت بنا کر کی تھی لہٰذا اس مسئلے کا بہترین حل اسی میں نظر آیا کہ جسے تعارف کروانے کی ذمہ داری سونپی جائے خود اسی ہی کو اپنی ''مثل الاعلیٰ'' بنا دیا جائے تا کہ انسان خود کوئی مثل الاعلیٰ بنا کر مشرک قرار نہ پائے

اسی بات کی خالق نے خود وضاحت بھی فرمائی اور کلام مقدّس میں ارشاد فرمایا

☆ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ...... (النحل آیہ 60)

☆ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ...... (الروم آیہ 27)

ان دو آیات میں اللہ جل جلالہ کے امثال اعلیٰ کے وجود کا اثبات ہوتا ہے یعنی وجود کی طرف اشارہ ہے اور ساتھ فرمایا گیا ہے کہ یہ امثال کا بنانا اس کی زبردست حکمت کا عین تقاضہ تھا اور یہ بھی ہے کہ ''فعل الحکیم لایخلوا عن الحکمت'' یعنی حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور جو مثل الاعلیٰ ہوتا ہے وہی مقام مظہریت

پر فائز ہوتا ہے مظہر الٰہی کا اللہ کی جملہ صفات کا حامل ہونا بھی تعارف کیلئے ضروری ہے کیونکہ اگر نمائندۂ توحید اس کا تعارف کروائے اور تعارف میں ناکام ہوجائے تو یہ نمائندے کی توہین نہیں بلکہ اس کے بھیجنے والے کی توہین ہے کہ اس نے ایسا نمائندہ بھیجا ہے کہ جو اس کا تعارف ہی نہیں کروا سکتا جبکہ بھیجا ہی تعارف کیلئے گیا تھا میں بات کو سمجھانے کیلئے اکثر منبر پر ایک واقعہ دہراتا رہتا ہوں پھر اسی کا اعادہ کروں گا کہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ایک دن منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، سامعین میں ایک دہریہ بھی موجود تھا

جب آنجنابؑ نے اثبات توحید پر کلام فرمایا تو اس دہریے نے کھڑے ہوکر عرض کیا

☆ ''صفتنا الهك يا امير المومنين عليك الصلواة و السلام''

آقا ہمیں اپنے اللہ کا تعارف تو کروا دیں تو آنجنابؑ نے سورۂ حشر کی آخری آیت تلاوت فرمائی کہ

☆ ''هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِءُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنىٰ''

اللہ خالق ہے باری ہے اور مصور ہے یہ اس کے اسماء حسنیٰ ہیں تو اس نے فوراً سوال کیا ☆ ''دُلنی علیٰ خالقه'' آقا بات یونہی نہیں بنے گی آپ اس کے خالق ہونے کی دلیل اور ثبوت دیں کہ وہ خالق ہے تو کس طرح ہے؟

فرمایا وہ اس طرح خالق ہے جس طرح میں خالق ہوں؟ اس نے فوراً عرض کیا آقا ''من الفرق بينك وبين اِلهك ؟ پھر آپ کے اور آپ کے خالق کے مابین کیا فرق ہے؟ وہ بھی خالق اور آپ بھی خالق ہیں؟ تو جواب فرمایا اس میں اور مجھ میں یہی فرق ہے کہ اس نے اگر خلق فرمائے ہیں تو مجھ جیسے خلق فرمائے ہیں اور اگر میں

www.khrooj.com

نے خلق فرمائے ہیں تو تجھ جیسے خلق فرمائے ہیں؟

جو نمائندہ بھی ذاتِ واجب الوجود کے تعارف کیلئے مخلوق میں آتا ہے وہ تعارف کی جملہ ضروریات سے لیس ہو کر آتا ہے کیونکہ اس کے پاس تعارف کا صرف ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ جو شخص کسی صفت اِلٰہی کا ادراک نہ کر سکے اسے اس صفت کا مظاہرہ کر کے دکھا دیا جائے؟ اگر کوئی سوال کرے کہ اللہ کے اختیارات کتنے ہیں تو وہ بتا دے کہ میرے جتنے ہیں، فرق یہ ہے کہ میں اس کا نمائندہ ہوں میرا اصل وہ غیب مطلق ہے؟

ویسے تو کائنات کی ہر چیز اسمائے صفاتِ اِلٰہی میں سے کسی نہ کسی اسم کی مظہر ہوتی ہی ہے مگر کسی چیز میں اجتماع صفات نہیں ہوتا، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و رسل علیہم الصلوات والسلام مبعوث ہوئے ان میں جزوی طور پر یا یوں سمجھیں محدود سا اجتماع صفات تھا اور جتنی زیادہ صفاتِ اِلٰہی کا جامع تھا اتنا افضل و اشرف تھا کیونکہ وہ اللہ کی زیادہ سے زیادہ صفات کا مظہر تھا، سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل جلالہ کی صرف صفات کے مظہر نہ تھے بلکہ صفات کے ساتھ ساتھ اللہ جل جلالہ کی ذات کے بھی مظہر تھے؟

اور باقی معصومین علیہم الصلوات والسلام ان کے نورِ ذات کا حصہ ہونے کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کے مظاہر ذات و صفات ہیں؟ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے

☆ظر الله فی الانبیاء صفاتا و ظر فی المحمدؐ و آله ذاتا و صفاتا

اسی وجہ سے یہ نور اللہ سے بلا واسطہ مربوط ہے اور یہی صادر اوّل ہے اور ساری خلق کیلئے فیض اِلٰہی کا واسطہ اور وسیلہ ہے اور یہی نور اللہ کی ذات کے کمال قُرب کا حامل بھی ہے اور اس سے زیادہ کوئی اس کے قریب نہیں ہے؟

www.khrooj.com

ایک بات عرض کرتا چلوں کہ اس راز کو بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تو مخلوق کے قریب ہے ہی مگر اللہ کے قریب اس نور کے علاوہ کوئی چیز کمال قُرب کی حامل نہیں ہے؟ اور کمال قُرب کا نام تقربِ ذات ہے، اب ایک سطحی سوچ رکھنے والا شخص یہ سن کر سوچ میں پڑ سکتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تو ساری مخلوق کے قریب ہے اور اللہ کے قریب ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے علاوہ کوئی نہیں؟

کیونکہ جب دو چیزیں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں تو ان میں سے کوئی بعید نہیں ہوتی۔ اس طرح جب اللہ مخلوق کے قریب ہے تو مخلوق بھی لازم ہے کہ اس کے قریب ہی قرار پائے گی اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اللہ کے دائراتی نظام کو دیکھیں تو جواب مل جاتا ہے

آپ ایک دائرے کا جائزہ لیں گے تو دیکھیں گے کہ اس کا نقطۂ انتہا اس کے نقطۂ آغاز کے انتہائی قریب ہوتا ہے مگر وہی نقطۂ انتہا نقطۂ آغاز سے بعید تر ہی مانا جاتا ہے؟

آپ دیکھیں گے کہ نقطۂ انتہا نقطۂ آغاز کے قریب تر ہوتا ہے مگر نقطۂ آغاز نقطۂ انتہا کے قریب نہیں ہوتا؟

آپ ایک پرکار سے دائرہ بنا کر اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو سمجھ لیں گے اور یہ بات ذہن میں آئے گی کہ اللہ جل جلالہ تو ساری مخلوق کے قریب ترین ہے اور ساری مخلوق اس سے بعید ترین مقام پر واقع ہے اور اس کے مقامِ کمالِ قُرب پر پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے علاوہ کوئی فائز نہیں ہے

اسی کمال قُرب کی وجہ سے یہ ہر وہ کام کر سکتے ہیں کہ جو اللہ جل جلالہ کر سکتا ہے اور

ان کے جملہ افعال دراصل اس ذات کے کمالِ قُرب کی وجہ سے ہوتے ہیں، عرفا نے خوب کہا ہے کہ توحید ذاتی سے مخاطب ہونا محال ہے اور جس کو ہم مخاطب کرتے ہیں وہ توحید نہیں ہے بلکہ ہم ہی اسے اپنے سامنے فرض کر لیتے ہیں اور اس کی عبادت اور اسے خطاب کرتے ہیں حالانکہ یہ علمائے عرفان کا مسلّمہ ہے جو احادیث ہی سے مستخرج ہے

☆کلما صورتموہ باوھامکم فھو مخلوق لکم مردود الیکم

جو کچھ تم خدا کیلئے بناتے ہو یا جو تصور تمہارے ذہنوں میں اللہ کا آتا ہے وہ خود تمہاری ہی مخلوق ہے اور وہ مردود ہے، جملہ عرفا کا یہی کہنا ہے کہ انسان بلا واسطہ و وسیلہ اللہ سے مخاطب نہیں ہوسکتا جیسا کہ آیۃً اللہ شہید مصطفیٰ خمینیؒ فرماتے ہیں توحید ذاتی سے انسان کا یا مخلوق کا مخاطب ہونا محال ہے اور توحید صفاتی اور افعالی وغیرہ ایک بیت بلا ساکن ہے یعنی ایک ایسے گھر کی طرح ہے جس میں کوئی موجود ہی نہ ہو لہٰذا دونوں صورتوں میں اللہ سے رابطہ محال ہو جاتا ہے اس لئے انسان کیلئے اس کا وسیلہ تلاش کرنا لازم و واجب ہے ورنہ اس کا رابطہ خالق سے ہونا محال ہے اور اس طرح وسیلے کا وجود ما بین خلق و خالق واجب ہو جاتا ہے یہ اللہ پر بھی واجب ہو جاتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی کو وسیلہ ضرور بنائے اور وہ وسیلہ اس کا نور اوّل یعنی حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی ہو نہیں سکتا

جس طرح ابتدا میں مخلوق کی تخلیق کیلئے وسیلے کی ضرورت ہے اسی طرح اس مخلوق کے حساب و عدل کیلئے بھی ایک وسیلے کی ضرورت ہے جو منبر عدل پر اللہ جل جلالہ کا قائم مقام بن کر جلوہ آرا ہو، ازل میں ارواحِ بنی آدم سے اقرار لینے کیلئے بھی ایک قائم

مقام کی ضرورت پیش آئی تھی اب پھر اسی مخلوق کے آڈٹ (Audit) کا دن آنا ہے اور منبر عدل آراستہ ہونا ہے اس پر بھی کسی ذات کو جلوہ آرا کرنا پڑے گا

اسی ضرورت کے پیش نظر اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور اوّل کے ایک فرد کو اپنے خزانۂ قدرت میں مذخور فرمایا ہوا ہے جب عدل کا وقت آئے گا تو ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اللہ کے منبر عدل کو زینت بخشیں گے اور ساری مخلوق کا حساب لیں گے اور اس روز سرور انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان پورا ہوگا ''بنا فتح الله و بنا یختم''

کہ اللہ نے تخلیق کا آغاز بھی ہم سے فرمایا ہے اور عالمین کا اختتام بھی ہمارے ہی ذریعے ہوگا دعا کریں وہ روز سعید جلدی آئے جب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جگر منبر عدل اور تخت اقتدار کو زینت بخشیں اور ساری دنیا کی حکومت آپ کے زیر قدم ہو اور پوری دنیا میں صرف ایک ہی دین ہو، تب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد بعثت پورا ہوگا اللہ کرے وہ دن جلدی آئے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشريف
وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلٰى آلِہٖ اَجمَعِين

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

مقامِ نفسیت

اے بلبلانِ گلشن معارف !

کئی دن سے آپ کے سامنے کلام اِلٰہی کے ایک نو وارد مسافر کے مسائل پر بات ہو رہی ہے کیونکہ جب ایک طالب علم پہلی دفعہ کلام اِلٰہی کو دیکھتا ہے تو اس کے سامنے اللہ جل جلالہ کے بارے میں ایسی صفاتیہ آیات آ جاتی ہیں کہ اسے ایک لمحے کو ایسا لگتا ہے جیسے یہ بات اللہ کی نہیں ہے بلکہ کسی عام انسان کی ہو رہی ہے

جب وہ ایسی آیات کو دیکھتا ہے تو نہ ہی ان سے انکار کر سکتا ہے اور نہ ہی انہیں درست مان سکتا ہے اور نہ اس کی تاویل کرنے کی اس میں اہلیت ہوتی ہے تو پھر اس کیلئے سوائے پریشانی کے اور کچھ بھی نہیں رہتا

میں اس نو واردِ شہر قرآن کیلئے کچھ گائیڈ لائینز (Guide Lines) دے رہا ہوں تاکہ وہ پریشان نہ ہو اور جو علمائے کرام ہیں وہ تو ساری باتوں کو سمجھتے ہیں وہ تاویل وتفسیر کی سیر کر چکے ہوتے ہیں اور کتب کلامیہ و بیانیہ وفلسفیہ کی صحرا پیمائی کر چکے ہوتے ہیں انہوں نے اِلٰہیات کے دشت خارزار کو بھی عبور کیا ہوا ہوتا ہے اس لئے انہیں تو کسی سمجھانے بجھانے کی ضرورت نہیں ہے مگر طلبا کیلئے راہیں متعین کرنے کی

www.khrooj.com

ضرورت سمجھتے ہوئے کچھ عرض کر رہا ہوں

میں نے کل عرض کیا تھا کہ کلامِ الٰہی کی آیات کی دس اقسام ہیں ان میں سے تین اقسام پر قدرے روشنی ڈال چکا ہوں اب ایک منزل اور آگے بڑھتے ہیں تعارفی آیات کی جو چوتھی قسم ہے وہ ایک اور پہلو کی نشان دہی کرتی ہے یعنی انسان کی طرح اللہ کو بھی صاحب نفس ثابت کرتی ہے کیونکہ انسان بھی تین ارکان سے مرکن ہے یعنی بدن و نفس و روح سے مرکب ہے اس سے قبل ان آیات پر بات ہوئی ہے کہ جن سے اللہ جل جلالہ کے بدن و جسم کا اثبات ہوتا تھا مگر ان آیات کو دیکھ کر اللہ کے بدن و جسم کے ساتھ ساتھ اس کے نفس کا بھی اثبات ہوتا ہے یعنی وہ صاحب نفس بھی محسوس ہوتا ہے

جن آیات سے اللہ کے نفس کا اثبات ہوتا ہے انہیں آیات کیفیات کا نام دیا جاتا ہے میں پہلے وضاحت کر چکا ہوں کہ بدن کے متعلقات تو ہیں افعال و اقوال و حرکات و سکنات وغیرہ اسی طرح نفس کے افعال و متعلقات کو جذبات و کیفیات کا نام دیا جاتا ہے مثلاً ''خوشی'' ہے تو اس کا تعلق جسم سے نہیں بلکہ نفس سے ہے ''غم'' ہے ''نفرت'' ہے ''محبت'' ہے ''غضب'' ہے ''رضا'' ہے ''حیا'' ہے ''استہزا'' ہے ''مکر'' ہے ''کید'' ہے وغیرہ وغیرہ یہ ساری چیزیں نفس سے متعلق ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اصل اور مرکز تو ذات ہے ''انا'' ہے جسے اردو میں ''میں'' کہا جاتا ہے اب روح ہے تو یہ ''انا'' کیلئے آلۂ کار ہے یعنی ''انا'' انسان میں اسی روح کے ذریعے نفس پر تصرف رکھتی ہے گویا ''انا'' کیلئے روح ایک ہاتھ ہے جس سے یہ نفس کو پکڑ کر استعمال کرتی ہے پھر روح کیلئے نفس ایک ہاتھ ہے جس سے یہ بدن کو پکڑ کر

استعمال کرتی ہے پھر بدن کیلئے اعضا آلات ہیں کہ جن سے بدن دیگر آلات یعنی قلم، چاقو، بندوق، چمچہ وغیرہ کو استعمال کرتا ہے تو یہ پورا سلسلہ ہی ایسا ہے جیسے ایک لوہار ہے اس کے ہاتھ میں چمٹی ہے اس چمٹی میں ''چھینی'' ہے لوہار نے چمٹی کو پکڑ رکھا ہے چمٹی نے چھینی کو پکڑ رکھا ہے چھینی لوہے پر عمل کر رہی ہے تو اسی طرح سے ایک مقامِ آلیت ہے پھر مقامِ مظہریت ہے پھر مقامِ واحدیت ونفسیت ہے پھر مقامِ احدیت ہے پھر مقام ذات ہے اب امید ہے کچھ واضح ہو چکا ہوگا

یہ سلسلۂ عمل اس طرح ہے کہ اعضائے بدن جو کچھ دیکھتے سنتے یا پاتے ہیں وہ فیصلہ سنائے بغیر نفس کے سامنے پیش کر دیتے ہیں نفس اس سے کیفیات کو اخذ کر کے فیصلہ سناتا ہے اب کوئی چیز اچھی لگی تو خوشی طاری کر دیتا ہے، کوئی چیز بری لگے تو نفس پر نفرت طاری ہو جاتی ہے، کسی چیز کو قیمتی سمجھا اور وہ تلف ہوگئی تو غم طاری ہو جاتا ہے اور اچھی چیز میسر آ گئی تو رضا طاری ہوگئی، خلافِ شان کام دیکھا تو غضب وجلال طاری ہو گیا، ضرر رساں چیز دیکھی تو خوف طاری ہو گیا، کسی چیز کو اچھا سمجھا تو چاہت طاری ہوگئی اور اپنی ذات وشان سے پست درجے کے فعل کا صدور ہوا تو شرم وحیا طاری ہوگئی، کسی نے دھوکہ کیا ظاہر وباطن کو دو کر کے ظاہر کو دھوکے باز کے حق میں کر دیا اور باطن کو خلاف کر دیا تو نفس پر مکر طاری ہو گیا مگر جملہ کیفیات صرف اور صرف نفس پر مرتب ہوتی ہیں

اب آیات کی ایک طویل فہرست سامنے ہے کہ جس سے ذات احد وصمد پر کیفیات نفسی کا طاری ہونا ثابت ہوتا ہے اور اللہ جل شانہ مرکب بالنفس ثابت ہوتا ہے مثلاً بہت سے مقامات پر یہ الفاظ کلام مجید میں دہرائے گئے ہیں ☆إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

الْمُحْسِنِيْنَ ...... اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے کہیں ہے کہ☆ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ...... توبہ کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے

اسی طرح اللہ جل شانہ کے بارے میں بیسیوں مقامات پر ہے کہ وہ محبت کرتا ہے محبت کرتا ہے محبت کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ محبت تو ایک کیفیت نفسی ہے جو نفس پر طاری ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے نہ کہ جسم و روح و ذات پر اسی طرح ایک اور مقام پر ہے

☆ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ ...... کہ اللہ کی خوشنودی اور رضا سب سے بڑی ہے اس کا راضی ہونا بھی کئی مقامات پر آیا ہے تو اس آیت سے بھی ثابت ہے کہ اللہ حامل نفس ہے

☆أَفَأَمِنُواْ مَكْرَ اللّٰهِ فَلاَ يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ

کون اللہ کے مکر سے امان میں ہے بلکہ جو اللہ کے مکر سے غافل ہے یا خود کو امان میں بچا ہوا تصور کرتا ہے وہ تو خسارے والی قوم میں داخل ہے......تو مکر کا نفس ذاتِ اجل پر طاری ہونا اسے صاحب نفس ثابت کرتا ہے

☆اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ

تو اللہ بھی کفّار کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرتا ہے، بے وقوف بنا تا ہے، تو یہ بھی ایک کیفیت نفسی کا ردعمل ہے☆سخر الله منهم یعنی اللہ نے ان سے تمسخر کیا یہ تمسخر بھی کبھی کبھی بدنی ہوتا ہے یعنی چہرے کو اُلٹا سیدھا کر کے غصہ دلانا یا کبھی کلام کے لہجے کو بگاڑ کر اسی کی بات کو دہرانا اور کبھی نفسی ہوتا ہے کہ من میں بات کو چھپا کر اسے دھوکہ دینا کہ انجام پر خود کو ہنسی آئے اور دوسرے کو غصہ اور افسوس ہو...... اللہ پر تمسخر بھی

ثابت ہے چاہے اسے جس قسم کا تمسخر سمجھ لو مگر اس پر ثابت ہے ☆ یلعنهم الله ان پر اللہ نے لعنت کی تو لعنت اظہار نفرت ہے اور یہ اظہار کبھی باطنی و نفسی ہوتا ہے اور کبھی بدنی و جہری ہوتا ہے بہر حال جیسا بھی اظہارِ نفرت ہو، نفرت اس میں ضرور داخل ہو گی اور نفرت ایک کیفیت نفس ہے اگر اللہ پر نفرت کو طاری ہونا مان لیا جائے تو نفس کو ماننا ضروری ہوگا سیاہی کو تسلیم کریں گے تو سیاہ ماننا پڑے گا

☆ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِىٓ أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً

کسی چیز کی پستی مثال میں پیش کرنے سے اللہ پر حیا کو طاری نہیں کرتی یعنی اللہ کسی پست چیز کی مثال دیتے ہوئے حیا محسوس نہیں کرتا

اب حیا ایک کیفیت نفس ہے اگر حیا کا طاری ہونا تسلیم کر لیا جائے تو نفس اللہ ماننے میں کوئی چیز مانع نہیں رہتی اسی طرح دیکھتے جائیں کہ آیات کیفیات کی ایک طویل فہرست ہے، اسی طرح قرآن کریم میں کئی مقامات پر غضب اللہ کا ذکر ہے کہ اللہ عز و جل کی طرف غضب یعنی غصہ کو مضاف فرمایا گیا ہے حالانکہ غصہ بھی کیفیت نفس ہے لیکن یہاں علامہ نراقی مرحوم کی ایک تحقیق پیش کر دوں انہوں نے ''عروج السعادة'' میں وضاحت کی ہے کہ غضب و شہوت یہ دونوں چیزیں خاصۂ نفس حیوانی ہیں انسان بوجہ انسان غصہ نہیں کرتا بلکہ یہ انسان کے حیوانی جذبات ہیں کیونکہ انسان حیوانِ عاقل و ناطق ہے اور بحیثیت حیوان کے غصہ کرتا ہے

یہاں اللہ کی طرف اس کیفیت کا مضاف ہونا اس ذات صمد کے شایانِ شان نہیں پھر جب غضب اپنی آخری حد کو چھو لیتا ہے تو انتقام بھی لیتا ہے اور اللہ نے اپنے بارے میں یہ بھی تو فرما دیا ہے کہ ☆ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ کہ اللہ کو انتقام بھی لینا

www.khrooj.com

ہے تو یہ چیز ثابت کرتی ہے کہ اللہ صاحب نفس ہے اور مرکب بالنفس ہے ان آیات سے از روئے استنباط و استدلال و استنتاج اللہ کا مرکب بالنفس یعنی حامل نفس ہونے کا استخراج ہوتا ہے مگر کچھ آیات میں تو اللہ کے نفس کا واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے مثلاً

☆ تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَلَآ أَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِكَ

یعنی اے اللہ تو تو جانتا ہے کہ جو کچھ میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا کہ نفس اللہ میں کیا ہے سورہ آل عمران آیہ نمبر 28 میں ہے کہ ☆ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهُ کہ اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ اللہ حامل نفس ہے

اب تو آپ دیکھ چکے ہیں اس طویل بحث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا نفس بھی ہے اور اس میں قبولِ کیفیات کی صلاحیت و استعداد بھی ہے دوسری طرف آیات و احادیث واقوال متکلمین وفلاسفہ سے کتابیں لبریز ہیں کہ وہ مرکب نہیں ہے ☆ لیس کمثلہ شیءٍ کا مصداق ہے، اس میں جذب ہے، نہ کیف، نہ احساس ہے، نہ رمق، نہ اثر ہے، نہ کیفیت تو ان آیات کو ہم کیا سمجھیں؟

اس لئے ضروری ہے کہ درمیانہ راستہ تلاش کرنا چاہئے اور درمیانہ راستہ ناگزیر ہے کہ ان آیات کا مفہوم بھی قائم رہے اور وہ ذات اپنے مقام پر ان کیفیات سے ارفع واعلی بھی نظر آئے تو اس کا واحد حل یہی ہے کہ کچھ ذوات کو مقام احدیت و نفسیت پر فائز تصور کیا جائے کہ ان کے اور ذات احد کے مابین ایک ایسا ربط ہو کہ دوئی کی گنجائش نہ ہو

اور وہ ذوات ایسی ہوں کہ جن پر کیفیات کا طاری ہونا بھی قابل قبول ہو اور انہیں نفس اللہ کہا جاسکے بلکہ نفس اللہ کہا گیا ہو، اگر وہ کسی احسان کرنے والے سے یا نیکی

کرنے والے سے اعلانِ محبت کریں تو اللہ فرمادے کہ☆ وَ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ...... ال کہ اللہ جل جلالہ نیکی اور احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اگر وہ کسی سے راضی ہو جائیں تو اللہ کو فرمانا پڑے کہ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ أَکْبَرُ کہ اس نے ان ذوات کی رضا حاصل نہیں کی بلکہ اللہ کی بڑی رضا کا اسے حصول ہوا ہے جو چیز شایانِ شانِ وحدت نہ ہو اور اس کا صدور ہو جائے تو ان ذوات کی حیا کو اللہ کی طرف منسوب کیا جا سکے جیسے میدان خندق میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فرمایا کہ کون ہے اس عمر بن عبدود کتے کی زبان بند کرنے والا۔ تو اس نے عرض کیا کہ حضور آپ کی زبان مبارک سے ان الفاظ کی مجھے توقع نہ تھی بس یہ کہنا تھا کہ پیشانی مبین پر سرخیٔ شرم وحیا نمودار ہوئی اور سرخ پیشانی پر شبنم کی طرح حیا کا پسینہ چمکنے لگا گویا اللہ پر یہ ایک کیفیت طاری ہو رہی تھی گویا اللہ کے چہرے پر حیا کی سرخی دوڑ رہی تھی اب کسی پر یہ ذوات لعنت فرما دیں تو گویا اللہ لعنت کر رہا ہے

بس یہ ایک کلیہ ہے کہ جہاں جہاں اللہ کی کیفیات کا ذکر ہے یوں سمجھ لیں کہ اللہ کا نہیں ان پاک انوار علیہم الصلوات والسلام کا ذکر ہے کہ جن کا ذکر اللہ کا ذکر شمار ہوتا ہے، انہی کی محبت اللہ کی محبت ہے، ان کی نفرت اللہ کی نفرت ہے، انہی کا ذکر اللہ کا ذکر ہے

کتب میں ہزاروں واقعات ہیں کہ اگر کسی ملعون نے خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کے کسی بھی فرد کے سامنے گستاخی کی ہے تو اپنے دشمن کو انہوں نے کبھی اپنا دشمن قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا

☆قطع الله يدك يا عدو الله اللہ تمہارے ہاتھ قطع کرلے اے اللہ کے دشمن ثابت ہوا ان کا دشمن اللہ کا دشمن قرار پاتا ہے کیونکہ یہ ذوات جہاں مقام مظہریت پر

فائز ہیں وہاں مقام نفسیت پر بھی فائز ہیں ...... یہ تو ماننا پڑے گا کہ اللہ پر غضب کا طاری ہونا محال ہے یہی ذوات ہیں کہ جن پر غضب طاری ہوتو اللہ اس غضب کو غضب الٰہی قرار دیتا ہے۔ جب جنگ بدر میں امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام نے اعدائے خدا کو عذابِ قتل سے معذب فرمایا تو اللہ نے اعلان فرمایا

☆ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ ......(سورہ توبہ 14)

تو اللہ عذاب بھی انہی ذوات کے ہاتھوں سے کرتا ہے کیونکہ افعال کا صدور بدن سے ہوتا ہے کیفیات نفس پر طاری ہوتی ہیں مطمئن انا ہوتی ہے مثلاً ایک شخص نے خلافِ شان کچھ کہا، نفس کو یہ بات ناگوار گزری، اس پر کیفیت غضب طاری ہوئی، نوبت حساب پر پہنچی، اپنی سچائی اور اتمام حجت ہوا، نوبت انتقام وعدل پر پہنچی، بدن نے انتقامی کاروائی شروع کردی، سزا جاری ہے، نفس پر کیفیت غضب آہستہ آہستہ سرد پڑ رہی ہے، تشفی ''انا'' کی ہورہی ہے، جب بھی انا مطمئن ہوئی نفس نے غضب کی کیفیت بدل دی ہاتھ نے چلنا چھوڑ دیا

بس اسی طرح ''انا'' تو ایک سرالاسرار ہے اس کا کام ہے چاہنا ارادہ کرنا باقی کام تو آگے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ انائے کل یعنی اس ازلی اکائی نے فرمایا ہے کہ ان میں اور مجھ میں تفریق نہ کرو ☆ مَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ کہ یہ تو کچھ چاہتے ہی نہیں مگر میری ذات چاہتی ہے، ان کا اور ان کی انا کا رشتہ ہے یا ان کے مابین جو ایک تعلق ہے اسے خود ان کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر ان کا اور خالق کا ایک مقام نفسیت بھی ہے دیگر مقامات عالیہ کی طرح یہ مقامِ نفسیت بھی انہی پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کو حاصل ہے مقامِ نفسیت کے بعد مقامِ مظہریت ہے تو وہ بھی انہی کو حاصل ہے

مقامِ آلیت تو ان کے ماتحت ہے جیسے قلم ہاتھ کے ماتحت ہوتا ہے اور اس کے تصرف میں چلتا ہے اور مقامِ آلیت پر ملکوت فائز ہیں اور وہ کوئی کام نہیں کر سکتے جب تک یداللہ کی مکمل گرفت میں نہ ہوں

جناب جبریل علیہ السلام بھی ایک ملک ہیں بلکہ سید الملائکہ ہیں اور یہ بھی مقامِ آلیت پر فائز ہیں اور یہ بھی سارے لوگ جانتے ہیں کہ جملہ انبیا علیہم السلام کے پاس یہی وحی لاتے تھے

اب یہاں ایک قلندرانہ بات کرتا ہوں فتویٰ نہ لگا دینا میں عرض کرر ہا ہوں کہ جناب جبریل علیہ السلام کی جرأت نہیں کہ کسی نبی کو پیغام وحی دیں جب تک میرے مولا علیہ الصلوات والسلام کی یداللہی گرفت میں نہ ہوں اسی لئے تو امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا

☆انی بعثت النبیین و المرسلین

انبیا و رسل کو مبعوث بہ نبوت و رسالت ہم ہی نے کیا ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ ہم انہیں سمجھ ہی نہیں سکتے اور اس کے بارے میں انہوں نے خود بھی فرمایا ہے

☆انا الذی لا یقع علیه اسم ولا صفة ظاهری امامة و باطنی غیب لا یدرك

ہم ایک ایسی حقیقت ہیں جس پر نہ کسی صفت کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ کوئی نام اس پر جچتا ہے ہمارا ظاہر تو امامت ہے مگر ہمارا باطن ایسا غیب اِلٰہی ہے کہ جس کا کوئی ادراک نہیں کرسکتا، ہاں ایک زمانہ آئے گا جب ان کی ذات اپنے معارف کے خزائن کو مخلوق پر لٹائے گی یہ اس وقت ہوگا جب امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائیں گے تو مخلوق کا امتحان ہوگا اس کے بعد ساری رعایا کو بلا کر ان کے سروں پر اپنا

دست کرم رکھیں گے تو آنِ واحد میں سارے موجودگان معرفت اِلٰہی میں اور معرفت رسالت میں اور معرفت محمد و آل محمد علیہم الصلوات والسلام میں نقطۂ کمال پر پہنچ جائیں گے

دعا کریں وہ دن جلدی آئیں ہمارے شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف نظام عالمین کو ظاہراً اپنے ہاتھ میں لیں جس طرح ان کی شاہی آسمانوں پر ہے ان کا حکم آسمانوں پر نافذ ہے اسی طرح اس دنیا پر بھی نافذ ہو

﴿آمین یارب عالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٌ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمٌ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہِ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

مقامِ آلیت

اے جویندگانِ نکتہ ہائے عرفان!

ہم مقامات ذات پر مسلسل گفتگو کر رہے ہیں اب اس موضوع پر ہم ایک منزل اور آگے بڑھتے ہیں دیکھئے مقامِ مظہریت سے پست ہے مقامِ نسبیت اس سے پست ہے مقامِ آلیت اس لئے ہم یہاں اس مقامِ آلیت پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں

کیونکہ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں مسائل اور حقائق کی ڈوریوں کو الجھایا گیا ہے

مقام آلیت کیا ہے؟

تین ہزار سال میں جو دو سو فلاسفہ گزرے ہیں ان میں سے یونان کے صرف چھ فلاسفہ ہیں ان چھ میں سے ایک فلسفی ہیں مسٹر پروٹا غورث انہوں نے علم کو ایک اصول دیا اور کہا کہ ''ہر چیز کا پیمانہ انسان ہے''

میں بھی انہی کے اصول کے مطابق خود انسان ہی کو سامنے رکھ کر مثال کے ذریعے عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں

دیکھئے ایک تو انسان کی ذات ہے، ایک روح ہے، ایک نفس ہے، ایک بدن ہے، پھر بدن میں اعضا و جوارح یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ ہیں تو ان سبھی چیزوں میں اپنائیت

www.khrooj.com

ہے غیریت نام کو نہیں ہے، جو ذات چاہتی ہے روح وہی چاہتی ہے، جو روح چاہتی ہے نفس بھی اسی کا ارادہ کرتا ہے، جو نفس کی بات ہے بدن وہی کرتا ہے، جو بدن چاہتا ہے ہاتھ پاؤں وغیرہ وہی کرتے ہیں

مگر بعض کام انسان اعضا کی بجائے آلات سے کرتا ہے مثلاً لکھنے کا آلہ قلم ہے، کاٹنے کا آلہ چاقو یا چھری ہے، اسی طرح انسان کی زندگی آلات کے جم غفیر میں سانس لے رہی ہے لیکن آلات جزوِ ذات نہیں ہوتے انسان میں اور آلات میں نوعی فرق ہوتا ہے رضا وارادے میں فرق ہوتا ہے جنگ کا آلہ تلوار ہے لیکن ذرا سی غلطی پر خود انسان اسی کا شکار ہو جاتا ہے، آلات لاکھ بہتر ہوں اور ''مقامِ قبول'' کو پہنچ بھی جائیں مگر اعضا کی جگہ نہیں سنبھال سکتے

مثلاً انسان کے اپنے دانت ہوتے ہیں وہ گر جاتے ہیں تو انسان نقلی دانت لگوا لیتا ہے جب نقلی دانت فٹ ہو جاتے ہیں تو دو چار دن تو انسان کو نئے دانت ایسے لگتے ہیں کہ جیسے منہ میں لگام ڈال دی گئی ہو، اسی طرح انسان کی اصلی سماعت ہوتی ہے اگر وہ کمزور پڑ جائے تو آلۂ سماعت منگوا لیا جاتا ہے مگر یہ بھی اصل سماعت کا مقام نہیں سنبھال سکتا، اسی طرح آنکھیں ہیں جو اصلی ہیں وہ تو اصلی ہیں اگر کمزور ہو جائیں تو عینک لگا دی جاتی ہے مگر جس کی آنکھیں ہی نہ ہوں تو نظر کی عینک کیا کرے گی؟

آلات کو انسان تین وجوہات کی بنا پر استعمال کرتا ہے

(1)

بعض آلات کو انسان ضرورت کیلئے استعمال کرتا ہے جیسے بلند مکان پر چڑھنے کیلئے

سیڑھی استعمال کرتا ہے یا آگ کو اٹھانے کیلئے کسی بھی چیز کو استعمال کرتا ہے یا درخت وغیرہ کاٹنے کیلئے کوئی آلہ استعمال کرتا ہے

(2)

بعض آلات برائے افتخار استعمال کرتا ہے یعنی کھانے کیلئے سپون (Spoon) چمچہ استعمال کرتا ہے حالانکہ وہ ہاتھ سے بھی کھا سکتا تھا اور ساری دنیا کھا بھی رہی ہے مگر یہ اپنی امارت کے اظہار کیلئے سونے چاندی کے سپونز (Spoons) چمچے استعمال کرتا ہے

(3)

بعض آلات کو بوجہ کراہت استعمال کرتا ہے کیونکہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں ہاتھ لگانا انسان اپنے لئے باعث توہین یا باعث نجاست سمجھتا ہے یا اسے ہاتھ لگانا اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتا تو انہیں اٹھانے کیلئے بعض آلات استعمال کرتا ہے

بلاتشبیہ اسی طرح خالق کائنات نے بھی اپنے لئے مقام آلیت کو پسند فرمایا ہے کیونکہ آلے کا فعل بھی ذات سے منسوب ہوتا ہے

دیکھئے انسان کسی کو خط لکھتا ہے یہ اس کا ذاتی فعل یا کام ہے مگر لکھنے کے عمل کو وہ کئی طرح سے بیان کرتا ہے

بعض اوقات کہتا ہے ''یہ میں نے لکھا ہے''

بعض اوقات کہتا ہے ''یہ قلم نے لکھا ہے''

کبھی کہتا ہے ''یہ میں نے قلم کے ذریعے لکھا ہے''

کبھی کہتا ہے ''یہ میرے ہاتھ نے لکھا ہے''

www.khrooj.com

کبھی کہتا ہے ''یہ میرے ہاتھ نے قلم کے ذریعے لکھا ہے''

اب آپ بتائیں ان میں سے کون سی بات سچی ہے؟

اور یہ بھی سوچیں کہ ان میں سے کون سی بات سچی نہیں ہے؟

کیونکہ اپنے اپنے مقام پر یہ ساری باتیں سچی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی بات جھوٹ نہیں لکھنے کا آلہ تو قلم ہی ہے مگر کبھی لکھنے کو خود سے کبھی قلم کے ذریعے اور کبھی قلم سے منسوب کرنا ہمہ پہلو حقیقت ہے مگر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ لکھنا قلم کا کام ہے اب یہی لکھنے کا فعل ہاتھ سے بھی منسوب ہوسکتا ہے کیونکہ قلم تو ہاتھ کی مکمل گرفت میں ہوتا ہے اللہ نے کلام پاک میں موت کے بارے میں فرمایا کہ میں مارتا ہوں، پھر فرمایا میرے بھیجے ہوئے مارتے ہیں یعنی لفظ ''رسل'' ہے، پھر فرمایا ملک الموت مارتا ہے تو اسی سے سمجھ لیں کہ مارنے کا عمل ملک الموت ہی کرتا ہے کیونکہ ملکوت مقامِ آلیت پر فائز ہیں

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آلات بذات خود کچھ نہیں کر سکتے اور نہ ان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے بلکہ آلات ہمیشہ اعضا کی گرفت اور تصرف میں ہی چل سکتے ہیں اور چلتے ہیں ورنہ وہ نہیں چل سکتے، جو آلات پر متصرف ہوتا ہے اور انہیں استعمال کرتا ہے وہ بدن کا ایک عضو ہوتا ہے اور عضو و بدن کا ذات سے مظہر کا رشتہ ہوتا ہے اسی لئے فرمایا گیا تھا کہ میرے رسول مارتے ہیں کیونکہ مقام مظہریت پر رسل ہوتے ہیں نہ کہ آلات، جس طرح قلم ہاتھ کے تصرف اور گرفت میں ہوتا ہے اور اس کے بغیر نہیں چل سکتا اسی طرح اعضا بھی ذات کے مکمل تصرف میں ہوتے ہیں اس لئے صاحبانِ مقام مظہریت مَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ کے مصداق ہوتے ہیں

انہی مقاماتِ افعالی کو واضح کرنے کیلئے فرمایا کہ میں اللہ مارتا ہوں
اب مسئلہ تو حل ہو گیا کہ خاندانِ تطہیر علیہم الصلوات والسلام تو مظہر توحید ہیں اور عالم ملکوت مدبرات و آلاتِ توحید ہیں کیونکہ قادر مطلق خود افعال سے مباشر نہیں ہوتا اور افعال کا بلا واسطہ بجالانا اس کے شایانِ شان بھی نہیں اور اس کیلئے نقص بھی ہے اس لئے اس کے افعال اس کے مظاہر و آلات سے صادر ہوتے ہیں
یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمیشہ آلے کو استعمال ہاتھ ہی کرتا ہے یا اعضا ہی استعمال کرتے ہیں روح یا نفس یا ذات آلات کو بلا واسطہ کبھی مس نہیں کرتے، آپ جانتے ہیں کہ اسلام کے جملہ مسالک یہ مانتے ہیں کہ تقسیم رزق کا فریضہ جناب میقائیل ادا فرماتے ہیں مگر یہ واضح نہیں کیا جاتا کہ وہ کس حوالے سے رزق بانٹتے ہیں کیا بحیثیت مظہر یا بحیثیت آلہ؟
سچ تو یہ ہے کہ وہ بحیثیت آلہ رزق بانٹتے ہیں نہ کہ بحیثیت مظہر، تو اس طرح ماننا پڑے گا کہ جناب میقائیل کوئی رزق تقسیم کر نہیں سکتے جب تک یداللہ کی مکمل گرفت اور تصرف میں نہ ہوں کیونکہ وہ ایک آلہ ہیں اور مقام آلیت پر فائز ہیں اور آلہ مظہر کے تصرف اور گرفت کے بغیر چل ہی نہیں سکتا
اب دیکھیں کہ مارنے کا عمل کون کرتا ہے؟ یعنی موت کون دیتا ہے؟
اس کیلئے ابن الکوا کا امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام سے تناقض فی القرآن کے موضوع پر ایک مشہور مباحثہ ہے کہ اس نے کہا کلام الٰہی میں متضاد اور متناقض آیات موجود ہیں اسی موضوع پر اس نے یہ بات کی تھی کہ کہیں یہ لکھا ہے کہ اللہ مارتا ہے اور کہیں لکھا ہے کہ اللہ کے رسول مارتے ہیں، کہیں لکھا ہے کہ جناب عزرائیل مارتے ہیں تو یہ

بیان میں تضاد کیسا ہے؟

اس پر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے اس سے فرمایا تھا کہ مارنے کا عمل تو ملک الموت ہی کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے تصرف میں عمل کرتا ہے اس لئے اس کا فعل اللہ کا فعل ہے یعنی آلات کا فعل ان کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی ذات کی طرف ہوتا ہے اور ذات کے عمل کا وقوع مظاہر سے ہوتا ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ عزرائیل کسی کو مار نہیں سکتا جب تک یداللہ کے تصرف اور گرفت میں نہ ہو

اب ایک بات یہاں واضح کرنا باقی ہے کہ کیا مظاہر اس فعل کے ذمہ دار بھی ہوتے ہیں یا نہیں کیونکہ آلہ جو ہوتا ہے وہ فاعلِ مجبور ہوتا ہے اس لئے اسے اس کے افعال کا ذمہ دار نہیں کہا جا سکتا تو اسی طرح کیا مظہر بھی فاعلِ مجبور ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی ذات کے جرائم کی جزا اور سزا بلا واسطہ ذات کو نہیں دی جاتی اور نہ ہی دی جا سکتی ہے بلکہ جب چور کوئی چیز چوری کرتا ہے تو وہ چوری کا عمل ہاتھ سے کرتا ہے ذات خود آ کر چوری نہیں کرتی اسی لئے اس پر چوری کا جرم عائد کیا جاتا ہے اور اس پر حد شرعی نافذ کی جاتی ہے تو اس کے ہاتھ کو کاٹا جاتا ہے

اگر شریعت مقدّسہ اسے فاعل نہ مانتی تو چوری کے آلات کی طرح اس کے ہاتھ کو بھی سزا نہ دیتی اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھ کو شرع میں فاعل مختار مانا جاتا ہے

اور آلۂ موت جناب عزرائیل ہیں اور وہ مجبور ہیں کہ جب تک یداللہ کے ماتحت نہ چلیں کام کر نہیں سکتے یہ تو آلہ ہی ہیں جو بغیر عضو کے بیکار رہے، اس طرح سارا عالم ملکوت مظہر ذات کے ماتحت اور تصرف میں ہوتا ہے اور ان میں سے کوئی مَلک ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا جب تک وجہ اللہ کا ارادہ نہ ہو

اس دور میں ایسی باتیں عام لوگ کرتے نظر آتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام بوقت موت کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

انہیں یہ نہیں سوچنا چاہئے بلکہ اس پر غور کرنا چاہئے کہ اگر یہ نہ پہنچیں تو ملک الموت کسی کو کیسے مار سکتا ہے؟ کیونکہ ہاتھ کا قلم تک جانا۔ یہ سوچنے کے بجائے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک قلم نے ہاتھ کے بغیر کیسے لکھ لیا کیونکہ ہم یہ تو تصور ہی نہیں کر سکتے کہ کسی قلم نے کسی استعمال کرنے والے ہاتھ کے بغیر لکھا ہو کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ایک آلہ ہے اور آلہ متصرف کے بغیر نہیں چل سکتا اور یہی مقام تو عزرائیل کا ہے

استدلال تو اس طرح ہونا تھا کہ کسی نے ایک مقام پر کچھ لکھا دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہاں کسی کا آلۂ تحریر پہنچا ہے اور ساتھ ہی اسے استعمال کرنے والا ہاتھ بھی پہنچا ہے اور تحریر اس کا بڑا ثبوت ہے کہ وہاں قلم اور ہاتھ دونوں پہنچے ہیں تبھی لکھا ہوا ہے بالکل اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مرا پڑا ہے تو ہمیں آلۂ موت کے ساتھ اسے استعمال کرنے والے ہاتھ کے متعلق خود بخود معلوم ہو جانا چاہئے تھا مگر یہاں تو بات ہی الٹی ہے، کہنے والے کہتے ہیں کہ ایک جسم کا آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ پر موجود ہونا محالِ عقلی ہے

اس نظریے کو پیش کرنے والے قرار دادی اصولوں کو ایک دم بھول کر محال محال کی رٹ لگا دیتے ہیں کیونکہ جب کوئی نظریہ یا مسلّمہ دیا جاتا ہے تو اس میں کئی چیزوں کا خیال کیا جاتا ہے، سب سے پہلے اس کے ایک ایک لفظ کی جامع و مانع تعریف وضع کی جاتی ہے اس کے بعد حالات کا تعین ہوتا ہے اسی طرح بہت سی باتیں ہوتی ہیں پھر مسلّمہ اپلائی (Apply) کیا جاتا ہے

اب ایک لفظ ہے ''مکان'' اس کی تعریف بیان کرنا لازم تھی اس کا حجم سائیز (Size) طول وعرض کے ساتھ مادّی وغیر مادّی کا فرق بیان کرنا لازم تھا پھر اس کی کیفیت بیان کرنا تھی جو اس مسلّمہ میں کہیں بیان نہیں ہوئی اس لئے یہ کلیہ ناقص ہے

دوسرا لفظ تھا ''جسم'' تو اس کے بارے میں کلیہ میں بیان ہونا چاہئے تھا کہ اس کا کیا حجم ہو، اس کا سائیز (Size) کیا ہو، وہ ساکن ہو یا متحرک ہو یا جسم مادّی ہو یا غیر مادّی ہو یہ ساری چیزیں دیکھنا ضروری تھا لیکن یہاں کسی بات کو نہیں دیکھا گیا

آپ سوچیں گے کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

میں عرض کروں گا کہ اس سے بہت فرق پڑتا ہے کیونکہ ایک جسم انتہائی چھوٹا ہو تو اس کیلئے مکان کا تصور بھی انتہائی چھوٹا ہوگا مثلاً ایک قلم کی نوک ہم نے کاغذ پر رکھی تو وہ پورے صفحے کو نہ گھیر سکے گی بلکہ اس کیلئے مکان ایک نقطے کے برابر ہے اور وہ جس نقطے پر ایک وقت میں موجود ہو سکے گی اسی ایک وقت میں اپنے قریب ترین نقطے پر موجود نہ ہوگی اب اسی کاغذ پر ہم ایک مربع فٹ کا پتھر رکھ دیتے ہیں تو وہ ایک ہی وقت میں پورے کاغذ پر موجود ہو جائے گا اور کاغذ کا کوئی حصہ اس سے خالی نہ ہوگا

اس مثال سے آپ نے دیکھا کہ مکان اور جسم دونوں کی حد بندی کرنے سے پہلے فیصلہ دینا خلافِ عقل ہے کیونکہ جو مکانات نوک قلم کیلئے امکنہ متعددہ ہیں وہ اس بڑے پتھر کیلئے مکانِ واحد ہے، اب اس سے ایک منزل آگے بڑھ کر سوچتے ہیں آپ دیکھیں ایک فٹ مربع کے پتھر کیلئے مکان کا تصور ایک فٹ ہی ہے مگر ایک چٹان کیلئے وہی مکان کا تصور ایک فٹ نہیں ہے بلکہ ایک مربع فٹ کے کروڑوں اماکن (مکانات) اس کیلئے مکان واحد کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ مکان کا تصور جسم

کے حساب سے بدلتا ہے
اس طرح یہ زمین ایک کرہ ہے ایک جسم ہے جس کا تصورِ مکان بہت بڑا ہے اسی طرح کئی ایسے سیارے ہیں جن کے سامنے اس زمین کا وجود صحرا کے سامنے ایک ذرے کے برابر ہے، اس طرح ان کا جو تصور مکان ہے وہ اس سے بڑا ہے
اسی طرح کچھ ملکوت کا ذکر کتابوں میں موجود ہے کہ جن کے سامنے یہ پوری کائنات ایک نقطے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، کسی چیز کے محال کہنے سے پہلے اس کے وجود اوراس کے تصورِ مکان کو قائم کرنا ضروری ہوتا ہے پھر جسم کیلیئے بھی وضاحت ضروری ہوتی ہے کہ کیا وہ جسم مادّی ہے یا غیر مادّی ہے کیونکہ جو تصورِ مکان جسم مادّی کیلیئے ہوتا ہے وہ جسم غیر مادّی کیلیئے نہیں ہوتا
مثلاً امت مسلمہ ابلیس کو پوری دنیا پر ہمہ وقت اس لئے موجود مانتی ہے کہ اس کا جسم مادّی نہیں اسی لئے جہاں جہاں بھی کوئی عالم تقریر کرتا ہے☆اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیم ضرور پڑھتا ہے اور کوئی اعتراض نہیں کرتا، اس اعتراض نہ کرنے کی یہی وجہ ہے کہ سارے مسلمان یہ مانتے ہیں کہ اس کا وجود مادّی نہیں بلکہ غیر مادّی ہے اس لئے وہ ایک وقت میں ساری دنیا پر موجود رہ سکتا ہے، اسی طرح کبھی کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ ملک الموت کا بھی ایک جسم ہے چاہے وہ جیسا بھی ہے آخر ہے تو جسم وہ کیسے ہر مرنے والے کے سرہانے پہنچ جاتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ سارے مسلمان اس کا جسم غیر مادّی مانتے ہیں
اس بحث سے ثابت ہوا کہ جسم ناری ہو اگر غیر مادّی ہو تو وہ ساری دنیا میں ہمہ وقت موجود رہ سکتا ہے جیسے ابلیس کا ہے اور اگر جسم نوری ہو جیسا کہ ملک الموت کا ہے تو

بھی وہ ساری دنیا میں ہمہ وقت رہ سکتا ہے

اسی طرح وجود مادّی کے درجات ہیں جیسے ہوا کا بھی ایک وجود ہے مگر لطیف ہے، اس طرح گیسز (Gases) کا بھی ایک وجود ہے جو ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہے، اس طرح ریڈیائی ویوز (Radii Waves) ہیں یا مختلف ریز (Rays) ہیں یا بذات خود ریڈی ایشن (Radiation) ہے یا ریڈیو کی آواز کی لہریں ہوتی ہیں ان کا بھی ایک وجود ہوتا ہے اس طرح سکائی سیٹلائیٹس سگنلز (Sky Satellites Signals) ہوتے ہیں ان کا بھی ایک وجود ہے اسی لئے ان لطیف اجسام کیلئے تصورِ مکان وہ نہیں جو ایک پتھر کیلئے ہے

اب ہمارے سامنے ارواح کا بھی تصور موجود ہے، صاف ظاہر ہے کہ ان کا بھی تصور زمان ومکان جداگانہ ہوگا

یہ جو لوگ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے افراد کے امکنۂ متعددہ پر موجودگی کو محال بتاتے ہیں چاہیئے پہلے ان کے اجسام طاہرہ کے بارے میں کوئی سائنٹیفک (Scientific) تجزیہ پیش کریں کہ وہ کیا تھے مادّی تھے تو کس درجے کی کثافت ان میں موجود تھی اگر لطیف اجسام کے مالک تھے تو کیا ان کا روح جیسا جسم تھا یا جبریل و عزرائیل جیسا لطیف تھا؟ جب یہ فیصلہ ہو جائے گا تو ہم بھی غور کریں گے کہ ان کہنے والوں کی بات کتنی غلط اور کتنی درست ہے مگر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہ کر سکیں گے اور جب کسی چیز کے جسم کے بارے میں کوئی حتمی رائے معلوم ہی نہ ہو اور نہ ہی ان کے جسم کے حجم اور رفتار اور لطافت اور کثافت کا کوئی علم ہو اس پر کیسے کوئی عقل مند فیصلہ دے سکتا ہے یا اپنا عقیدہ استوار کر

www.khrooj.com

سکتا ہے اس کائنات اور عالم ملکوت سے بھی زیادہ وسیع ہے کرسیِ الٰہی، جس کے بارے میں ہے

☆''وَسِعَ کُرسِیُّہُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ '' پھر وہ انوار جن کے نور سے عرش و کرسی پیدا ہوئے ہیں ان کی وسعت کیا ہوگی؟ اور ہر شئے سے وسیع ترین ہے رحمت الٰہی جس کے بارے میں ہے☆''وَسِعَتْ رَحْمَۃُ کُلِّ شَیئاً '' اور جو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک ذات ہے اسے اس سے بھی وسیع ہونا چاہیئے

جب ہر شئے سے وسیع ان کا جسم اطہر ہوگا تو ان کا تصورِ زمان و مکان سب سے بڑا ہوگا اور جب ان کا تصورِ مکان بڑا ہوگا تو انہیں بلا حرکت کیئے ہر جگہ موجود ہونا چاہیئے

اس طرح زمینی تصورِ مکان تو وہاں اپلائی (Apply) نہ کرے گا ان کیلیئے تو ساری کائنات ایک مکانِ واحد کی طرح ہوگی پھر یہ منطقی اور عقلی بک بک کیسی کہ ایک جسم آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ پر کیسے جا سکتا ہے؟ یہاں تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جو موجود ہو اس کا جانا کیسا؟

یہ ذوات موجود تو پہلے ہوتی ہیں اور ان سے کوئی مکان خالی بھی نہیں ہوتا ہے یہ صرف اپنے نور کا اظہار فرماتی ہیں اسی لئے تو حارث ہمدانی سے فرمایا تھا

☆یا حار ھمدانی من یموت یرنی من مومن او منافق قبلا ......الخ

کہ اے حارث ہمدانی کوئی اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک مجھے نہ دیکھ لے کیونکہ مارنے کا عمل کرے گا تو ملک الموت اور وہ تو ایک آلہ ہے جب تک یداللہ کا ایمانہ ہو وہ کیسے مار سکتا ہے؟

www.khrooj.com

اس میں آپ غور سے دیکھیں یہ نہیں فرمایا کہ ہم ہر مرنے والے کے سرہانے تشریف لے جاتے بلکہ فرمایا یہ ہے کہ جو بھی جہاں بھی اور جس وقت بھی مرتا ہے وہ مجھے دیکھتا ہے چاہے مومن ہے یا منافق ہے یعنی موجود تو ہم ہوتے ہی ہیں وہاں صرف اس کی آنکھوں کے حجاب اٹھا دیتے ہیں تا کہ اسے پتہ چل جائے کہ واقعی ہم موجود ہیں اور رہیں گے جو مانتا نہ تھا آنکھوں سے دیکھ لے

ایک فاضل مہربان نے اپنے احباب کیلئے لکھا ہے کہ خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام یہ امور کائنات انجام نہیں دیتے بلکہ ملکوت ہی رزق و موت و حیات وصحت وسقم وغیرہ بانٹتے ہیں یہ خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کی ڈیوٹی نہیں ہے اس کے آگے اس کی وجہ بھی بتائی ہے لکھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ ملکوت مقام آلیت پر فائز ہیں اور اللہ کے آلۂ کار ہیں اس لئے یہ ان کی ڈیوٹی ہے (خلاصہ)

یہ پڑھ کر مجھے افسوس ہوا کہ وہ مہربان کیا اتنا بھی نہیں سمجھے کہ مقامِ آلیت تو مقامِ مظہریت کے ماتحت ہوتا ہے کیونکہ آلہ چل نہیں سکتا جب تک مظہر ذات کے ماتحت نہ ہو یا اس کے تصرف میں نہ ہو، اس کی حقیقت کو منکشف فرمانے کیلئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ☆الملکوت خدّامنا و خدّام محبنا یعنی ملکوت ہمارے بھی خادم ہیں اور ہمارے چاہنے والوں کے بھی خادم ہیں، اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اعضا کو اختیار رہوتا ہے کہ آلات جس کے بھی استعمال میں دے دیں، ملکوت کو اگر مظہر ذاتِ احد اپنے چاہنے والوں کی خدمت میں لگا دیں تو انہیں کیا انکار ہوسکتا ہے؟

تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اللہ کے مقامِ مظہریت پر جو فائز ہے یہ خاندان تطہیر علیہم

www.khrooj.com

الصلوات والسلام کا ظاہر ہے اور ساری بات ان کے ظاہر کی ہو رہی تھی یہی ان کا ظاہر مقامِ مظہریت توحید رکھتا ہے ان کا جو باطن ہے اور اس باطن کا باطن ہے اسے تو ذات الٰہی کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں

ہاں البتہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب ان کا ظاہر جو آج تک انسان کی چشم سے پوشیدہ چلا آ رہا ہے وہ ظاہر ہو گا اور ساری دنیا انہیں اپنے اصل روپ میں دیکھے گی اور وہ وقت ہے ہمارے آقا و مولا شہنشاہوں کے شہنشاہِ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی تشریف آوری کا

دعا ہے کہ ربِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم الصلوات والسلام ہم گناہ گاروں کو وہ وقت جلدی نصیب فرمائے کہ جب دنیا اپنے رب کی عبادت مقامِ اظہار پر پہنچ کر کرے گی

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمؑ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہٗ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

مقامِ نسبیت

اے نکتہ فہمانِ عرفان !
اس دور میں علمائے کرام کی یہ کوشش ہے کہ مذہب شیعہ اثنا عشریہ کو ایسی شکل دی جائے کہ یہ سارے مسالک اسلام کیلئے قابل قبول ہو جائے اور جب سے شیعیت عالمی سیاست میں انوالو (Involve) ملوث ہوئی ہے تو اتحاد بین المسلمین کی کوششیں تیز ہوئی ہیں جو اچھی بات ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری چیز اتحاد بین المومنین ہے
ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب سے اتحاد بین المسلمین کے تحت اپنے عقائد کو سوادِ اعظم اور دیگر مسالک اسلام کے عقائد سے قریب لانے کی کوششیں تیز ہوئی ہیں اہل تشیع میں اتفاق و اتحاد باقی نہیں رہا اور آپس کی نفرتیں بڑھ رہی ہیں
اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی مذہب اپنے بنیادی عقائد کو کسی دیگر عقیدے سے جوڑنا شروع کرتا ہے تو اس کا اپنا تشخص اور وجود مٹ جاتا ہے اور تاریخ مذاہب گواہ ہے کہ جس مذہب یا فرقے کی طرف جھکا جاتا ہے وہ تو باقی رہتا ہے مگر جھکنے والا مسلک و فرقہ ایک تیسری شکل اختیار کر لیتا ہے
ان ساری باتوں کو سیاست پر قُربان کر کے آج شیعیت کے لیبل کے اندر جو

www.khrooj.com

نظریات ہیں انہیں بدلا جا رہا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ایک نام نہاد شیعہ عالم کی کتاب کو مولوی عبدالستار تونسوی صاحب اپنی تقاریر میں دکھا کر فرماتے ہیں کہ اگر اہل تشیع کے یہی عقائد ہیں تو پھر ان جیسا شیعہ تو میں بیس سال سے ہوں

میری یہ گذارش ہے کہ ہمیں آپس کا جو احترام باہمی ہے اس میں اضافہ کرنا چاہئے دیگر مسالک کی دل آزاری سے بچنا چاہئے لیکن اپنے مسلمات مذہب کے معاملے میں کوئی لچک نہیں کھانا چاہئے

میرے دوستوں میں بہت سے مذاہب و مسالک کے علما شامل ہیں میں ان کا تہہ دل سے احترام کرتا ہوں مگر میں خود کو نظریاتی طور پر ان کی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ان کا احترام و ادب کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی زبانِ حال سے کہتا ہوں کہ میں جیسا بھی ہوں یہی ہوں میں آپ کی نظر میں اچھا یا برا جیسا بھی ہوں اسے قبول کریں

اتحاد بین مسلمین کی تحریک میں شامل ناسمجھ افراد نے اس میں ایک یہ غلطی کی ہے کہ انہوں نے محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے مقام کو کم کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے تا کہ وہابی ازم کیلئے بھی مذہب شیعہ اثنا عشریہ پسندیدہ بن جائے کیونکہ شیعوں میں بات کو رائج کرنا ممکن نہ تھا اس کیلئے جو طریقہ کار اپنایا گیا وہ تعمیری نہ تھا یعنی محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے مقابلے میں اللہ جل جلالہ کی ذاتِ واجب الوجود کو کھڑا کر دیا گیا اور محمد آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے فضائل کو رد کرنے کیلئے ایک ہی حربہ استعمال ہوا کہ یہ تو اللہ کی شان ہے اور جو پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام میں ایسے فضائل دریافت کرتا ہے وہ نعوذ باللہ مشرک ہے

www.khrooj.com

اس بات نے عالم تشیع میں منافرت اور خانہ جنگی کا سا سماں پیدا کر دیا ہے انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے آج میں مقامِ توحید کے بارے میں کچھ وقت آپ سے لے رہا ہوں دوستو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مقام توحید کو عالم انسان بلا تمثیل وتشبیہ نہیں سمجھ سکتا کیونکہ انسان کی یہ مجبوری ہے کہ کسی ان دیکھی چیز کو بلا تمثیل نہیں سمجھ سکتا اور اللہ عز وجل جیسی خفی الاخفیٰ ذات اقدس کو انسان کیسے سمجھ سکتا ہے؟

جب ہم مقام توحید پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ توحید کے دو حصے ہیں ایک توحید غیر مرئی (یعنی نظر نہ آنے والی) اور دوسری توحید مرئی (یعنی نظر آ سکنے والی)، اس کی ذات تو خفی الاخفیٰ ہے، غیب الغیوب ہے، سرالاسرار ہے، عقول وحواس اور ادراک سے ہمیشہ اوجھل ہے جس طرح وہ حواس خمسہ وعشرہ باطنیہ سے مخفی و مجوب ہے اسی طرح عقل وفہم وفراست سے بھی مجوب ومخفی ہے وہ ذات نقطۂ آغاز ازل سے نقطۂ انتہائے ابد تک کبھی بھی دائرۂ حواس وعقول میں نہیں آ سکتی، اسے اسیر زنجیر عقل کبھی بھی نہیں کیا جا سکتا، ہاں توحید کا ایک حصہ ایسا ہے جو ہمارے ساتھ موجود ہے، جو ہمیں نظر بھی آتا ہے، اس سے رابطہ بھی ہو سکتا ہے، اس کے ساتھ ہماری معاشرت بھی ہے، اسی کے ساتھ ہمیں پرکھا بھی جاتا ہے، وہ ہے پاک خاندانِ رسالت علیہم الصلوات والسلام محمدؐ وآل محمد علیہم الصلوات والسلام توحید مرئی کے مقام پر فائز ہیں اور انہیں توحید سے جدا نہیں کیا جا سکتا...... یہ تصورِ توحید کا حصہ ہیں

اس کی ایک بہترین مثال خود انسان ہے کیونکہ اللہ نے اپنے تعارف کیلئے مخلوق کو خلق فرمایا ہے تو اس کے تعارف کے سارے ذرائع خود انسان ہی میں پیدا فرمائے ہیں مثلاً خود پر یہ سوال کر کے دیکھیں کہ انسان کیا ہے؟ اس کا جواب آپ کو آپ کا علم

یہی دے گا کہ انسان بدن ونفس وروح کا ایک مجموعہ ہے یعنی انسان کے اندر مزید دو انسان موجود ہیں اس کی باہر والی پرت بدن ہے اس کے اندر انسانِ نفسانی چھپا ہوا ہے اور اس انسانِ نفسانی کے اندر انسانِ روحی چھپا بیٹھا ہے گویا انسان تین انسانوں کا مجموعہ ہے

اصلی وازلی انسان تو وہ ہے جو سب سے زیادہ مخفی ہے باقی تو فانی وعارضی شئے ہے اس کی حیثیت ایک لباس کی طرح ہے جب بھی انسان کے یہ لباس اتریں گے وہی باقی رہ جائے گا جس پر موت نہیں جوامری انسان ہے یعنی انسانِ روحی ہی رہ جائے گا

اب سوال ہوگا کہ یہ بدنی انسان کیا ہے؟

اس کا یہی جواب ہوگا کہ یہ اس انسانِ روحی کا مظہر ہے اور جو انسان معاشرے میں معاشرت رکھتا ہے انسان کے ساتھ رہتا بستا ہے یہ انسان روحی نہیں بلکہ اس کا ایک مظہر ہے اور اسی کے ساتھ ہماری معاشرت ہے اسی اصلی انسان کے مظہر کے ساتھ رکھا جانے والا ہر رویّہ اس انسان اصلی وازلی کے ساتھ رکھا جانے والا رویّہ شمار ہوتا ہے ایک انسان کا جو دوسرے سے رابطہ ہے وہ بھی اسی انسانِ ظاہری ہی کے ذریعے ممکن ہے دنیا کا سارا نظام انسانِ ظاہری وبدنی یعنی مظہر ذات ہی کے ذریعے چل رہا ہے

بلاتشبیہ اسی طرح اللہ کی ذات تو روحِ کائنات ہے اور وہی اصل کائنات ہے اور کائنات کی مرکز ومحیط ذات ہے مگر اس کے مظاہر ذات وصفات محمد وآل محمد علیہم الصلوات والسلام ہیں بلاتشبیہ یوں سمجھ لیں کہ یہ پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام بدن ہیں اور اللہ عزوجل ان کی روح ہے

انسان اتنا مجبور و عاجز ہے کہ اس کے پاس انہی ذوات اطہار علیہم الصلوات والسلام کے علاوہ اپنے خالق حقیقی سے رابطے کیلئے کوئی دوسرا ذریعہ یا سورس (Source) موجود ہی نہیں، وہ کلام فرماتا ہے تو ان کی پاک زبان کو استعمال فرماتا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے تو ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، یہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن مجید ہے تو ہمیں ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کیونکہ اللہ کے کلام کو سننے کا ہمارے پاس کوئی دوسرا ذریعہ ہے ہی نہیں، یہ ہمیں احکامِ دین عطا فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ اللہ کا دین ہے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کیونکہ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی آپشن (Option) موجود ہی نہیں

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ذوات اقدس علیہم الصلوات والسلام ہمارے درمیان ایک نظر آنے والی توحید ہیں گویا یہ ایک چلتے پھرتے خدا ہیں کیونکہ انہی سے جو رویّہ ہم رکھیں گے وہی خدا کے ساتھ شمار ہوتا ہے، ان کی نصرت اللہ کی نصرت ہے، ان کی محبت اللہ کی محبت ہے، ان کی قدر کرنا اللہ کی قدر کرنے کے مترادف ہے

بلاتشبیہ جس طرح انسان کے ساتھ جو رویّہ ہوتا ہے وہ بلا واسطہ روح کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ اس کی روح کے مظہر یعنی بدن کے ساتھ رکھا جانے والا ہر رویّہ اس کی روح کے ساتھ شمار ہوتا ہے، کوئی انسان جھکتا بدن کے سامنے ہے مگر خوش روح ہوتی ہے کہ میرے سامنے جھک رہا ہے، انسان مارتا بدن کو ہے اذیت روح کو پہنچتی ہے، کوئی بے ادبی بدن کی کرتا ہے ناراض روح ہو جاتی ہے کہ میرے ساتھ اس نے اچھا سلوک نہیں کیا

توحید نسبتی

جب ہم مقام توحید کو دیکھتے ہیں تو توحید ظاہری و مرئی کے بعد ہمیں توحید نسبتی کا مقام نظر آتا ہے یعنی ذات کے بعد نسبتوں کی حد آجاتی ہے وہ بھی تصورِ توحید کا حصہ ہی ہیں مثلاً مومن ہے، یا کعبہ ہے، یا مسجد ہے، یہ سب منسوبات ہیں یہ نسبتی توحید میں شامل ہیں اور ان کے ساتھ رکھا جانے والا رویّہ بھی اللہ کے ساتھ رکھے جانے والے رویّہ کے مترادف ہی ہے

جیسا کہ حدیث قدسی میں بھی ہے اور مقدّس بائبل میں بھی ہے کہ بروز قیامت خالق انسان سے سوال کرے گا کہ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا تھا، میں برہنہ تھا تو نے مجھے لباس نہیں دیا تھا، میں مریض تھا تو میری عیادت کو نہیں آیا تھا، وغیرہ وغیرہ یہ سن کر انسان عرض کرے گا میرے خالق یہ تو سب بشری تقاضے ہیں اور تیری ذات تو ان بشری تقاضوں سے ارفع و اعلیٰ ہے پھر یہ کیوں فرمایا جا رہا ہے؟ اس وقت آواز قدرت آئے گی تیرا ایک مومن بھائی بھوکا تھا تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا، تیرا ایک بھائی برہنہ تھا تو نے اسے لباس نہیں دیا تھا، تیرا ایک بھائی بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی یعنی یہاں خالق یہ فرمانا چاہتا ہے کہ اس مومن بھائی کے ساتھ جو تو نے رویّہ رکھا تھا وہ صرف اس کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ بالواسطہ میرے ساتھ تھا، مومن کو ایک نسبت پاک گھر سے تھی اور پاک گھر خانۂ توحید تھا تو منطقی طور پر یہی نتیجہ سامنے آئے گا کہ

مومن برابر ہے توحید کے......یعنی توحید = پاک گھر = مومن، نتیجہ......مومن = توحید

یہی نسبت ہے جو کعبہ کو توحید سے ہے اسی نسبت کی وجہ سے اس کا سجدہ اللہ کا سجدہ شمار ہوتا ہے ورنہ کعبہ اللہ نہیں بلکہ غیر اللہ ہے اور اس کا سجدہ بت پرستی کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہ بھی پتھر کا ہے اور بت بھی پتھر کا ہوتا ہے اس لئے اس کا سجدہ بت پرستی کے زیادہ قریب ہے، حقیقت یہ ہے کہ کعبہ کو خالق و مسجود سے ایک قوی نسبت حاصل ہے اس لئے اس کا سجدہ اللہ کا سجدہ شمار ہوتا ہے، اس کا احترام اللہ کا احترام ہے، یہ نسبت یہاں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کا سلسلہ اور آگے دور تک چلا جاتا ہے مثلاً کعبہ کا غلاف ہے تو اس کا احترام بھی لازم ہے کیونکہ اسے کعبہ سے نسبت ہے پھر اگر اسے کسی رومال میں لپیٹا گیا ہو تو اس کا احترام بھی لازم ہے کیونکہ اسے غلافِ کعبہ سے ایک نسبت ہے، اور اگر اس غلاف کو کسی بکس میں بند کیا گیا ہو تو اس بکس کا احترام بھی لازم ہے، اس کے بعد اس غلاف والے بکس کو کسی ٹرک میں رکھا گیا ہو تو اس کا احترام بھی لازم ہو جاتا ہے اسی طرح آگے سوچتے چلے جائیں

مقام نسبت کا یہ عالم ہے کہ کعبہ کے ایک کنکر کا احترام ہے تو اس کا ایک طویل سلسلہ بنتا ہے اسی طرح قرآن پاک کی مختلف نسبتوں کو سوچ لیں آپ سوچتے جائیں گے احترام کی حد پھیلتی چلی جائے گی، اب آپ نے دیکھ لیا ہے کہ اس کا سلسلہ توحید سے شروع ہوا پھر غیبی توحید سے ظاہری توحید تک پہنچا اور اس کے بعد نسبتوں میں پھیلتا گیا

شعائر اللہ

قرآن مقدّس میں متعدد مقام پر شعائر اللہ کے احترام کا حکم ہے اور شعائر کے معنی یہ ہیں کہ ''جو شعور کو اس کا راستہ دکھائے'' کیونکہ قُربانی کا جانور اللہ کی طرف توجہ

مبذول کرواتا ہے اس لئے اسے شعائر اللہ میں سے شمار کیا گیا ہے اسی طرح مساجد ہیں، امام بارگاہیں ہیں، علم پاک ہیں اور دیگر منسوباتِ آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام بھی شعائر اللہ میں سے ہیں اس لئے ان کا احترام بھی عین تقویٰ ہے لیکن مقام نسبتی اس سے بھی اونچا ہے

ایک تو شعائر ہیں ان کا احترام کرنا گویا اللہ کا احترام کرنے کے مترادف ہے بلکہ حد تقویٰ اس سے بھی بہت آگے ہے کیونکہ قُربانی کے جانور کے ساتھ اس کے گلے کے پٹے اور رسی کے احترام کا بھی حکم ہے، اسی سے ہمیں استنباط کرنے کا راستہ ملتا ہے اور ہم یہ آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جس طرح قُربانی کے جانور کی رسی اور پٹے کا احترام لازم وواجب ہے اسی طرح شبیہ ذوالجناح کا احترام کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی رسیاں، زیورات، کپڑے اور دیگر آرائشی سامان اور ان کے استعمال کی جملہ چیزوں کا احترام بھی لازم وواجب ہے، قُربانی کے جانور کے بارے میں حکم ہے کہ جب اسے کہیں لے جا رہے ہوں تو اس کے آگے چلنا سوئے ادبی ہے اس لئے اس کے پیچھے چلیں

اسی سے ہمیں استنباط کرنا چاہئے کہ شبیہ ذوالجناح کے آگے چلنا یا انہیں پشت کرنا بھی ہمارے لئے جائز نہیں ہے چہ جائیکہ نعوذ باللہ ان پر سواری کرنا اور ان کی بے حرمتی کرنا یہ تو سراسر نعوذ باللہ اللہ کی توہین کے برابر ہے کیونکہ مقامِ نسبتی میں رویّہ نسبت سے شمار نہیں ہوتا بلکہ ذات سے شمار ہوتا ہے جیسے کعبۂ مکرم اللہ عزوجل سے منسوب ہے اس کی بے حرمتی کرنا ایک گونا اللہ کی بے حرمتی (اس سے خالق بچائے) کرنے کے مترادف ہے اس طرح غلاف کعبہ کی بے حرمتی کرنا گویا کعبہ کی بے حرمتی کے

www.khrooj.com

مترادف ہے اسی طرح اس غلاف کے منسوبات کی توہین غلاف کی توہین ہے اور پھر یہ سلسلہ واپس آ جاتا ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبت کی حیثیت ذاتی نہیں رہ جاتی بلکہ اس کی حیثیت عین منسوب الیہ کی ہوتی ہے جیسے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں ہوتی اسی طرح نسبت کی حیثیت بھی ذاتی نہیں ہوتی ۔اب ہمارے سامنے جملہ مقاماتِ مقدّسہ ہیں یا ان کی شبیہیں ہیں یا ان شبیہات سے وابستہ اشیا ہیں ان سب سے ہمارا جو رویّہ اور برتاؤ ہوگا وہ بالواسطہ اللہ سے رویّہ ہوگا اور اسی مقام نسبتی کو سمجھ کر اس کی حدود شکنی نہ کرنا ہی اللہ کے نزدیک تقویٰ ہے اور تقویٰ مقامِ خوف کا نام ہے کیونکہ جو خوف عرفان کی وجہ سے پیدا ہوا سے تقویٰ کہتے ہیں آپ تاریخ امم کا مطالعہ کریں جن جن اقوام نے مقام نسبتی کی حدود شکنی کی ہے وہ قومیں ذلیل ہوئی ہیں اور پھر صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ہیں جب بنی اسرائیل نے تابوت سکینہ کی بے حرمتی کی تو ساری دنیا کے سامنے ذلیل و رسوا ہوئی اور پھر صفحۂ ہستی سے مٹ گئی اور جتنا عرصہ رہی اقوام عالم کے سامنے بے عزت رہی ،جس قوم نے بابِ حطہ کا ادب بھلایا مخلوق اور خالق دونوں کے سامنے ذلیل ورسوا ہوئی ،اسی طرح جملہ اقوام کا مطالعہ کریں ان کی ذلّت ورسوائی کے باقی وجوہات میں سے ایک وجہ منسوبات کی بے حرمتی بھی ہوگی ،مقامِ نسبتی کی جو جو چیزیں حامل ہوتی ہیں انہیں مقدّسات کہا جاتا ہے اور مقدّسات کا احترام زندہ قوموں میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے اور مردہ قوموں میں اس کا فقدان ہوتا ہے

اللہ نے اسی مقام نسبتی کی اہمیت کو جتلانے کیلئے اپنے کلام مقدّس میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس کی قسمیں کھائی ہیں ،کبھی ان کی چادر کی قسم کھائی تو کبھی ان کے کمبل

www.khrooj.com

کی قسم کھائی، کبھی ردا کی تو کبھی عبا کی قسم کھائی حتیٰ کہ ان کی دہلیز تک کی قسم کھائی یہ سلسلہ یہاں ختم نہیں ہوتا بلکہ ان کی اولاد اور انصار کی قسمیں کھائیں پھر ان کے گھوڑوں کی قسمیں کھائیں اور حد تو یہ ہے ان گھوڑوں کے سموں کی، ان کے قدموں کی دھول کی اور ان کی ٹاپوں سے نکلنے والی چنگاریوں کی قسمیں کھا کر بتایا کہ یہ ساری چیزیں مجھ سے منسوب ہیں اور ان کی مجھ سے اتنی گہری نسبت ہے کہ انہوں نے بھی میرے مقام محبوبیت کو پالیا ہے

نسبت کے دائرے کی وسعت کو بیان کرنے کیلئے اللہ نے سورہ البلد میں فرمایا

☆لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ...... الخ، اللہ نے فرمایا مجھے اس پورے شہر کی قسم کہ جس میں میرا حبیب خراماں خراماں چلتا ہے اور اس میں پیدا ہونے والے مولود سعید کی قسم یعنی وہ شہر جو 80 اسی فی صد کفّار و مشرکین سے بھرا ہوا ہے محبوب کی نسبت سے پورا شہر ہمیں اتنا پیارا ہے کہ اس کی ہم قسمیں کھا رہے ہیں

آپ یہ تو جانتے ہیں کہ کوئی فرد جب قسم کھاتا ہے تو اس کی دو وجوہات ہوتی ہیں

() یا اسے اس سے محبت ہوتی ہے

() یا اس کیلئے وہ چیز قابل احترام ہوتی ہے

ایک مسلمان اللہ کی یا قرآن مجید کی قسم کھاتا ہے تو اس میں قسم کی وجہ احترام ہے یا پھر اپنی اولاد کی یا اپنی جان کی قسم کھاتا ہے تو اس میں قسم کی وجہ ان چیزوں سے محبت ہے

اب یہ دیکھیں کہ اللہ عزوجل نے جن چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں ان میں اس کیلئے یا تو احترام کا پہلو ہوگا یا محبت کا یا دونوں ایک ساتھ ہوں گے

آپ نے کبھی قسم کے مقصد و مرام پر بھی غور کیا ہے؟

آدمی محترم اور محبوب چیزوں کی قسم کیوں کھاتا ہے؟

قسم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ درحقیقت انسان کہنا چاہتا ہے کہ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو میں اس محبوب چیز یا محترم چیز سے محروم ہو جاؤں مثلاً انسان اولاد کی قسم کھا کر یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے میری اولاد نصیب نہ ہو، انسان اپنی جان کی اور عمر کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو میں اس زندگی سے محروم ہو جاؤں، انسان اللہ اور قرآن کی قسم کھا کر کہنا یہ چاہتا ہے کہ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو میں اللہ اور قرآن سے محروم ہو جاؤں

تو اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پاک علیہم الصلوات والسلام اور ان کے منسوبات کی قسمیں کھائی ہیں تو اس سے تاثر دینا چاہا ہے کہ یہ چیزیں مجھے اپنی جان و اولاد کی طرح عزیز ہیں اور میں انہیں کھونا نہیں چاہتا کیونکہ میرا عظیم سرمایا یہی ہیں اب اس گفتگو سے آپ کو نسبت کا مقام سمجھ آ گیا ہو گا اس لئے آخر میں دعا کروں گا کہ خالق سارے مومنین کو پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے منسوبات کے احترام و ادب کا شعور بخشے اور توفیق بھی عطا کرے، خالق کائنات اپنے نمائندۂ آخر یعنی ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور و خروج جلدی فرمائے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِم عَجلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

معاشرتِ توحید

اے سخن جویان معرفت!
جب ہم کلام مقدّس کے حوالے سے ذات واجب الوجود یعنی کبھی سمجھ نہ آنے والی ذات کو حتیٰ المقدور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ کی مصداق کتاب میں بہت سی ایسی آیات ملتی ہیں جن سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہاں جس اللہ کا تعارف کروایا جارہا ہے وہ ہمارے ہی معاشرے کا ایک مجسم فرد ہے اور وہ ہماری ہی طرح کا ایک بشر ہے یوں سمجھ لیں کچھ آیات سے استخراج ہوتا ہے کہ اللہ انسانی معاشرے کا ایک فرد ہے جو ہم ہی میں رہتا بستا ہے اور ہماری طرح معاشرے کی اجتماعی اور انفرادی تکالیف کا شکار بھی رہتا ہے اور پوری طرح ہمارے ساتھ معاشرتی زندگی بسر فرمارہا ہے جس کا ہمارے معاشرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور ہمارے ساتھ اس کا لین دین تک ہے، وہ خالق اس طرح ہمارے ساتھ رہتا بستا ہے جس طرح ایک گاؤں میں بہت سے انسان رہتے ہیں اسی طرح ایک انسان ان میں اللہ بھی ہے جو ان لوگوں کے ساتھ رہ رہا ہے اور جملہ افراد کی طرح وہ بھی خوشی اور غمی اور تکالیف وامن سے متاثر ہے

جب ہم اپنے معاشرے کو دیکھتے ہیں یا کسی گاؤں کے یا شہر کے رہنے والوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کوئی معاشرہ ایسا نہیں جس کے سبھی افراد ہر ایک فرد کے ساتھ حسن معاشرت سے وقت گزار رہے ہوں ہر معاشرے میں ہر فرد کے ساتھ بے اعتدالیاں بھی ہوتی ہیں کوئی کسی سے دھوکہ کرتا ہے، کوئی فریب دے رہا ہے، کوئی کسی کی امداد کر رہا ہے، کوئی کسی سے لڑ رہا ہے، کوئی کسی سے خیانت کر رہا ہے الغرض ایک دوسرے کے ساتھ ہر قسمی زیادتیاں روا رکھی جاتی ہیں اور ایسی بے اعتدالیاں معاشرے کے ہر فرد کے سامنے ضرور آتی ہیں کیونکہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ کچھ آیات سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ اللہ ہمارے مابین موجود اور ہمارے معاشرے کا ایک رکن یا فرد نظر آتا ہے اور جب معاشرے کے کسی فرد کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے تو وہ اس کی شکایت معاشرے کے افراد سے کرتا ہے اور اس کا پہلا حق بھی ہے

جب ہم خالق کو دیکھتے ہیں تو اللہ بھی ایسے ہی شکوے کرتا ہوا نظر آتا ہے وہ سورہ بقرہ میں اس طرح شکوہ سرا ہے

☆یخدعون الله و رسوله...... لوگوں نے تو مجھ اللہ کو اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ دیا ہے اور ہم دونوں کو بھی معاف نہیں کیا

آپ نے دیکھا کہ یہ آیت اس اللہ کی ہمارے ساتھ معاشرت پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے ساتھ بھی دھوکہ ہو رہا ہے ایک جاہل بدّ و احمق ترین دھوکہ دے رہا ہے اللہ و رسول کو......

اسی طرح ایک اور آیت میں معاشرے کے ایک فرد کی طرح معاشرے کا شکوہ

کرتے ہوئے فرماتا ہے☆إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْداً ...... ان لوگوں نے مجھ اللہ سے فریب کرلیا ہے اور میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں☆ وَأَكِيدُ كَيْداً اور میں نے بھی انہیں معاف نہیں کیا میں نے بھی ان سے فریب کرلیا ہے

ایسی آیات کو دیکھتے ہیں تو لگتا ہے اللہ بھی ہمارے ہی معاشرے کا ایک فرد ہے اور بالکل اسی طرح جیسے ایک بستی کا شخص چند لوگوں کا شکوہ کرتا اور ان کے برے رویے کے شکوے کرتا ہے اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ جل جلالہ ایسی ہی بات کرتا ہے اور لوگوں کے رویے کے بارے میں فرماتا ہے

☆وَمَكَرُواْ وَمَكَرَ اللّهُ وَاللّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ

کہ اس دنیا کے لوگ بھی کیا بری بلا ہیں کہ انہوں نے مجھ خالق کے ساتھ سیاست کی ہے تو میں نے بھی سیاست سے کام لیا ہے آخر میں سیاست دانوں کا بھی خالق ہوں مگر لوگوں نے مکر کرلیا ہے اور پہل بھی کر تو لی ہے میری طرف اینٹ پھینکی تو گئی ہے؟ میں نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں چٹان سے دیا ہے آخر میں ان کا خالق ہوں ان سے کم تو نہیں ہوں ، عام معاشرتی زندگی میں ہوتا یہ ہے کہ کوئی کسی کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور وہ کسی کے سامنے شکوہ کرتا ہے اگر خائن عادی مجرم ہو تو سننے والا کہتا ہے کہ میاں تم کس کی بات کر رہے ہو اس موصوف نے تو میرے ساتھ بھی خیانت کی ہوئی ہے یہ باتیں ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں

اسی طرح جب لوگوں نے شہنشاہ معظم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی خیانت کی تو انہوں نے بھی ان کا شکوہ اللہ جل جلالہ سے کیا کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ خیانت کی ہے دیکھو تمہاری مخلوق نے میرے ساتھ خیانت کی ہے یہ کیسی زیادتی ہے تو

ان کی بات سن کر اللہ نے اپنی بات چھیڑ دی ☆فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِن قَبْلُ
فرمایا آپ بھی کن لوگوں کی بات لے کر بیٹھ گئے ہیں یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس
سے پہلے مجھ اللہ سے بھی خیانت کی ہوئی ہے یہ تو عادی مجرم ہیں
اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ سے بھی لوگوں نے خیانت کر لی اس طرح جب معاشرے میں لوگ رہتے بستے ہیں تو جو فطرتاً صلح کن افراد ہوتے ہیں وہ ایسی باتوں پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور حلم سے کام لیتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں مگر معاشرے میں رہنے والے بعض لوگ بہت شریر ہوتے ہیں خیانت اور مکر فریب کے ساتھ ساتھ اذیت بھی دیتے ہیں تو یہ باتیں نا قابل برداشت ہوتی ہیں ......بعض آیات کا مزاج اسی طرح کا ہے جیسے خالق فرما رہا ہو مجھ کو بھی کن لوگوں سے گزارا کرنا پڑ رہا ہے یہ تو حد سے گزر رہے ہیں
☆يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
کہ اب تو انہوں نے اللہ کو ایذا بھی پہنچانا شروع کر دی ہے اللہ کو بہت ایذا اور تکلیف اور دکھ پہنچا رہے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کو پیار کرتے ہیں اور زمانہ پیار کا دشمن ہے بس ایذا دینا شروع کر دی
اِدھر رب العالمین، اُدھر رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ظلم پر صبر ہے اف تک نہیں کرتے مگر ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں مگر چاروں طرف رہنے بسنے والے اس صبر کو شاید بزدلی تصور کر رہے ہیں، اس معاشرے میں جب کوئی صبر سے کام لیتا ہے تو اسے اس کی بزدلی تصور کر لیا جاتا ہے اور پھر اسے اشتعال آمیز باتوں سے غصہ دلایا جاتا ہے اگر پھر بھی وہ ''جواب جاہلاں باشد خموشی'' پر عمل کرتا ہے تو بدتمیز قسم کے

لوگ بدزبانی پر اتر آتے ہیں، بس اسی طرح کلام اِلٰہی میں کچھ آیات ایسی ہیں جن میں اللہ کے ساتھ مخلوق کے ایسے رویّہ کا ذکر ہے......فرمایا

☆ فَيَسُبُّواْ اللّٰهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ ...... کہ یہ جاہل لوگ تو اللہ کو بلا سوچے سمجھے سب بک رہے ہیں مگر پھر بھی صبر ہی کرنا پڑے گا اللہ جانتا ہے یہ لوگ عدو اللہ ہیں اللہ کو جاننے کے باوجود بدزبانی کر رہے ہیں، جب کسی کمینے دشمن سے سابقہ پڑتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ جب وہ معاشرے کے کسی شریف فرد کو پریشان کرتا ہے اور اس کے باوجود وہ خاموش رہتا ہے تو اسے وہ خاموشی بھی ناگوار گزرتی ہے اور اس سے اس کے حوصلے اور بڑھتے ہیں اور پھر وہ لڑنے پر اتر آتا ہے

اسی طرح خالق کے بارے میں بھی ہے کہ اس نے درگزر سے کام لیا مگر معاشرے کے دشمن کا حوصلہ بڑھتا گیا اور نوبت لڑنے پر آ گئی تو اللہ نے پھر شکوہ کیا

☆ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ......(سورہ توبہ 107)

یعنی اب تو اللہ سے اور اس کے محبوب سے لڑائی شروع کر دی گئی ہے جنگ شروع ہو چکی ہے کوئی صلح کرانے والا نہیں ادھر یہ محبّ و محبوب ہیں ادھر عشق و محبت کا دشمن معاشرہ ہے وہ حرب وضرب پر اتر آیا ہے اب تو مجبوراً کسی سے مدد لینا ہوگی کیونکہ اب نصرت کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا

جب اللہ کو معاشرے میں اس کیفیت سے سابقہ پڑا اور نصرت درکار ہوئی تو آواز دی

☆ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ ......(سورہ الصّف 14)

اے ایمان والو اللہ کے مددگار بن جاؤ کیونکہ ان لوگوں کے ساتھ اب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ جو لوگ اختلافات کے مراحل سے گزر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب

www.khrooj.com

معاشرے میں دو فرد یا دو گروہ آپس میں جنگ کرتے ہیں تو دونوں طرف سے نقصان ہوتا ہے، اگر کوئی دوسرا نقصان نہ بھی ہو تو مالی نقصان ضرور ہوتا ہے اور بعض اوقات تو عدالتی لڑائیوں میں مالی حالت اتنی خستہ ہو جاتی ہے کہ کسی نہ کسی سے ادھار بھی لینا پڑتا ہے

اب جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے خالق ممکنات سے جنگ و حرب بھی کی تو وہاں بھی عام معاشرے کے لوگوں کی طرح خالق کو بھی اس کیفیت سے سابقہ پڑتا نظر آتا ہے کہ نوبت ادھار پر پہنچ جاتی ہے اور وہ اپنے کلام پاک میں عام اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے

☆مَّن ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً......(سورہ توبہ 245)

کوئی ایسا مہربان ہے کہ جو اللہ کو کچھ قرض دے دے جو مالی حالت درست ہوتے ہی ادا کر دیا جائے گا، اب ان آیات کو دیکھ کر فیصلہ کریں کیا خالق ان آیات کی رو سے ایک معاشرے کا فرد نظر آتا ہے یا نہیں؟

خود دیکھئے کہیں اسے دھوکہ دیا جا رہا ہے، کہیں اسے فریب دیا جا رہا ہے، کہیں اسے ایذا دی جا رہی ہے، کہیں اس سے جنگ ہو رہی ہے، کہیں وہ امداد طلب کر رہا ہے اور کہیں وہ قرض مانگ رہا ہے یہ معاشرے کا فرد نہیں تو کیا ہے؟

بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ جب یہاں کچھ نہیں بن پڑتا تو دھمکیاں دیتا ہے اچھا اب تو تم نے یہ کام کر لیا ہے پھر ذرا میرا دور اقتدار آنے دو میں تم سے پوچھ لوں گا ان آیات کا آپ بغور جائزہ لیں گے تو وہ قادر مطلق آپ کو اپنے معاشرے کا ایک فرد نظر آئے گا لیکن دوسری طرف اس کی ذات ہے تو اتنی ارفع و اعلیٰ ہے کہ عقولِ

عوالم سے ماورئ ہے اب کوئی بتائے کہ

1 ...... کیا اس کے ساتھ دھوکہ ہوسکتا ہے؟

2 ...... کیا اسے فریب دیا جا سکتا ہے؟

3 ...... کیا اس کے ساتھ سیاست برتی جاسکتی ہے؟

4 ...... کیا اس کے ساتھ خیانت کی جاسکتی ہے؟

5 ...... کیا اسے ایذا اور تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے؟

6 ...... کیا اس تک بدزبانی پہنچ سکتی ہے؟

7 ...... کیا اس سے جنگ ہوسکتی ہے؟

8 ...... کیا وہ ذات مخلوق کی مدد ونصرت کی محتاج ہے؟

9 ...... کیا اس کی مالی حالت کمزور ہوسکتی ہے کہ اسے قرض کی ضرورت محسوس ہو؟

تو آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ کس اللہ کی منظر کشی ہو رہی ہے، اگر اس اللہ کی منظر کشی ہے کہ جو قدیم و واجب ہے تو پھر ہمارا اس اللہ سے جواب ہے کہ جسے مخلوق ایذا پہنچا سکے، جس سے مخلوق لڑنے کی طاقت رکھتی ہو، وہ اللہ کیسا ہے جس کیلئے مخلوق ایک ہمسائے جیسا رویّہ رکھ سکتی ہے؟ جب فکر اس منزل پر پہنچ جائے گی تو ماننا پڑے گا کہ یہ ساری باتیں اس سے متعلق نہیں ہیں بلکہ کچھ پاک ہستیاں ایسی ہیں کہ کوئی ان سے دھوکہ کرتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ یہ دھوکہ مجھ سے ہوا ہے، اگر کوئی شخص ان سے لڑتا ہے تو اللہ کی ذات سمجھتی ہے کہ براہ راست مجھ سے لڑائی لڑی جا رہی ہے کچھ ایسی پاک ہستیاں موجود ہیں کہ جن کی نصرت اللہ کی نصرت ہے، کچھ ایسی پاک ذوات ہیں کہ جن کی راہ میں خرچ کرنا گویا اللہ کو قرض دینا ہے، ساتھ ہی یہ بھی سوچ لیں کہ

قرض خواہ کے سامنے مقروض کی آنکھ ہمیشہ نیچی رہتی ہے مقروض کو اس کی عزت بھی کرنا پڑتی ہے اور احسان مند بھی ہونا پڑتا ہے اگر کوئی شخص ان پاک ذوات سے جنگ کرتا ہے تو وہ سمجھے کہ وہ اللہ سے جنگ کرر ہا ہے اور یہ بھی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ جو اللہ سے جنگ کرتا ہے کیا اسے مسلمان بھی کہنا چاہئے یا نہیں؟

کیا وہ مسلمان ہوسکتا ہے؟ جو شخص ان پاک ذوات کی نصرت کرتا ہے وہ اللہ کی نصرت کرر ہا ہے تو اللہ خود فرماتا ہے

☆يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونوا أَنصَارَ اللَّهِ ......(سورہ الصّف 14)

اے ایمان والو اللہ کے مددگاروں میں سے ہو جاؤ

یہاں ایک اور بات بھی سوچنا پڑے گی کہ اس دور میں کہا جارہا ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگنا چاہئے اب آپ ہی دیکھیں جب اللہ اہل ایمان سے مدد مانگے تو مدد کے مخالفین کی زبانیں بند رہتی ہیں اور اہل ایمان اگر ایمان کل سے مدد مانگ لیں تو فتوے کیسے؟ یہی وہ ذوات ہیں کہ جن کے راستے کو سبیل اللہ کہا گیا ہے اور جو کوئی ان کی نصرت میں شہید ہوتا ہے تو اللہ فرماتا ہے

☆وَمَن يُقَاتِلُ فِیُ سَبِيُلِ اللّٰهِ ...... الخ

کہ یہ تو اللہ کی حمایت میں قتل ہوا ہے اسے مردہ نہ کہو، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کو ایذا کیسے پہنچتی ہے؟ وہ تو کیفیاتِ جسمانی و بدنی سے منزہ ہے اس لئے پہلے تو اسے کوئی ایذا دے نہیں سکتا اور اگر دینے کی کوشش کرے بھی تو اسے ایذا پہنچ نہیں سکتی

اس سوال کے جواب کیلئے ہم خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں رجوع کرتے

ہیں تو ہم وہاں دیکھتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں ایک پاک شہزادی صلوات اللہ علیہا تشریف لاتی ہیں، حضور تعظیم کو اُٹھتے ہیں بڑھ کر پیشانی پر بوسہ ثبت فرماتے ہیں اپنے مقام پر بٹھاتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں

من آذها فقد آذانی و من آذانی فقد آذی الله و من آذی الله فقد کفر

فرماتے ہیں جس نے میری اس شہزادی صلوات اللہ علیہا کو ایذا پہنچائی اس نے گویا مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور اللہ کو ایذا پہنچانے والا کافر ہے

یہاں ہمارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ اللہ کی معاشرت فی الناس کا پہلا مطلب اس خاندان پاک علیہم الصلوات والسلام کا لوگوں میں رہنا ہے کہ یہ لوگوں میں رہ بس نہیں رہے بلکہ اللہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے ان کے ساتھ اختیار کردہ ہر رویّہ گویا اللہ کے ساتھ اختیار کردہ رویّہ ہے، بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ اس سے آگے مقام نسبت آ جاتا ہے کہ ان کے منسوبات کو ایذا دینا بھی گویا اللہ کو ایذا دینے کے برابر ہے، آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ اس نے یہ نئی بات کر دی ہے تو میں عرض کروں گا کہ میں نے یہ نئی بات نہیں کی بلکہ ایک پرانی بات کو دہرایا ہے

آپ دیکھیں مومن کس وجہ سے محترم ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام سے محبت کرنے کی وجہ سے محترم ہوتا ہے، ان کی ولایت کے اقرار کی وجہ سے محترم ہوتا ہے، ان کی محبت اور اطاعت کی وجہ سے محترم ہوتا ہے

اور حدیث قدسی میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ سوال کرے گا اے ابن آدم میں بھوکہ تھا تو نے مجھے کھانا نہ دیا، میں پیاسا تھا تو نے پانی نہیں پلایا، میں برہنہ تھا تو نے

کپڑا نہ دیا میں بیمار تھا تو میری عیادت کو نہ آیا

اس وقت عبد عرض کرے گا خالق تو ان چیزوں سے پاک ہے کہ تو اللہ ہے اس وقت ارشاد ہو گا کہ ٹھیک ہے میں ان باتوں سے منزہ ہوں مگر تیرے پاس تیرا فلاں مومن بھائی آیا تھا اور وہ بھوکا تھا تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا، فلاں مومن بھائی پیاسا تیرے پاس آیا تھا تو نے اس کی آؤ بھگت نہیں کی تھی وغیرہ وغیرہ

یہاں آ کر مقامِ نسبیت بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ہر منسوب چیز کے ساتھ اختیار کردہ رویّہ خود اللہ کے ساتھ رویّہ شمار ہو گا یہ مومنین نہیں بلکہ ہمارے مابین اللہ چل پھر رہا ہے کیونکہ یہ اس پاک در گھر کے سامنے جبینیں جھکانے والے ہیں اس پاک گھر سے محبت کرتے ہیں اب یہ عام انسان نہیں انہیں اپنے معاشرے میں رہتی بستی توحید سمجھو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمٌ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجہٗ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

تصورِ قادریت

اے غواصان بحر عرفان !

ہم اپنے کاروان بیان کو ایک اور منزل کی طرف بڑھاتے ہیں تاکہ دولت عرفان پر شب خون مارنے والوں سے دولت معرفت کو بچایا جا سکے

اس دور میں کم علم لوگوں کے سامنے بعض عیار لوگ عظمت توحید کے بہانے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ چاہے تو جو کام پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام سے لیتا ہے (نعوذ باللہ) وہ ایک مکھی اور مچھر سے بھی وہی کام لے سکتا ہے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کرے اسے کون روک سکتا ہے وہ کسی چیز سے عاجز نہیں ہے

میں اپنے مہربانوں سے گزارش کروں گا کہ یہ حضرات جو اللہ جل جلالہ کو قادر مطلق کہتے ہیں یہ سیدھے سادے لوگوں کو بیوقوف بنانے کیلئے کہتے ہیں ورنہ یہ کتنی حد تک اللہ عزوجل کو قادر سمجھتے ہیں یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے ان کے تصور قادریت کی ایک تصویر ہم پیش کرتے ہیں تاکہ آپ بھی دیکھ لیں

ان کے تصور توحید میں جو تصورِ قادریت ہے اسے ہم اپنی طرف سے بیان نہیں کریں گے بلکہ انہی کے سامنے چند سوالات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تاکہ ان کے جوابات سے واضح ہو جائے کہ کیا واقعی یہ لوگ اللہ کو قادر مطلق یعنی ہر چیز پر

www.khrooj.com

قادر سمجھتے ہیں

(1)......سوال یہ ہے کہ کیا خالق جس طرح اپنے کمال پر قادر ہے کیا اپنے نقص پر بھی قادر ہے؟

(2)......کیا خالق جس طرح مکھی اور مچھر سے ہر کام لینے پر قادر ہے کیا ان کی شکل میں ظاہر ہونے پر بھی قادر ہے؟

(3)......کیا خالق انسانی شکل میں آنے پر بھی قادر ہے؟ اور انسان کو اپنی شکل دکھانے پر بھی قادر ہے؟

(4)......کیا اللہ جل جلالہ انسانی نقطہ نگاہ سے جو برائیاں ہیں ان پر بھی قادر ہے کہ وہ کر سکے؟

(5)......کیا وہ قادر مطلق اپنے جیسا کوئی دوسرا قادر مطلق بنانے پر بھی قادر ہے؟

(6)......کیا اللہ جل جلالہ کسی عورت سے شادی کر کے اس سے بچے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے؟

(7)......کیا قادر مطلق (نعوذ باللہ) وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولنے پر بھی قادر ہے؟

(8)......کیا وہ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا کا مصداق خالق محدود ہونے اور سمٹنے پر بھی قادر ہے؟

(9)......کیا وہ غنی الاغنیا اللہ کھانے پینے پر بھی قادر ہے کیا وہ دال چپاتی یا چرغہ حلوہ کھا سکتا ہے؟

(10)......کیا وہ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللہ رونے، ہنسنے، آنسو بہانے، قہقہہ

www.khrooj.com

لگانے ، یا صرف مسکرانے پر بھی قادر ہے؟

(11)......وہ فعال لما یرید کا مصداق اللہ کیا کسی سے گپ شپ لگانے اور بغیر کسی واسطے کے کسی سے باتیں کرنے پر قادر ہے؟

(12)......کیا وہ یحیی و لا یمیت کا مصداق اللہ کسی کو بلا واسطہ مارنے ، جلانے ، رزق دینے ، بیمار یا صحت مند کرنے پر قادر ہے؟

(13)......کیا وہ لا یدرک الا بصار کا مصداق خالق انسانوں کے سامنے بیٹھ کر اپنی عبادت کروانے پر قادر ہے؟

(14)......کیا وہ حی و قیوم خود پر موت وارد کرنے پر بھی قادر ہے؟

یاد رہے کہ انسان کی زندگی واجب نہیں ہے اور اللہ کی زندگی واجب ہے

(15)......کیا وہ قادرِ مطلق ان سارے سوالات کا جواب ہاں میں دینے پر بھی قادر ہے؟

بھائی صاحب جو خدا کسی دکان سے ایک ماچس کی تیلی خود آکر لینے پر قادر نہیں ہے کیا اسے قادرِ مطلق کہا جا سکتا ہے؟

ان سارے سوالات کا جملہ مکاتیب فکر کے لوگ یہی جواب دیں گے کہ وہ اپنے کمال پر قادر ہے اور وہ نقص سے مبرا و منزہ و پاک ہے، اس لئے یہ ساری باتیں اس میں ثابت کرنا اس میں نقص ثابت کرنے کے مترادف ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذات سے نقائص کا صدور محال ہے اس لئے وہ ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہے

میں عرض کرتا ہوں کہ جو لوگ اللہ کے قادر ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں وہ بھی اسے اتنی باتوں پر قادر نہیں سمجھتے کہ جتنی باتوں سے اسے عاجز سمجھتے ہیں، جب اللہ کی اپنی

www.khrooj.com

عظمت کی بات ہوتی ہے تو یہ اللہ جل جلالہ کو قادر کم اور عاجز زیادہ مانتے ہیں اور جب پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے فضائل کی بات ہو تو یہ اسے ہر نقص اور کمال پر قادر بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس کی قادریت کی آڑ میں یہ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کی عظمت پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں یہ اللہ کا پیار ہے یا پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام سے عداوت ؟

حقیقت یہ ہے کہ اس نورِ اوّل کا کسی غیر کو شریک بنانا، ان کے علاوہ ان کے کسی غیر کو اپنا مظہر بنانا یا ان کے کام کسی غیر سے لینا یہ ساری چیزیں اللہ کے خلافِ شان ہیں اور یہ اللہ کیلئے مترادفِ نقص ہیں اور یہ سارے مسلمان مانتے ہیں کہ اللہ اپنے نقص پر قادر نہیں ہے اپنے کمال پر قادر ہے

یہاں کچھ لوگ پھر فتوے تیار کر رہے ہوں گے تاکہ مجھ پر چسپاں کئے جائیں مگر میں اللہ کے قادر ہونے کے خلاف نہیں ہوں کیونکہ میں اسے جملہ نقائص سے پاک اللہ مانتا ہوں اس لئے اسے نقص پر قادر تسلیم نہیں کر سکتا مجھے معلوم ہے ماضی میں بعض مسالک اسلامیہ نے اللہ کے امکانِ کذب کے اثبات پر کتابیں لکھی تھیں کہ خاکم بدہن اللہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے اور جب چاہے جھوٹ بول سکتا ہے

اس پر جملہ مسالک اسلام نے انہیں برا بھلا کہا تو انہوں نے یہ ثابت کرنے کیلئے وقوع کذب ثابت کرنا شروع کر دیا اور جناب نوح علیہ السلام کے واقعے کو اپنے ثبوت میں پیش کرتے ہوئے بکواس کی کہ اللہ نے نو مرتبہ نعوذ باللہ غلط بیانی کی ہے

اس پر سارے مسلمانوں نے ان کے کافر ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرما کر انہیں خارج از اسلام کیا اور لکھا کہ اللہ اپنے نقص اور توہین پر قادر نہیں ہے اور جو شخص

www.khrooj.com

اسے نقص پر قادر مانے وہ کافر ہے

اس دور میں لفظ ''نقص'' کی جامع و مانع تعریف وضع نہیں کی گئی تھی کہ دائرۂ نقص میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں، اس دور میں یہ کہا گیا کہ جو تقاضہ ہائے جسم وجسمانیت ہیں وہ نقائص ہیں اور جو چیزیں کسی بھی طرح برائی کی تعریف میں آتی ہیں وہ نقائص ہیں اور جو چیزیں اللہ کے مقام اعلیٰ کے شایان شان نہیں وہ نقائص ہیں اور اللہ ان پر قادر نہیں ہے

حقیقت یہ ہے کہ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے نور کو اس نے صادر اوّل قرار دیا اس نور اوّل کو اس نے مظہر ذات بنایا اب یہ اس کا نقص ہے کہ اس جیسا کسی غیر کو بنائے بعض عرفا نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جس طرح اللہ اپنے نقص کو اپنانے کیلئے ساری قدرت صرف کر دے تو تب بھی وہ اپنے نقص کا ارتکاب نہیں کر سکتا اسی طرح اللہ اگر اپنی ساری قدرت صرف کر بھی دے تو نور اوّل جیسا نور نہیں بنا سکتا

یہاں پھر فتوے پر تول رہے ہوں گے مگر میں عرض کروں گا کہ بات کے سنے بغیر تو فتویٰ جہالت ہوتا ہے اس لئے پہلے ہماری بات سن لیں

حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ذہن حسّی مثالوں سے بات کو سمجھتا ہے اور اپنے گرد و پیش سے حقائق کے ادراک کیلئے مثالیں ڈھونڈتا ہے اس لئے یہاں میں ایک تمثیلیہ مکالمہ پیش کرتا ہوں شاید آپ میری بات سمجھ سکیں

ایک شخص نے قلم بنانے کی ایک فیکٹری لگائی جو لاکھوں قلم فی منٹ بناتی تھی اس نے جب پہلے دن کام کرنا شروع کیا تو اس نے سب سے اوّل ایک قلم بنایا اور اس کے بعد قلم بنتے گئے مگر اس فیکٹری کے مالک نے سب سے پہلے بننے والے قلم کو اٹھایا اور

بطور یادگار محفوظ کرلیا کہ یہ میری فیکٹری کا سب سے پہلا قلم ہے

ایک دن وہ اپنے گودام میں گیا جہاں لاکھوں قلم بن کر مارکیٹ میں جانے کیلئے تیار تھے جب اس نے ان قلموں کے بنڈلوں کو دیکھا تو ان میں سے ایک قلم نے اس سب سے اوّل بننے والے قلم سے کہا کیا وجہ ہے مالک تمہیں ہر وقت اپنے سینے سے لگائے پھرتا ہے اور ہمیں دو دو روپے میں بیچنے کیلئے بازار میں بھیج رہا ہے؟

اس قلم نے کہا کہ یہ اس لئے ہے کہ میں اس کی فیکٹری کا سب سے پہلا قلم ہوں اور مجھ جیسا یہ بنا ہی نہیں سکتا اس لئے اس نے مجھے سینے سے لگایا ہوا ہے

اس کی یہ بات سن کر فیکٹری کا مالک چونکا اس نے جیب سے قلم نکالا اور کہا تم یہ کیا کہہ رہے ہو کہ میں تم جیسا دوسرا قلم بنا ہی نہیں سکتا کیا میں عاجز ہوں؟

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میرے پاس وہ فیکٹری ہے جو تم جیسے لاکھوں قلم ایک منٹ میں بنا رہی ہے اور تو کہہ رہا کہ تجھ جیسا میں بنا نہیں سکتا، اس قلم نے کہا مالک تو میرا بھی مالک ہے اور مجھ جیسے کروڑوں قلموں کا بھی مالک ہے اور بھی کروڑوں قلم ایک دن میں بنا سکتا ہے مگر یاد رکھ تو مجھ جیسا ایک بھی قلم نہیں بنا سکتا

مالک نے کہا تم نے پھر میری توہین کی ہے اور کہا ہے کہ میں تجھ جیسا کوئی دوسرا قلم نہیں بنا سکتا، اس قلم نے کہا ویسے تو مالک ہے مگر مجھ جیسا ایک قلم بنا کر مجھے دکھا دے میں مان جاؤں گا، اس قلم کے مالک نے ان لاکھوں قلموں میں سے ایک قلم اٹھایا اور کہا اسے دیکھ کیا یہ تجھ جیسا نہیں ہے؟ اس میں اور تجھ میں کیا فرق ہے خود ہی دیکھ کر بتا اس کا بھی تیرے جیسا رنگ ہے تیرے سائز کا ہے اس کا مادّہ بھی وہی ہے جو تیرا ہے اس نے کہا مالک تیرا حکم بجا ہے کیونکہ اب تو حساب پر اتر آیا ہے تو پھر مجھے مجھ جیسا

قلم بنا کے دکھا مگر یہ یا د رکھ جب میں بنا تھا تو مجھ سے پہلے کوئی قلم تھا ہی نہیں اور میں تیری فیکٹری کا سب سے پہلا قلم ہوں اس قلم کی ہر چیز مجھ جیسی ہے کیا یہ مجھ جیسی اوّلیت کا حامل بھی ہے؟ اب مجھ جیسا لانا ہے تو مجھ جیسا اوّل لا یہ تو بعد کا بنا ہوا ہے

اس مالک نے کہا میں تیرا دعویٰ تو توڑ کر ہی دم لوں گا میں اس فیکٹری کو پھر از سرنو لگواؤں گا اور پھر ایسا ہی قلم بناؤں گا جو تم جیسا اوّل ہوگا، اس قلم نے کہا یہ بھی تیری بھول ہے جب تو یہ فیکٹری پھر سے لگائے گا تو کافی وقت گزر چکا ہوگا مجھ جیسا تو وہ ہو سکتا ہے جو اسی دن اسی وقت اسی لمحے میں بنا ہو جس میں میں بنا تھا اب جو بھی بنے گا مجھ سے بعد میں بنے گا جب ساری باتیں مالک نے سنیں تو اسے سمجھ آئی کہ میں اس بڑی فیکٹری کا مالک ہونے کے باوجود قلم اوّل ''جیسا'' نہیں بنا سکتا

اسی سے اندازہ لگالیں اب تک خالق کائنات اربوں کھربوں کائناتیں بنا چکا ہے اب اگر اس نور اوّل جیسا وہ بنائے بھی تو وہ ان جیسا نہیں بنا سکتا کیونکہ جب یہ بنا تھا اس وقت اور کچھ نہ تھا اب جو بھی صادر ہوگا وہ اوّل قرار نہ پائے گا اس لئے صادر اوّل جیسا تو صادر ثانی بھی نہیں ہوسکتا تو بعد میں بننے والا کیسے ہوسکتا ہے؟

اب اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کو دیگر ہزاروں نسبتوں میں سے ایک نسبت ہی کیوں نہ مان لیں اور انہیں توحید ظاہری کا مقام دینے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کعبہ مظہر توحید نہیں ہے غلاف کعبہ اور ساری نسبتیں مظہر توحید نہیں ہیں اور نہ ہی مظہر ہوسکتی ہیں کیونکہ ان میں توحید کا مظاہرہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور ان میں ذات وصفات الٰہی کے اظہار کرنے کی استعداد نہیں ہے اور

www.khrooj.com

مظہر وہ ہوسکتا ہے جس میں اظہار ہو سکے اور جو ذریعۂ اظہار بن سکے آپ جملہ نسبتوں کو دیکھیں تو یہ بات موجود نہیں ہے ہاں پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام میں یہ خصوصیت موجود ہے

جیسا کہ انسان کی روح کا مظہر جسم ہوتا ہے باقی لباس یا دیگر متعلقات میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ روحِ انسان کی مظہر بن سکیں اسی طرح پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے علاوہ کسی چیز میں یہ صلاحیت موجود ہی نہیں ہے

کائنات کی ہر چیز پر غور آپ خود کریں اور خود سوچیں اور ہر چیز کے ساتھ ان پاک افراد علیہم الصلوات والسلام کا موازنہ کر کے دیکھیں گے تو یہی ماننے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے علاوہ کسی اور چیز کو مظہر توحید نہیں بنایا جا سکتا ہے

کیونکہ مظہر وہ ہوسکتا ہے جو اس کی مکمل ترجمانی کر سکے مگر آپ نے کبھی کسی چیز کو اللہ جل جلالہ کی ترجمانی کرتے نہیں دیکھا ہوگا

اللہ کلام فرماتا ہے تو ان کی زبان سے اس کے کلام کا اظہار ہوتا ہے، یہ پتھر مارتے ہیں تو اللہ فرماتا ہے کہ انہوں نے نہیں مارا میں نے مارا ہے، یہ کسی کو قتل کرتے ہیں تو اللہ فرماتا ہے میں نے قتل کیا ہے، بیعت ان کے ہاتھ پر ہوتی ہے اللہ فرماتا ہے میرے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے، اسی طرح ایک طویل سلسلۂ آیات ہے جس سے یہی ذوات وجہ اللہ، عین اللہ، ید اللہ، جنب اللہ، اذن اللہ، نفس اللہ ثابت ہوتے ہیں

یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ مقام توقیفی ہے اور اللہ عزوجل نے کبھی بھی کسی دوسری چیز کو یہ مقام نہیں دیا اور یہ مقام ان کیلئے اللہ نے وقف فرمایا ہے، جب اللہ بھی یہ مقام کسی کو نہیں دیتا تو اس کا غیر کیسے یہ مقام ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے

کسی غیر کو دے سکتا ہے؟

یہی عین حقیقت ہے کہ اللہ اپنے نقص پر قادر نہیں ہے اور اپنا مظہر ذات بدلنا اس کا نقص ہے اس لئے کسی اور کو مظہر بنانے پر خود اللہ بھی قادر نہیں ہے، اسی لئے اللہ نے اپنے جملہ افعال کا انہی پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام سے اظہار فرمایا ہے اور ان کے ساتھ رکھے جانے والے ہر رویے کو اپنے ساتھ رکھا جانے والا رویّہ قرار دیا ہے اور ان کے افعال کو اپنے افعال قرار دیا ہے

یہی تو مقام مظہریت ہے کہ ان کا بولنا اللہ کی طرف منسوب، ان کا سننا اللہ کی طرف منسوب، ان کا پتھر پھینکنا اللہ کی طرف منسوب، ان کا قتل کرنا اللہ کی طرف منسوب، ان کے جملہ افعال اللہ سے مضاف ہوتے ہیں کیونکہ مظہر جو ہیں یہی ہیں، جیسے ذات کیلئے جسم ہے اور یہ ان کا مقام جسمیت ہے اب کوئی ان کو جھکتا ہے تو اللہ اپنی طرف جھکنا تصور کرتا ہے، اگر کوئی ان کا انکار کرتا ہے تو اسے بھی کفر کا درجہ دیتا ہے، ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، ان کی محبت اللہ کی محبت ہے، اور اگر کوئی جسم سے گستاخی کرتا ہے تو وہ صرف جسم کا دشمن نہیں ذات کا بھی دشمن تصور کیا جاتا ہے جو جسم کی عزت اور قدر کرتا ہے وہ حقیقت میں ذات کی قدر و عزت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ جیسی شفیق اور مہربان ذات جو درگذر کرنے اور معاف کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتی اتنے ضبط و صبر و برداشت والی ذات کو بھی آخر کہنا پڑا ☆ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ کہ لوگوں کو جیسے اللہ کی قدر کرنا مناسب تھی انہوں نے اللہ کی شایانِ شان قدر نہیں کی

میں عرض کرتا ہوں خالق کیا تو کبھی کسی کے پاس مہمان بن کر آیا ہے کہ تیری قدر نہیں

کی گئی؟ آواز آتی ہے ذات کبھی کسی کی مہمان نہیں ہوا کرتی صرف جسم ہی مہمان ہوتا ہے جسم کی قدر رہی ذات کی قدر ہے عزت ہے، میرے مظاہر ذات کا ان کے پاس آنا گویا میں ہی تو تھا جو تم میں رہ رہا تھا اور میری قدر جیسی مناسب تھی اتنی نہیں ہوئی افسوس تو اس بات کا ہے کہ جب دربار خلافت میں صدیقہ ثقلین معظّمہ سینؑ پاک صلوات اللہ علیہا تشریف لائیں تو یہ ایک معظّمہ مستور صلوات اللہ علیہا ہی نہیں تھیں بلکہ اللہ کا مقام مظہریت تھا جو امت کے سامنے اتمام حجت کیلئے سوالی بن کر کھڑا تھا، اب امت نے معظّمہ کونین صلوات اللہ علیہا کو خالی نہیں لوٹایا بلکہ اللہ کو خالی لوٹایا گیا، جو لوگ اس پاک شہزادی صلوات اللہ علیہا کی تعظیم کو نہیں اُٹھے تو درحقیقت انہوں نے اللہ کی تعظیم نہیں کی، پہلو زخمی نہیں تھا یہ جنب اللہ زخمی تھا، یہ شہزادی کونین صلوات اللہ علیہا کو مسئلے سے لاعلمی کا طعنہ نہیں دیا گیا بلکہ سر دربار اللہ سے کہا جا رہا تھا کہ تمہیں علم نہیں ہے، یہ گستاخیاں اللہ کے بارے میں ہو رہی ہیں اب اللہ تعالیٰ ☆مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدرِهِ نہ کہتا تو اور کیا کہتا؟ آپ خود دیکھیں اس آیت میں کتنا درد ہے، کتنا افسوس ہے، کتنی حسرت ہے کہ کاش لوگ اللہ کی قدر کرتے اس کی عزت کرتے مگر کی نہیں گئی کیونکہ اس کے مقام مظہریت کی عزت نہیں ہوئی اور اب وہ وقت آنے والا ہے دعا فرمائیں کہ جلدی آئے کہ جب یہ مظاہر ذاتِ احد اپنی شانِ خداوندی کے ساتھ جلوہ نما ہو کر اپنے نور سے عالمین کو منور فرمائیں

آمین یارب العالمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشريف وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلٰی آلِهِ اَجمَعِين

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

تصورِ خالقیت

اے خلوت گزینانِ حجلۂ معرفت!

اس دور میں عقائد کی سطح پر طوفان چل رہے ہیں ہر انسان اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد بنائے دوسروں پر اپنے عقائد تھوپنے پر مصر ہے اور ان عقائد کی ناپختگی کو دیکھ کر اگر کوئی قبول نہ کرے تو کفر و الحاد کے فتوؤں کی پٹاریاں کھل جاتی ہیں اور جملہ اختلافات کی واحد وجہ یہ ہے کہ کسی نے اللہ عزوجل کی شان کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور کسی نے معرفت توحید پر توجہ نہیں دی۔ کم از کم اس نہ سمجھ آنے والی ذات کو اتنا ہی سمجھ لیا جاتا کہ جو کچھ وہ بقول خود سمجھتا ہے اپنے کلام میں جو تصور توحید قائم کرواتا ہے وہی سمجھ لیا جاتا تو کافی تھا

ماضی میں کچھ علماء نے یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر علم کلام کو جنم دیا اور مغربی انداز میں ذاتِ الٰہی کی حد بندیوں میں مصروف ہو گئے پھر بعد والوں نے ان کے نظریات کا جائزہ لینے کی بجائے ان پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا اور ان نظریات کی قباحتوں اور مفاسد کو بھی رد کرنے کی بجائے سراہا بلکہ اسے معرفت توحید قرار دے دیا، اسی طرح مغربی فلسفہ کی اتباع کرتے ہوئے سورۂ حشر کی آخری آیات کو نشانۂ مشق بنایا

اوران آیات سے مغربی تصور توحید کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے توحید کو چار حصوں میں تقسیم کیا

1...... توحید ذاتی

2...... توحید صفاتی

3...... توحید عبادتی

4...... توحید افعالی

توحید ذاتی سے یہ مراد لیا گیا کہ اللہ کی ایک پاک ذات ہے جس میں کوئی شریک نہیں
توحید صفاتی سے یہ مراد لیا گیا کہ اس ذات کی کچھ صفات ہیں جن میں کوئی بھی شریک نہیں
توحید عبادتی سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک معبود ہے جس کی عبادت میں کوئی شریک نہیں
توحید افعالی سے مراد یہ ہے کہ اس کے افعال میں بھی کوئی شریک نہیں
یوں سمجھ لیں نہ کوئی اس کی ذات کا شریک ہے نہ صفات کا اور نہ کوئی اس کا شریک عبادت ہے نہ افعال میں یعنی سارے کام وہ اکیلی ذات ہی کرتی ہے ان چاروں میں سے کسی توحید میں جو کسی کو شریک سمجھے وہ مشرک ہے
اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی ان چاروں حالات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے؟
اب ہم سلسلۂ کلام نیچے سے اوپر کی طرف لے جائیں گے اور اوپر تک جائزہ لیں گے کیونکہ تفسیر قرآن تو ایک بہت بڑا سمندر ہے جس کا میں شناور نہیں ہوں مگر تفسیر قرآن بالقرآن پر عمل ضرور کرتا ہوں

www.khrooj.com

توحید افعالی

توحید کے اس پہلو پر سورۂ حشر کی آیہ نمبر 24 ملاحظہ فرمائیں

☆هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِءُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاء الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ()

وہ اللہ خالق ہے، باری ہے، مصوّر ہے، یہ اس کے اسمائے حسنٰی یعنی بہترین نام ہیں مترجمین نے خالق کے معنی پیدا کرنے والے کے لئے ہیں اور باری کے معنی بھی پیدا کرنے والے کے لئے ہیں اور مصوّر کے معنی ہیں تصویریں بنانے والا

تخلیق کے عمل کے بارے میں لکھا ہے کہ کوئی بھی چیز جب عدم سے وجود میں آتی ہے تو محتاج تقدیر نہیں ہوتی یعنی لا شئے ہے اور لا شئے سے شئے پیدا ہوئی جب پیدا ہوگئی تو پھر تقدیر اس پر لاگو ہوئی اور وہ شئے تقدیر کے مطابق ایجاد ہوئی یعنی ایجاد میں محتاج تقدیر ہوگئی پھر اسے ایک صورت کی ضرورت ہے ایک شکل کی ضرورت ہوتی ہے تو ایجاد کے بعد ہر شئے تصویر کی محتاج ہوتی ہے تو اللہ ان تین اعتبار سے خالق ہے عدم سے وجود میں لاتا ہے ایجاد کرتا ہے پھر تصویر بناتا ہے ان تینوں مراحل میں وہ لا شریک ہے......(تفسیر صافی 497)

اس سے ایجاد کے تین مراحل کا پتہ چلتا ہے

() لا شئے سے مادّے کا یا شئے کا لباس شئے میں آنا

() مادّے سے شئے کا لباس وجود ممیّز میں آنا

() تخلیق سے مادّے کا ایک مخصوص صورت میں آنا

www.khrooj.com

اس لئے پہلے ہم لفظ ''خالق'' کو دیکھتے ہیں کلام اِلٰہی کی تلاوت سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ ''خالق'' اسی شکل میں کلام اِلٰہی میں آٹھ(8) مرتبہ آیا ہے چار مرتبہ اللہ نے فرمایا ہے

☆اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ...... اللہ ہر شئے کا خالق ہے

کہیں لفظ اللہ ہے تو کہیں لفظ ''ھو'' مگر مقصد یہی ہے کہ وہ ہر شئے کا خالق ہے دو مرتبہ اس نے خود کو انسان کا خالق فرمایا ہے یعنی ☆ إِنِّیْ خَالِقٌ بَشَراً مِن طِيْنٍ انسان کی خلقت اولیٰ کے ذکر میں خود کو فاعل یعنی خالق قرار دیا ہے ایک مرتبہ سورہ فاطر کی آیہ نمبر 3 میں اتنا فرمایا ہے کہ☆هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ کیا کوئی اللہ کے سوا خالق بھی ہے؟ یہ سوالیہ جملہ ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے

آخری مرتبہ عنوانیہ آیت یعنی سورہ حشر میں فرمایا ہے کہ ☆هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِیءُ......الخ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کن کن چیزوں کا خالق ہے؟ اس کے جواب میں قرآن مقدّس ایک طویل فہرست فراہم کرتا ہے مثلاً وہ ارض و سماء کا خالق ہے، موت وحیات کا خالق ہے، گویا کائنات کا خالق ہے، ہم جب دنیا میں تخلیق کے عمل کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ایک انسان کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ کوئی چیز بنارہا ہوتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی معاون بناتا ہے کچھ آلات استعمال کرتا ہے

ہمیں خالق کے عمل تخلیق کو بھی دیکھنا ہے کہ اس تخلیق کے عمل میں اس نے کسی کو شریک بھی کیا ہے یا خود ہی خلق کا عمل کرتا رہا ہے یا اس نے کسی آلے کو بھی استعمال کیا ہے یا سارے کام اپنی ذات سے لیتا رہا ہے؟

متکلمین تو کہتے ہیں کہ تخلیق کا فاعل صرف اور صرف اللہ ہے کسی اور کو خالق کہنا شرک ہے لیکن عرفا ایک روایت پیش کرتے ہیں جو آپ لوگوں نے بھی سنی ہوئی ہے یہاں اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں کہ

کسی نے امام صادق آل محمد علیہ الصلوات والسلام سے عرض کیا آقا کیا اللہ کے سوا بھی کوئی خالق ہے؟ فرمایا ہاں ہے تو اس نے آیت پڑھی ☆''هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ '' یعنی اللہ کے سوا کون خالق ہے؟ امام عالی مقام علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تو نے سورہ مومنون میں نہیں دیکھا ☆فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ

یعنی خالق تو اور بھی ہیں مگر اللہ سب سے بہترین خالق ہے

اس نے عرض کیا حضور پھر اللہ کے سوا دوسرا کوئی ایک خالق تو دکھائیں؟ فرمایا تو نے سورہ آل عمران میں نہیں دیکھا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے

☆أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِ اللّهِ ...... (49)

جناب عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندے کو خلق کرتا ہوں پھر اس میں پھونک ماروں گا تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن جائے گا تو جو خلق کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے یعنی ''اَخْلُقُ'' فرما رہا ہے پھر اس سے فعل تخلیق صادر بھی ہو رہا ہے تو کیا وہ خالق ثابت ہے کہ نہیں؟

پھر یہاں صرف خالق ہونے کا دعویٰ نہیں ہے بلکہ الوہیت کے لب و لہجہ میں دعوۂ کن فیکون بھی کر رہا ہے کہ میں پھونک ماروں گا ''یکون طیراً'' وہ پرندہ ہو جائے گا اب کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ اس کے بعد لفظ ''باذن الله'' بھی تو موجود ہے اس

پر آئندہ اوراق میں بحث ہوگی

اصول یہ ہے کہ تصویر کے دونوں رخ دیکھنا چاہئیں اس لئے اس تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھتے چلیں آیت ہے کہ☆ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ یعنی ’’وہ ہر شئے کا خالق ہے‘‘

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کائنات کی جتنی اشیاء ہیں چاہے وہ مادّی ہیں، جمادی ہیں، نباتی ہیں، فعلی ہیں، قولی ہیں، کیفی ہیں، جذبی ہیں، روحانی ہیں، ظلمانی ہیں، نفسانی ہیں، شہوانی ہیں، خیری ہیں، شری ہیں، کیا ان سب اشیاء کا خالق اللہ ہی ہے؟ یعنی جس طرح وہ صدق کا خالق ہے کیا اسی طرح کذب کا بھی خالق ہے؟ وہ خیر کا تو خالق ہے ہی مگر کیا شر کا بھی خالق ہے؟ کیا نیکی کو بھی وہی پیدا کرتا ہے برائی کو بھی وہی پیدا کرتا ہے؟ کیا واقعی ہر چیز کی تخلیق کا سہرہ اسی ذات مقدّس کے سر پر موزوں ہے؟

مسلمات اعمال میں دیکھیں باقیات الصالحات کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جو بھی کسی بدعت کو جنم دیتا ہے اس پر ایک جماعت کا عمل ہے تو جب تک وہ بدعت جاری رہے گی اس کا موجد یا خالق اس جرم میں برابر کا شریک ہے چاہے وہ بدعت پیدا کرنے والا مر ہی کیوں نہ جائے اس کا نامۂ عمل کھلا رہے گا اور گناہ درج ہوتے رہیں گے

اگر اسی طرح ہر چیز کا فاعل حقیقی خدا ہے تو پھر یہ اعمال صالحہ کی دنیا ویران ہو جائے گی جنت اور جہنم کا تصور بے سود ہو جائے گا حدود و قیود، حدود و تعزیرات اور امتیازِ خیر و شر ختم ہو جائے گا، لہٰذا اتنا تو عقل سلیم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ خالق اضداد و نقائص نہیں ہے نقص کا صدور اس سے محال ہے لیکن اضداد کا وجود بتا رہا ہے کہ

نقائص کے خالقین بھی موجود ہیں

اس طرح دیگر خالقین کے وجود سے انکار خلاف عقل ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے خود کو احسن الخالقین فرمایا ہے کہ خالقین تو اور بھی بہت سے ہیں مگر بہترین خالق اللہ ہے، اب مسئلہ پہلے والا پھر بھی باقی ہے کہ کیا تخلیق کے عمل میں کوئی اس کا شریک بھی ہے یا نہیں؟

پہلے ذرا لفظ خالق کے معنی دیکھتے جائیں تا کہ بات سمجھ میں آ سکے ''خالق وہ ہوتا ہے کہ جو شئے سے شئے پیدا کرے یا کر لے'' یعنی مادّہ موجود ہو اس سے نئی چیز بنا دے جیسے موم موجود ہو اسے ڈھال کر موم بتی کی شکل بنا دے، جیسے برتن ساز مٹی سے برتن بناتا ہے مٹی موجود ہے اس سے برتن بنا دیا تو یہ تخلیق ہے جیسے اربعہ عناصر موجود تھے مٹی بھی، پانی بھی، آگ بھی، ہوا بھی، تب آدم کی تخلیق ہوئی علّت مادّی سے تخلیق کرنے والا خالق ہوتا ہے اور جو لا شئے سے شئے بنا دے وہ خالق نہیں باری ہوتا ہے جن و انسان ملکوت وغیرہ کی تخلیق کی وجہ سے وہ خالق کہلا سکتا ہے مگر باری وہ نہیں کہلا سکتا یعنی جنات کی تخلیق سے قبل ''نار'' آگ کا وجود تھا انسان سے پہلے مٹی وغیرہ موجود تھی ملکوت کی تخلیق سے قبل نور موجود تھا، اب سوچنا یہ ہے کہ وہ باری کب بنا؟ اس پر پھر بات ہو گی کیونکہ میرا موضوع گفتگو ہے ''خالق'' تو اپنی بات پر واپس آتے ہیں کہ کیا وہ تخلیق کا عمل بلا شرکت غیرے کرتا ہے؟ جہاں جہاں اس نے جن جن افعال کو خود سے منسوب کیا ہے کیا وہاں وہاں تخلیق اس نے خود کی ہے؟ اور نہ کوئی وسیلہ بنایا ہے، نہ کوئی آلۂ کار بنایا ہے، نہ کوئی مظہر بنایا ہے بلکہ سب کچھ کیا وہ خود کرتا رہا ہے؟

تو یہاں آ کر وہی متکلمین جو توحید افعالی میں کسی کو شریک سمجھنے والے کو مشرک کہتے ہیں وہی کہتے ہیں کہ اس نے ملکوت کو وسیلہ بنایا ہے، وہ ان افعال کے صدور سے منزہ ہے اور وہ افعال سے مباشر نہیں ہوتا

آپ دیکھ رہے کہ انہوں نے خود ہی فتویٰ دیا تھا کہ اللہ کے کسی عمل تخلیق میں شریک و آلہ و وسیلہ ماننا شرک ہے اور خود ہی مان رہے ہیں کہ وہ خالق اس سے ارفع ہے کہ افعال سے مباشر ہو

جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ملکوت بھی تو غیر اللہ ہیں انہیں تخلیق میں کیسے شامل سمجھا جا سکتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ملکوت تو مقامِ آلیت پر فائز ہیں جیسے کوئی آدمی قلم سے لکھتا ہے تو لکھنے کا عمل قلم سے نہیں انسان سے منسوب ہوتا ہے قلم تو آلۂ کار ہے اصل فاعل تو انسان ہے یعنی حقیقی فاعل انسان ہے اسی طرح وہ فاعل حقیقی ہے اور ملکوت قلم کی طرح تخلیق کا آلہ ہیں، میں تو اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ فاعل حقیقی قلم ہے یا انسان کیونکہ عبارت لکھنے کا عمل تو حقیقتاً قلم کر رہا ہے انسان تو لکھوا رہا ہے وہ لکھ رہا ہے، جو لکھ رہا ہے اصل فاعل وہ ہے یا جو لکھوا رہا ہے؟ چلو اس بات کو چھوڑتے ہیں بات بڑھ جائے گی

ان لوگوں کے بقول اصل فاعل اللہ کی ذات ہے مگر ہمیں بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ یہاں آ کر اپنی تردید خود کیوں کرتے ہیں اس کی کیا وجوہات ہیں؟

() پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تقسیم کا عمل تو انہوں نے مغربی فلاسفہ کی اتباع میں کر لیا کہ توحید کی چار قسمیں ہیں کیونکہ اس بات کی گنجائش اسلام میں تھی ہی نہیں اس لئے وہ فارمولا اکثر مقامات پر غلط ثابت ہوتا گیا تو مجبوراً واپس لوٹنا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نہ

اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

( ) دوسری وجہ یہ ہے کہ کچھ مقامات پر اللہ کو بلا واسطہ خالق ماننے میں بڑی قباحتیں سامنے آ جاتی ہیں مجبوراً تخلیق کے عمل میں کسی کو اس کا شریک بنانا پڑتا ہے چاہے بطور آلہ یا وسیلہ یا مظہر ہی کیوں نہ ہو مگر شریک ماننا ناگزیر ہوتا ہے

مثال کے طور پر ایک آیت سورہ واقعہ کی پیش کرتا ہوں

☆أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ ( ) أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ......(59)

یعنی انسان سے خطاب ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو مادّہ تم ارحام میں ڈالتے ہو اس سے (بچہ) ہم تخلیق کرتے ہیں یا تم اس کے خالق ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے مادّہ منویہ سے بلا واسطہ تخلیق اللہ کے شایان شان ہی نہیں اگر یہ کام خود کرے تو خود نہ رہے، اس مقام پر مجبوراً کہنا پڑا کہ یہ کام ملکوت کرتے ہیں یعنی ایسے کاموں کی تخلیق میں وہ اللہ کے شریک کار ہیں مگر بطور آلے کے نہ کہ شریک کے

جب یہی سوال بابِ مدینۂ علم امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے سامنے ہوا تو ایک مختصر مگر بہت خوب صورت اور جامع جواب عطا فرمایا گویا علم کی کلید تھما دی کہ معرفت کے دروازے خود کھولتے جاؤ فرمایا

جن افعال کو خالق نے جمع کے صیغے میں استعمال فرمایا ہے ان افعال کے صدور میں اس کی ذات کے مظاہر واُمنا و وسائل اسباب شامل ہیں جن افعال کے صدور کو اس نے ہمیشہ واحد کے صیغہ کے ساتھ خود سے منسوب فرمایا ہے وہاں اس سے مراد اس کی ذات ہی ہے غیر کی شرکت ممکن ہی نہیں یعنی جہاں اس نے ''ہم'' (نَحنُ) کا لفظ

استعمال فرمایا ہے وہاں تخلیق کے عمل میں ہم اور ہمارے خدّام یعنی ملکوت بھی شریک ہیں کہیں کہیں تو ملکوت بھی داخل ''ھم'' نہیں ہیں

آیئے ہم بھی دیکھ لیں کہ کہاں کہاں اس نے ''ھم'' کا لفظ استعمال فرمایا لیکن جمع متکلم کیلئے عربی زبان میں ''نا'' یا ''نَحنُ'' وغیرہ استعمال ہوتے ہیں جہاں جہاں ''نا'' یا ''نَحنُ'' ہوگا وہاں وہاں اس کے ساتھ کچھ اور شخصیات کو مصروف کار سمجھنا ناگزیر ہوگا

سورہ الحجر کی آیہ نمبر 27 میں ارشاد فرمایا ہے کہ ☆وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُوم ...... یعنی جنات کو ہم نے پہلے ہی آگ سے خلق فرما دیا تھا تو یہاں جمع متکلم کا صیغہ ہے یعنی جنات یا شیطان کی تخلیق میں کوئی نہ کوئی اس کا شریک کار رہا ہے یہاں مولوی صاحبان کہہ سکتے ہیں اس کی تخلیق میں ملکوت نے بطور آلہ کے کام کیا ہوگا لیکن ایک مقام پر ملکوت سے فرماتا ہے

☆إِنِّی خَالِقٌ بَشَراً مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ......(سورہ الحجر آیہ نمبر 28)

کہ دیکھو میں خود ایک بشر کو بجھتے ہوئے ٹھیکرے سے جو کیچڑ سے ہے بنا رہا ہوں یہاں ملکوت کو جو مقامِ آلیت پر فائز ہیں سامنے کھڑا کر کے فرماتا ہے

یہ میں خود خلق کر رہا ہوں بالکل تنہا بنا رہا ہوں بغیر وسیلے اور آلہ کے بنا رہا ہوں

ہم بھی سوچتے ہیں کہ شاید آدم علیہ السلام کو اس نے بلا شرکت غیرے بنایا ہوگا مگر پھر انہی الفاظ کا جب اس سورہ میں اعادہ فرماتا ہے تو فرمایا ہے

☆وَلَقَدْ خَلَقْنَا الإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ......(الحجر آیہ 26)

یعنی ہم نے انسان کو صلصال اور گیلے کیچڑ سے بنایا، تو یہاں جمع کا صیغہ استعمال فرما

کر ثابت کر رہا ہے کہ ملکوت آلۂ کار ہیں مگر کچھ شخصیات میری اکائی میں شامل ہیں کہ جمع کا لفظ استعمال کروں یا واحد کا بات ایک ہی ہے نہ وہ میرے غیر ہیں نہ میں ان کا غیر ہوں

امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا☆ خمرت طينة آدم اربعين صباحا

ان کے اس خطبے کا فارسی ترجمہ زبان زد خاص و عام ہے......ع

بدست خود گل آدم سرشتم

آدم کی تخلیق میں شرکت امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام ثابت ہوگئی لیکن ایک نکتہ ابھی باقی ہے کہ نا اور نَحنُ عربی میں دو افراد کیلئے نہیں بولے جاتے بلکہ دو سے زیادہ یعنی کم سے کم تین افراد زیادہ سے زیادہ جتنے سمجھ لیں پانچ سمجھ لو، بارہ سمجھ لو، یا چودہ سمجھ لو، تو تخلیق آدم میں اللہ کے شریک کار دو سے زیادہ ہیں یعنی ''خلقنا'' ہم بہت سوں نے خلق فرمایا ہے تو ثابت ہوا کہ تخلیق آدم میں چودہ کے چودہ عمل تخلیق میں شامل تھے کیونکہ یہ مظہر ہیں

جیسے جسم کے اعضا مظہر ہوتے ہیں اور اعضا کا عمل ذات سے منسوب ہوتا ہے تو خالق نے قرآن میں خلق کرنے میں جہاں جہاں جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے وہاں وہاں چودہ پاک اس کے اس فعل میں شامل ماننا ہوں گے

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو پھر مغربی فلاسفہ کی اتباع میں توحید افعالی میں شریک سمجھنے پر شرک کا فتویٰ کیسا؟ کیونکہ یہ شریک تخلیق تو تھے مگر بطور مظہر نہ کہ شریک کے طور پر کچھ ماہرین ''فن'' نے یہ موشگافی کی ہے کہ جمع کا صیغہ عظمت کیلئے آیا ہے، احترام ذات کے پیش نظر آیا ہے

www.khrooj.com

میں عرض کروں گا کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ خالق اور مخلوق کے اقدار جداگانہ ہیں جیسے مخلوق میں سے کسی ذی عزت فردِ واحد پر جمع کا صیغہ نہ لانا خلافِ احترام ہے اسی طرح اللہ پر جمع کا صیغہ لانا اس کی وحدت کی شان کے خلاف ہے اس کی وحدت کی شان اسی میں ہے کہ اس پر واحد کا صیغہ بولا جائے یہی وجہ ہے کہ کسی دعا میں آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام نے اللہ کیلئے جمع کے صیغے استعمال نہیں فرمائے یا وہ دعائیں کہ جو قرآن میں خود اللہ نے انبیا کو تعلیم کی ہیں یا مخلوق کو تخاطب کا شرف بخشا ہے کہیں بھی جمع کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا کیونکہ اس کی عظمت وحدت ہی سے قائم ہے

شرک

ہمارے مہربان ہر بات پر شرک شرک کا فتویٰ دیتے چلے جاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ شرک کی دو قسمیں ہیں یعنی شرک عظیم و شرک صغیر

() شرک عظیم کیا ہے؟

☆ھو اثبات شریك الله ذالك اعظم كفر ...... اللہ جیسا کائنات میں دوسرا اللہ ثابت کرنا

() شرک صغیر کیا ہے؟

☆وھو مراعاۃ غیر الله معه فی بعض الامور وھو ریا و النفاق

اللہ سے مخصوص امور میں غیر اللہ کی خوشنودی و رعایت رکھنا اور اس طرح ریاکاری اور منافقت بھی ایک شرک ہے

اب کوئی یہ بتائے کہ وہ کون سا مومن و شیعہ ہے جو اللہ کے مقابلے میں اس جیسا اللہ

کسی کو مانتا ہے؟ یا کوئی یہ بھی آگاہ فرمائے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کی پاک آل علیہم الصلوات والسلام کی خوشنودی اور رضا جوئی شرک ہے؟ یار یا ہے یا منافقت ہے؟

حالانکہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ

☆ان اللہ تعالیٰ قال لنبیہ انی شرفتك و فضلتك علیٰ جمیع خلقی شرکتك فی أمری و امرت بطاعتك مع طاعتی ......الخ

اللہ جل جلالہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا میں نے آپ کو اعزاز بخشا ہے اور عالمین سے یہ فضیلت بخشی ہے کہ آپ کو اپنے معاملات میں شریک فرمایا ہے اور اپنی اطاعت کی طرح آپ کی اطاعت کا حکم دیا یعنی اطاعت میں بھی آپ میرے شریک ہیں ذکر میں بھی ، رضا میں بھی ، محبت میں بھی ، اتباع میں بھی

اس کے ثبوت کیلئے پورا قرآن چھلک رہا ہے مثلاً

☆أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِی الأَمْرِ مِنكُمْ

اللہ کی اطاعت میں چہاردہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کو برابر کا شریک فرمایا گیا ہے اسی طرح ☆''ذکری ذکر اللہ و ذکر اللہ عبادۃ'' کے تحت انہیں مشارکت فی الذکر بھی بخشی اور شریک عبادت بھی کیا کہ ان کا ذکر اللہ کے ذکر کی طرح عبادت ہے

اپنے افعال کو ان کا فعل قرار دے کر اور ان کے افعال کو اپنے افعال قرار دے کر انہیں توحید افعالی میں شریک فرمایا ہے تو پھر اس پر ''شرک مذمومہ'' کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے؟

شرک کی صورتیں

شراکت کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے چند ایک کو دیکھ لیں

1......ایک شرکت ہے کاروبار میں شریک مال ہونا اور مال کا حصہ لینا

2......ایک شرکت قتل میں شریک ہونے کی طرح ہوتی ہے یعنی

☆''تعاون فی القتل والرضا علیٰ القتل والخذل المقتول''

یعنی قتل کروانے میں عملی طور پر ساتھ دینا ایک شرکت ہے، اس میں مالی یا دیگر کوئی تعاون کرنا اکسانا وغیرہ ایک شرکت ہوتی ہے، کسی مقتول کے قتل پر راضی ہونا، کیونکہ فرمان ہے الراضی کالشریك اگر کوئی مومن مشرق میں قتل ہوتا ہے اور مغرب میں کوئی اس کے قتل کا سن کر خوش ہوتا ہے یا افسوس نہیں کرتا وہ بھی اس کے قتل میں شریک تصور ہوتا ہے اسی طرح ایک شخص قتل کرتا ہے اور دوسرا غیر جانب دار ہوکر دیکھتا رہتا ہے یا مقتول کو قتل ہونے سے نہیں بچاتا یا اسے تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے تو یہ بھی قتل میں شریک ہوتا ہے کیونکہ حدیث ہے☆''الخاذل اخی القاتل''

3......ایک شرکت شریک مملکت کی طرح کی ہوتی ہے جیسے شریک مملکت اختیارات میں حصہ دار ہوتا ہے

4......ایک شرکت ترکیبی ہوتی ہے جیسے ذات کو مرکب سمجھ کر اس میں کسی کو شریک بطور جزو سمجھنا یہ بھی شرک ہی میں شامل ہے

مفہوم شرک باللہ

اگر شرک باللہ کا مفہوم سمجھنا ہو تو پہلے ''شرک بالنبوّت'' کو سمجھنا ہوگا

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اپنے نبی کے علاوہ کسی بھی نبی کو نبی ماننا شرک بالنبوّت نہیں ہوتا ورنہ سارے اہل کتاب کی طرح جملہ مسلمان مشرک بالنبوّت قرار پائیں گے کیونکہ انجیل میں ایک لاکھ چوالیس ہزار انبیا ورسل کا تصور موجود ہے اور مسلمانوں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا ورسل کا تصور موجود ہے اس طرح لاکھوں نہ سہی صرف دو چار انبیا کو ماننا بھی شرک بالنبوّت ہوگا جبکہ کلام اِلٰہی میں حکم ہے کہ وہ مومن ہی نہیں جو انبیا ما سلف کی نبوّت سے انکار کرے......شرک بالنبوّت یہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کو نبی ماننا بلکہ شرک یہ ہے کہ ان کے مقابلے میں نہ سہی مگر کسی غیر نبی کو نبی ماننا ہی شرک فی النبوّت یا شرک بالنبوّت ہے

شرک فی الامامت بھی اسی طرح ہے کہ کسی غیر منصوص من اللہ امام کو امام ماننا شرک بالامامت ہے نہ کہ ایک کے علاوہ کسی بھی امام کو امام ماننا شرک بالامامت ہے

اگر اس طرح کا عقیدہ شرک قرار پائے گا تو بارہ آئمہ ھدیٰ علیھم الصلوات والسلام پر ایمان لانے والے نعوذ باللہ مشرک قرار پائیں گے جبکہ حکم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی واقع ہو تو وہ سارے آئمہ ھدیٰ علیھم الصلوات والسلام کا انکار ہے اور یہ کفر ہے

اسی طرح شرک باللہ یہ ہے کہ جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے شریک فی الامور ہونے کا نہیں فرمایا انہیں شرکائے باللہ ماننا شرک باللہ ہے نہ کہ جنہیں اس ذات واجب نے اپنے ساتھ شریک کرنے کا حکم دیا ہے انہیں شریک ماننا بھی شرک باللہ ہے

حقیقت یہ ہے کہ جنہیں ذات واجب الوجود نے اپنے افعال کا مظہر یا آلہ یا وسیلہ بنایا ہے ان کے افعال وتدبر وتصرف اللہ ہی کا تدبر وتصرف ہے اس میں دوئی کا کوئی

www.khrooj.com

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

آپ دیکھیں ایک آدمی کشتی چلا رہا ہوتا ہے اس کے دونوں ہاتھ پتوار چلا رہے ہوتے ہیں، گویا یہ دو فاعل ایک فعل میں شریک ہوتے ہیں ان دو فاعلوں کے باوجود فاعل ایک ہی شمار ہوتا ہے ...... اسی طرح ایک آدمی کار چلا رہا ہوتا ہے تو اس میں کئی فاعل اس فعل میں شریک ہوتے ہیں مثلاً

ایک ہاتھ سٹیئرنگ وہیل کو کنٹرول کر رہا ہوتا ہے

دوسرا ہاتھ گیئر بدلنے میں مصروف ہوتا ہے

ایک پاؤں کلچ کنٹرول کر رہا ہوتا ہے

دوسرا پاؤں ایکسی لیٹر کو سنبھالتا ہے

نگاہیں سڑک دیکھ رہی ہوتی ہیں

کان دوسری ٹریفک کے ہارن وغیرہ سن رہے ہوتے ہیں اس طرح سارے اعضا اپنا اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں اور یہ کئی فاعل مل کر ایک فعل کو انجام دے رہے ہوتے ہیں مگر حقیقتاً اس کا فاعل ایک ہی ہوتا ہے

اسی طرح جملہ مظاہر توحید اور وسائل اور آلات و ذرائع و وسائط مل کر ایک فعل کو انجام دیتے ہیں مگر ان کا فاعل بھی ایک اللہ عزوجل ہی رہتا ہے

اب اس میں شرک کی گنجائش کہاں سے نکل سکتی ہے ہاں جو جبراً کسی کو مشرک بنانا چاہے تو اس کی مرضی

اس ساری بحث سے ثابت ہوا ہے کہ تخلیق کا عمل صرف ذات واجب الوجود پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس کے مظاہر ذات بھی اس عمل میں وسیلہ وسبب وعلّت فاعلی کا

مقام رکھتے ہیں اور خلق کرنے کا عمل انبیا علیہم السلام نے کر کے دکھایا ہے جیسا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کی جا چکی ہے اس کا اصلی مظاہرہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے زمانۂ اقتدار میں ہوگا جب ہر مومن مقام خالقیت پر فائز ہوگا اور وہاں جو چاہے گا خلق کرے گا

سچ تو یہ ہے کہ جسے کہتے ہوئے ڈر بھی لگتا ہے کہ خالق کائنات کے معاونِ تخلیق کائنات جب اس دنیا میں ظہور پذیر ہوں گے تو وہ اپنے تمام چاہنے والوں کو ''کن فیکونی'' کا حامل بنا دیں گے اور مومنین سے اگر کوئی یہ سوال کرے گا کہ خدا خالق ہے تو کس طرح ہے؟...... تو جواب میں وہ دلائل پیش کرنے کی بجائے اسی وقت اپنی قدرت سے اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھا دیں گے

تمام مسلمانانِ عوالم سے اپیل ہے کہ وہ ہر وقت دعا گو رہیں کہ ہمیں اپنے خالق کا دیدار جلدی نصیب ہو کہ جب یہ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

باذنِ اللہ

اے بلانوشان بادۂ عرفان!

اس سیر طریق معرفت میں اب ہم ایک منزل اور آگے جانا چاہتے ہیں

اس دور میں جولوگ معجزات آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام میں مین و میخ نکالتے ہیں وہ ایک لفظ پر بہت زور دیتے ہیں وہ ہے ''بِاذنِ اللّٰہ'' جیسا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا

☆فَیَکُونُ طَیْراً بِإِذْنِ اللّهِ ......(آل عمرانؑ)

اللہ کے اذن سے فوراً پرندہ ہو جائے گا اس لفظ کے سہارے یہاں تک کہہ دیا جاتا ہے کہ معجزہ فعل انبیا و آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام ہی نہیں ہے بلکہ یہ خالق کا فعل ہے اور کہنے والے کہتے ہیں یہ ایک معجزہ تھا اور معجزات کا فاعل اللہ ہے نہ کہ نبی یا رسول

یعنی جب اللہ اذن دیتا ہے تو معجزے کو ظاہر بھی کر دیتا ہے آج کل یہ بحث بڑے زوروں پر ہے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے یا صاحب اعجاز کا فعل ہے یعنی کچھ کہتے ہیں کہ اللہ اذن دیتا ہے تو معجزہ ہو جاتا ہے، اس دور میں غلط فہمیوں کو جنم دینے والا لفظ ہے ''اذن''

یہ ایک مسلّمہ ہے کہ جب کسی لفظ کو عام کر دیا جاتا ہے تو اس کے معنی مبہم ہو جاتے ہیں

www.khrooj.com

اور کوئی اس کے اصلی معنی کی طرف توجہ نہیں دیتا اس سارے معاملے میں یہی لفظ ''اذن'' ہی قابل توجہ تھا اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی سے بے اعتنائی برتی گئی ہے حالانکہ اسی لفظ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس بحث نے جنم لیا ہے کہ معجزے کا فاعل مختار کوئی نبی یا امام نہیں ہوتا بلکہ معجزات کا فاعل مختار خود اللہ کی ذات ہے نبی تو ایک دکھاوا ہے سبھی عمل تو اللہ کرتا ہے، انبیا و آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام تو اللہ سے گذارش کرتے ہیں کہ

اے میرے اللہ ذرا اپنے اذن سے میرا معجزہ میری امت کو دکھا دے

اے میرے اللہ تو ''اللہ کے نام پر'' معجزہ دکھا دے

میں سمجھتا ہوں اگر اس لفظ ''باذن اللہ'' کو کلام اِلٰہی میں تلاش کر لیا جاتا اور اس کے معنی پر غور کر لیا جاتا تو معاملہ آسانی سے سلجھایا جا سکتا تھا کیونکہ جب اس کے معنی واضح ہو جاتے تو اشتباہات ختم ہو جاتے

آیئے ہم ہی اس لفظ ''اذن'' کو کلام پاک میں دیکھ لیتے ہیں

قرآن مجید میں لفظ اذن تقریباً 22 بائیس مرتبہ استعمال ہوا ہے

اب ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ یہ لفظ کن حالتوں اور کن معنی میں وارد ہوا ہے اور اس دور میں اس کے جو معنی لئے جاتے ہیں کیا قرآن میں اس کے معنی وہی ثابت بھی ہوتے ہیں یا نہیں، انبیا و رسل علیہم السلام کے معجزات کے بارے میں ارشاد ہے

☆ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ...... (رعد 38)

اللہ کے ''اذن'' کے بغیر کوئی رسول معجزہ نہیں لا سکتا

اسی طرح جب انسانوں کی موت کے بارے میں فرمایا

☆ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ الله ...... (آل عمران 145)

اللہ کے ''اذن'' کے بغیر کوئی نفس مر ہی نہیں سکتا

جہاں مومنین کے ایمان لانے کا ذکر ہے تو فرمایا

☆وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّهِ ...... (یونس100)

اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نفس ایمان لا ہی نہیں سکتا

یہ تینوں آیات ''وما کان'' سے شروع ہوتی ہیں اور ''باذن اللہ'' پر ختم ہوتی ہیں

ان آیات میں ذرا ''اِذن'' کے معنی کو دیکھ لیں یعنی کوئی رسول معجزہ نہیں لا سکتا، کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا، کوئی نفس مر نہیں سکتا، مگر اللہ کے اذن سے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا تو گویا وہ ایمان لانے کا فاعل مختار نہ رہا یعنی اللہ چاہتا ہے تو کوئی ایمان لا سکتا ہے ورنہ نہیں، بہ الفاظ دیگر جس طرح اللہ عزوجل معجزے کا فاعل حقیقی ہے اور نبی فاعل مجازی، اسی طرح ایمان کا بھی فاعل حقیقی اللہ ہے اور انسان فاعل مجازی ہے یعنی جس طرح نبی معجزے کا ڈمی (Dummy) فاعل ہے اسی طرح مومن ایمان کا ڈمی (Dummy) فاعل ہے اور ایمان لانا اللہ کا فعل ہے

اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہوگا کہ اگر کوئی ایمان نہیں لا رہا تو بھی اس کی بے ایمانی کا موجب نعوذ باللہ...... ہے

اب خود سوچیں کہ اگر اس نظریے پر عقیدے کی بنیاد رکھ دی جائے تو نتیجہ کیا ہوگا؟

مومنین کو ایمان کے ساتھ جنت اور نجات اور اعمال کے ثواب کا وعدہ بھی ہے اور صورت حال یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لانے پر فاعل مختار نہیں تو ماجور و مثاب کیسے ہو گا؟

www.khrooj.com

ایمان لانے میں ایمان لانے والوں کا کون سا کمال ہے کہ ایمان لائے کیونکہ ایمان تو اللہ نے لا دیا ہے اور اس کی جزا مومن کیوں لے اس کا فاعل مختار اسے سمجھ کر جنت وکوثر کا حقدار کیوں قرار دیا جائے کیونکہ جو اذن دیتا ہے فاعل حقیقی تو وہی ہے

اس طرح ایمان بھی باذن اللہ، معجزہ بھی باذن اللہ، اگر وہاں اعجاز کا کریڈٹ (Credit) نبی کو نہیں مل سکتا تو یہاں ایمان کا کریڈٹ (Credit) مومن کو کیسے مل سکتا ہے؟

جملہ افعال کا فاعل تو خدا ہی رہے گا جس طرح وہ موت کو نازل کرتا ہے انسان مجبوراً مرتا ہے اسی طرح وہ ایمان کو نازل کرتا ہے انسان مجبوراً ایمان لاتا ہے، اسی طرح وہ معجزہ نازل کرتا ہے اور نبی مجبوراً صاحب اعجاز بن جاتا ہے اسی طرح تینوں امور میں مختار تو اللہ ہے اور انسان فاعل مضطر ہے مجبور ہے مگر تعزیرات قرآن میں قتل کا بدلہ قتل ہے یعنی جو کسی کو مارتا ہے اسے مارنا عدل کا تقاضہ پورا کرنے کے برابر ہے

ادھر مسلّمہ یہ بنایا جا رہا ہے کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی مر نہیں سکتا اب یہاں کوئی یہ سوال نہیں کر سکتا کہ قاتل یعنی مارنے والا شخص فاعل مختار کیسے بن گیا ہے؟ کیونکہ قتل ہونے والا تو اللہ کے اذن سے مر گیا ہے اور مارنے کا فاعل حقیقی بھی اللہ ہے مگر سزا قاتل کو کیوں مل رہی ہے؟

اگر باذن اللہ موت کے باوجود اللہ قاتل کو فاعل مختار قرار دیتا ہے تو باذن اللہ کا لفظ صاحب اعجاز کے اختیارات کو کیسے سلب کر سکتا ہے؟

دوستو! ہمیں یہاں مجبوراً ماننا پڑے گا کہ صاحب اعجاز چاہے وہ نبی ہے یا امام فاعل

مختار ہے اور معجزہ کا کریڈٹ (Credit) صاحب اعجاز ہی کو ملتا ہے

ان لوگوں کا مسلّمہ ایک مرتبہ پھر دیکھ لیں کہ ''کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا''

ایک شخص خودکشی کرتا ہے اس کی سزا جہنم قرار دی گئی ہے حالانکہ خودکشی کرنے والا بھی تو باذن اللہ مر رہا ہے ایمان لانے والا باذن اللہ ایمان لا رہا ہے ایک کو سزا کی وعید کیسی؟ ایک کو جزا کی نوید کیوں؟

اگر یہ باذن اللہ کے باوجود فاعل مختار قرار پاتے ہیں تو صاحب اعجاز فاعل مجبور کیسے ہو جاتا ہے؟ ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے باذن اللہ کے مقصد و معانی میں دھوکہ کھایا ہے اس لئے ہمیں اس لفظ کا ازسرنو جائزہ لینا چاہیئے اور اس کے معنی پر دوبارہ غور کرنا چاہیئے

اب ذرا ان آیات پر نگاہ کریں جن میں بعض چیزوں کو اذن اِلٰہی کے ماتحت رکھا گیا ہے کیونکہ اذن اِلٰہی ہی متنازعہ اور مبہم لفظ ہے اس لئے اس کی تفسیر بھی قرآن کریم ہی سے کرنا مناسب ہے

زمین سے نباتات کے اگنے کو اللہ نے اذن اِلٰہی کے ماتحت فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ

پھر حق اور باطل کے معرکوں میں فتح اور شکست دونوں کو اذن اللہ کے ماتحت قرار دیا ہے مثلاً طالوت و جالوت کے مابین جو معرکۂ حق و باطل ہوا اس کے بارے میں ارشاد فرمایا

☆ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّهِ ......(سورہ بقرہ سورہ 249)
بہت سے قلیل گروہوں نے کثیر گروہوں پر فتح پائی مگر اللہ کے اذن سے، اور اسی جنگ کے بارے میں فرمایا ☆ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللّهِ اور انہیں باذن اللہ شکست دی اور بھگا دیا، اسی طرح جنگ احد میں مومنین کی شکست کو بھی باذن اللہ کے ماتحت فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے کہ

☆ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللّهِ
جب دو گروہ مقابل ہوئے تھے اس دن جو نقصان تمہیں پہنچا تھا وہ باذن اللہ تھا یعنی معرکۂ حق و باطل میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اذن الٰہی صرف مومنین ہی کو حاصل ہو باذن اللہ کافر بھی مومنین کو تہس نہس کر سکتے ہیں

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مومنین و کفار باذن اللہ کے باوجود فاعل مختار ہیں یا فاعل مضطر ہیں؟ اسی جنگ کے ضمن میں اللہ نے جہاں کفّار کے قتل و غارت کو باذنِ اللہ فرمایا ہے اسی طرح مومنین کی قتل و غارت کو بھی باذنِ اللہ فرمایا ہے

جنگ ایک ہے باذنِ اللہ دونوں طرف ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ ...... الخ
یعنی اے مومنین جب تم کفّار کو باذن اللہ قتل کر رہے تھے

پھر بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ پوری نوع انسان کے بارے میں فیصلہ صادر فرمایا ہے

☆ مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
کہ کوئی مصیبت نہیں آ سکتی مگر باذنِ اللہ آتی ہے

یہاں پھر اس لفظ کی حقیقت کو مفروضہ کلیہ سے ملا کر دیکھتے ہیں

ایک جنگ ہو رہی ہے ایک طرف مومنین ہیں ان کی سرپرستی ایک نبی فرما رہا ہے دوسری طرف لشکر کفّار ہے اس کی سرپرستی ابلیس کر رہا ہے مومنین حملہ کر کے کفّار کے بہت سے جوان فی النار کر دیتے ہیں اللہ فرماتا ہے یہ فتح باذنِ اللہ ہے اس طرح اس فتح کا کریڈٹ (Credit) اللہ عزوجل لے گیا یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مومنین فاعلین مختار نہ تھے؟ اگر فاعلین مختار نہیں تھے تو انعام انہیں کیوں اور کس لئے ملے گا وہ بھی اللہ ہی کو ملنا چاہیئے یہ تو اس کے مقام آلیت کی حیثیت رکھتے تھے اور آلات کو کبھی جزا و سزا سے ہمکنار نہیں کیا جاتا، دوسری طرف کفّار نے حملہ کیا اور بہت سے مسلمانوں اور مومنین کو شہید کر دیا، یہاں اللہ نے فرمایا یہ مومنین کا قتل بھی باذن اللہ ہوا ہے تو اس کا ڈس کریڈٹ (Discredit) ہم کفّار کو کیوں دیتے ہیں اسے بھی اللہ کو دیا جانا چاہیئے

کلیہ یہ بنایا گیا تھا کہ جو کام بھی باذن اللہ ہو اس کا فاعل فاعل مضطر و غیر مختار ہوتا ہے اس طرح کفّار بھی اللہ کے مقامِ آلیت کے حامل قرار پائیں گے اور آلۂ قتل کبھی پھانسی پر نہیں لٹکایا جاتا تو کفّار کو سزا کیوں دی جائے گی

اس کلیہ سے تو اللہ عزوجل کا مقام بھی متاثر ہوتا ہے یعنی آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ کیسا اللہ ہے کہ جو کفر و اسلام کی جنگ میں دونوں جانب داد ''بوتھ سائیڈز بک اپ'' (Both Sides backup) کے + نعرے لگا رہا ہے یعنی چور سے کہتا ہے نقب لگا لے میں تیرا ساتھی ہوں اور مالک مکان سے کہتا ہے چور نقب لگا رہا اسے قتل کر دے میں تیرا ساتھی ہوں، کیا کوئی شخص ایسا اللہ تو کجا ایسا دوست بھی پسند کرتا

www.khrooj.com

ہے؟

اب ذرا ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں

اللہ عزوجل نے نیک لوگوں کے اعمال خیر کو بھی باذن اللہ کے ماتحت فرمایا ہے مثلاً وارثانِ کتاب کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی اقسام بیان فرمائی ہیں تو فرمایا کہ

☆ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ......(سورہ فاطر آیہ 32)

پھر ہم نے جنہیں لوگوں میں سے منتخب فرما کر وارثانِ کتاب بنایا ان میں سے کچھ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے تھے بد اعمال تھے کچھ نقطۂ اعتدال پر واقع تھے یعنی ان کے اعمال میں نیکیاں اور برائیاں متوازن تھیں اور کچھ ایسے افراد تھے جو نیکیوں میں آگے بڑھ جانے والے تھے باذن اللہ یعنی اعمال خیر بھی باذن اللہ صادر ہوتے ہیں دوسری طرف اعمال بد کو بھی اللہ نے باذن اللہ کے ماتحت فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆إِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئاً إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ......(سورہ المجادلہ 10)

مومنین کو دکھ پہنچانے کے علاوہ شیطان کی سرگوشی کچھ نہیں ہوتی لیکن کوئی چیز انہیں ضرر نہیں پہنچا سکتی مگر جو اللہ کے اذن سے آئے ، شیطان کی سرگوشی بھی باذن اللہ ہے اسی طرح نزول جناب جبریل کے بارے میں ہے

☆فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّهِ......(سورہ بقرہ 97)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر جبرئیل کا کچھ نازل کرنا بھی باذن اللہ ہے

ان آیات میں باذن اللہ کے الفاظ پر عقائد کی بنیاد رکھنے والوں کیلئے لمحۂ فکریہ ہے کہ یہاں تو نعوذ باللہ جناب جبریل اور شیطان ملعون دونوں کے افعال کا فاعل حقیقی اللہ ثابت ہو رہا ہے اور یہ دونوں فاعل مجازی ثابت ہو رہے ہیں تو کیا ابلیس بھی اللہ کے مقام آلیت پر فائز ہے؟ نعوذ باللہ

ان آیات سے جو نتائج نکل رہے ہیں ان پر تبصرہ نہیں کروں گا کیونکہ اس میں جناب جبریل کا استخفاف ہے سمجھنے والے خود سمجھ سکتے ہیں

اسی طرح ہاروت و ماروت کے ذکر میں فرمایا کہ جو لوگ ان سے جادو سیکھ لیتے تھے وہ میاں بیوی میں جدائی کے اعمال کرتے تھے اور دنیا میں فساد پھیلاتے تھے مگر ان کی طرف سے جن لوگوں کو ضرر پہنچتا تھا اسے بھی باذن اللہ ضرر پہنچتا تھا جیسا کہ ارشاد ہے

☆ وَمَا هُم بِضَآرِّيْنَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ

مگر وہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو ذرا بھر نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے مگر نقصان پہنچا رہے تھے

ادھر انبیاعلیھم السلام کی اطاعت بھی اذن الٰہی کے ماتحت فرمادی گئی ہے مثلاً ارشاد قدرت ہے ☆ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ان کی اطاعت اللہ کے اذن سے ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نبی کی اطاعت کسی دوسری نوع نے بھی کی ہے تو اسے بھی باذن اللہ سے مشروط کر دیا ہے مثلاً جناب سلیمان علیہ السلام کی اطاعت قوم جنات نے کی تو خالق نے یہ کریڈٹ (Credit) بھی جناب سلیمان علیہ السلام کو نہیں دیا بلکہ فرمایا ہے

☆ وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ

یعنی جو جنات ان کے سامنے کام کیا کرتے تھے وہ بھی باذن اللہ کام کرتے تھے اب خود دیکھ لیں کہ اللہ نے کتنی اشیاء کو باذن اللہ سے باندھ دیا ہے

1 ...... نباتات کا اگنا باذن اللہ ہے

2 ...... نزول ملکوت باذن اللہ ہے

3 ...... مومنین کی ہدایت باذن اللہ ہے

4 ...... انبیا علیہم السلام کا ہر معجزہ باذن اللہ ہے

5 ...... جادو کا اثر بھی باذن اللہ ہے

6 ...... کسی کا مر جانا بھی باذن اللہ ہے

7 ...... کسی کا ایمان لانا بھی باذن اللہ ہے

8 ...... ہر فعل ملکوت باذن اللہ ہے

9 ...... مومنین کا جنگ کرنا اور فتح پانا باذن اللہ ہے

10 ...... کفّار کا مومنین کو قتل کرنا اور فتح پانا باذن اللہ ہے

11 ...... شفاعت شافعین بھی باذن اللہ ہے

12 ...... اور ترغیب شیاطین بھی باذن اللہ ہے

13 ...... نزول قرآن بھی باذن اللہ ہے

14 ...... سرگوشی شیطان کا ضرر بھی باذن اللہ ہے

یہ ایک لمبی فہرست بن جائے گی اگر اس کی تفصیل میں اترا جائے تو ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے اس فہرست پر غور کر کے باذن اللہ کے الفاظ کے نتائج خود نکال لیں

اب ہم ایک منزل اور آگے بڑھتے ہیں

یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ کہیں کہیں خود ذات واجب الوجود کو بھی اپنا اذن لینا پڑتا ہے یعنی وہ بھی بعض کام اپنے اذن کے بغیر خود نہیں کرسکتا مثلاً وہ ارشاد فرماتا ہے

☆وَيُخْرِجُهُم مِّنِ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ

اللہ بعض لوگوں کو تاریکی باطل سے نور ہدایت کی طرف لاتا ہے تو اپنے ہی اذن سے لاتا ہے، ایک اور مقام پر فرماتا ہے

☆فَهَدَى اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ لِمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ

پس اللہ نے ان مومنین کی ہدایت حق کی طرف فرمائی جو ایمان لائے تھے اور اختلاف کرتے تھے مگر یہ ہدایت اللہ نے اپنے ہی اذن سے فرمائی ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ

☆وَاللّهُ يَدْعُوَ إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ

اللہ جنت اور مغفرت کی طرف خود اپنے اذن سے بلاتا ہے

ان تینوں آیات کو دیکھ کر انسان کنفیوز (Confuse) ہوجاتا ہے کہ اللہ کا اپنے آپ سے اذن لینے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟

آج تک کسی شخص نے یہ نہیں سنا کہ کسی نے کہا ہو کہ میں فلاں کام اپنے آپ سے اجازت لے کر کررہا ہوں

اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ ''اذن'' کے جو معنی ہم سمجھتے ہیں وہ نہیں ہیں بلکہ کچھ اور ہیں اس لئے پھر سابقہ فہرست پر نظر کرلیں اور ایک ایک شق کو غور سے دیکھیں اور عقل سلیم کو سامنے رکھ کر دیکھ لیں کہ اذن کے اس رائج ترجمہ سے کیا ثابت ہوتا ہے

نمبر1

نباتات کا اگنا تو باذن اللہ مانا جا سکتا ہے

نمبر2

نزول ملکوت بھی کسی عقیدے سے متصادم نہیں ہے اس لئے اسے بھی ترک کرتے ہیں

نمبر3

مومنین کی ہدایت کا مسئلہ تبصرہ طلب ہے پہلی بات یہ ہے کہ اگر مومن اذن الٰہی سے ہدایت پاتا ہے تو اس کا ایمان لانا لائق جزا کیوں ہے؟ اور جو ایمان نہیں لاتا وہ لائق سزا کیوں ہے؟ اگر ایمان و ہدایت باذن اللہ ہونے کے باوجود یہ فاعل مختار ہے اور جزا و سزا کا مستحق خود ہے تو ایک نبی کسی مرحلۂ اعجاز پر فاعل مضطر کیوں مانا جائے؟ اگر نبی کا فعل معجزہ اللہ کا فعل ہے تو مومن کا ایمان لانا بھی تو اللہ ہی کا فعل ہے اگر ایمان کا فاعل مختار مومن ہے تو معجزہ بھی معجزنما کا فعل ماننا لازم ہوگا

نمبر4

قرآن سے ثابت ہے کہ جادو کا اثر بھی باذن اللہ ہے

دیکھئے معجزہ بھی خلاف عادت نظر آتا ہے اور جادو بھی لیکن ایک مستحسن ہے ایک مذموم ہے جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا بن جاتا ہے اسی طرح ساحرانِ فرعون کی لاٹھیاں بھی اژدھا بن جاتی ہیں ایک ہی طرح کا فعل ہے اور دونوں باذن اللہ ہیں تو پھر موسیٰ علیہ السلام کا فعل اللہ کا فعل کیسے بن گیا؟ اور ساحروں کا فعل ان کا ذاتی کیسے شمار کر لیا گیا؟

یہ بھی ہے کہ نبوت ایک عہدۂ خداوندی ہے اور ''الساحر کالکافر'' یعنی ساحر

کافر کی طرح ہے والی حدیث کو کیا کریں گے؟ اگر لفظ باذن اللہ سے جناب موسیٰ علیہ السلام کا فعل فعل خدا مانا جائے تو پھر جادوگروں کا فعل بھی باذن اللہ ہونے کی وجہ سے فعل خدا ماننا ہوگا ورنہ اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جادوگروں کا فعل جس طرح ان کا ذاتی فعل تھا اسی طرح انبیا علیہم السلام کے معجزات بھی ان کے ذاتی افعال تھے

نمبر 5

کوئی نفس مر نہیں سکتا مگر باذن اللہ اس پر بحث علیحدہ عنوان سے ہوگی

نمبر 6

مومن کا ایمان باذن اللہ اگر ان معنی میں مانا جائے جن معنی میں نبی کے فعل میں باذن اللہ کو مانا جاتا ہے تو پھر مجبرہ کی تائید ہوتی ہے اور مجبرہ کو تمام آئمہ علیہم الصلوات والسلام کافر کے برابر سمجھتے ہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ جس طرح کسی کا ایمان لانا خود اسی کا فعل ہے اسی طرح کسی نبی کا معجزہ بھی اس کا ذاتی فعل ہے

نمبر 7

افعالِ ملکوت شق نمبر دو کے ضمن میں آجاتے ہیں

نمبر 9,8

ان دو شقوں میں دو پہلو واضح ہوتے ہیں مومنین کا جہاد فی سبیل اللہ اور کفّار کو قتل کرنا بھی باذن اللہ ہے اور کفّار کا مومنین کو نقصان پہنچانا اور انہیں شہید کرنا حتیٰ کہ سید الشہدا جناب حمزہ علیہ الصلوات والسلام کو شہید کرنا بھی باذن اللہ ہے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مومنین کا جہاد اور کفّار کا قتال کیا فعل خدا ہیں؟ اور کیا یہ دونوں فاعل مضطر ہیں؟ اگر یہ ان دونوں کے ذاتی افعال نہیں تو جزا و سزا کیسی؟ کافر پر لعنت

www.khrooj.com

کیسی اور مومن پر رحمت کس لئے ؟

جب فاعل ایک ہو ایک طرح کا ایک ہی مقام پر فعل ہو تو جزا و سزا میں سے ایک کا مستحق ہو گا یعنی یا جزا کا یا سزا کا ، اگر معجزہ فعل نبی نہیں تو وحشی کا جناب حمزہ علیہ الصلوات والسلام کو شہید کرنا اس کا فعل نہیں ہو سکتا جناب بلال کا امیہ بن خلف کو فی النار کرنا اس کا فعل نہیں اور یہ سبھی ڈمی (Dummy) فاعل قرار پائیں گے اور اصل اللہ فاعل ہو گا تو پھر نعوذ باللہ مستحسن کی طرح مذموم کا سہرہ بھی اللہ تعالیٰ کے سر باندھنا پڑے گا اگر کافر کا فعل اس کا ذاتی فعل ہے اور وہ فاعل مختار ہے تو پھر نبی کو اس کے فعل کے استحسان سے کیوں محروم رکھا جائے ؟

نمبر 11,10

کوئی شفیع کسی فرد کی شفاعت اذن الٰہی کے بغیر نہیں کر سکتا ایک لمحہ کو ہم یہ فرض کر بھی لیں تو پھر شیطان کا گمراہی پھیلانا کسی کو گمراہ کرنا بھی باذن اللہ ہے پھر شق نمبر 13 کے مطابق جناب جبریل کا قرآن نازل کرنا جس طرح باذن اللہ ہے

اسی طرح شق نمبر 14 میں ہے کہ شیطان کا برائی القاء کرنا بھی باذن اللہ ہے پھر اس طرح تو شیطان کی برائی اس کی گمراہی اور جناب جبریل کا فعل ایک ہی طرح کے افعال ہیں

اب آپ سوچیں جس عقیدے سے انبیا علیہم السلام کی تبلیغ مٹ جائے ، اچھے برے کی تمیز نہ رہے ، انسانی اخلاق کا بیڑا غرق ہو رہا ہو ، ہدایت و ضلالت میں فرق باقی نہ رہے ، اس نظریئے اور عقیدے کو شاید کوئی لا مذہب بھی اپنانے کیلئے تیار نہ ہو گا چہ جائیکہ کوئی خدا پرست اسے قبول کرے

www.khrooj.com

ان جملہ فسادات سے بچنے کا واحد حل یہی ہے کہ لفظ باذن اللہ کے ایڈیشن (Edition) کے باوجود جملہ افعال میں انسان کو فاعل مختار مانا جائے اور انبیا علیہم السلام کے معجزات انہی کے ذاتی افعال مانے جائیں ......اب رہا یہ سوال کہ خرق عادت ممکن ہے یا محال ہے؟ اس پر بحث نبوّت کے باب میں کی جائے گی کیونکہ اس میں معتزلہ و اشاعرہ کے ساتھ ساتھ یونانی اور ماضی قریب کے فلاسفۂ مغرب کے نظریات پر بحث کرنا ہوگی پھر امام غزالی، رازی، اخوان الصفا کے ساتھ محقق طوسی، ابن سینا اور علامہ حلّی وغیرہ کے نظریات کو پرکھنا لازم ہے اس لئے اس باب میں اسے ترک کرتا ہوں

معنئ اِذن

اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا لفظ باذن اللہ ان آیات میں فضول اور بے معنی لایا گیا ہے؟ اگر یہ بے مقصد لفظ تھا تو اللہ نے اپنے کلام میں اسے شامل کیوں فرمایا ہے؟

مناسب ہوگا کہ سب سے پہلے لفظ ''اذن'' کے معنی متعین کر لئے جائیں المنجد وغیرہ میں دیکھئے ☆أذَنَ و اَذِنَ و اذان و أِذانة بالشیٔ کے معنی ہیں'' جاننا یا معلوم کرنا

☆ آذن ایذاناً فلان الامر و بالامر کے معنی ہیں اطلاع دینا یا آگاہ کرنا

☆ آذان أذن تاذین بالصلواة کے ساتھ معنی ہیں نماز کی اطلاع دینا یا بلانا

اذن کے معنی ہیں اجازت اور علم و آگہی کے...... جیسے''فعلہ باذنی ''اس نے میری دانستگی میں کام کیا یعنی میرے دائرہ علم کے اندر رہ کر اس نے یہ کام کیا ہے

اس طرح باذن اللہ کے معنی ہوں گے اس علیم کل ذات کے دائرۂ علم میں رہ کر کام کرنا نہ کہ اللہ سے اجازت لے کر یا اسی سے کام کروانا فیکون طیراً باذن اللہ کے معنی ہوں گے کہ یہ علم الٰہی کے دائرہ میں رہتے ہوئے پرندہ ہو جائے گا بصورت دیگر انبیا علیہم السلام کے اختیارات تو محدود کئے جا سکتے ہیں مگر دیگر آیات میں باذن اللہ کی معقول توجیہ نہیں کی جا سکے گی ساتھ ہی تناقض و تضاد و جبر و تفویض کے مسائل کے ساتھ ساتھ قضا و قدر کے ملکات سے سابقہ پڑے گا جہاں کوئی نبی ڈمی (Dummy) نبی ثابت ہوگا وہاں ہر فاعل ڈمی (Dummy) فاعل ماننا پڑے گا چاہے وہ مسلمان ہے یا کافر، فرشتہ ہے یا ابلیس جادوگر ہے یا معجزنما یہ سب ڈمیاں ہوں گے اور فاعل واحد اللہ جل جلالہ ہوگا اور یہ عقیدہ فسادات کے پلندے کے سوا کچھ نہ ہوگا، مجبوراً ہمارے سامنے ایک ہی راستہ رہتا ہے کہ ہم مان لیں کہ انبیا علیہم السلام اور آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام مرحلۂ اعجاز پر فاعل مختار تھے اور معجزہ ان کا ذاتی فعل تھا پاک محمد و آل محمد علیہم الصلوات والسلام میں اور اللہ عزوجل میں دوئی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تھا ☆ ''اشرکتك فی امری'' آپ کو میں نے اپنے ذاتی امور میں شریک فرمایا ہے اس لئے ان کے اور اللہ کے مابین اتحاد کلی ہے اور ان کا باذن اللہ فرمانا ایسا ہے جیسے اللہ نے فرمایا اللہ تمہیں جنت و مغفرت کی طرف باذن اللہ بلاتا ہے، اسی لئے امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا

☆فانا أنظر فی کل زمان و وقت فی ایّة صورة شئنا باذن الله عزوجل و اذا شئنا شاء الله و اذا کرهنا کره الله

ہم ہر زمانے اور ہر وقت میں اظہار پذیر ہوتے رہے ہیں جب ہم کسی صورت میں تصرف فرمانا چاہتے ہیں تو کر لیتے ہیں جیسا کہ اللہ کو معلوم ہے اور جب ہم چاہتے ہیں تو اللہ بھی وہی چاہتا ہے اور جب ہم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہیں تو اللہ بھی اسے ناپسند کرتا ہے

زمانۂ آخر میں ان کے لخت جگر شہنشاہ معظم امام زمانا عجل اللہ فرجہ الشریف کو تشریف لانا ہے یہ سارے رازہائے معرفت اسی دن منکشف ہوں گے اور اس وقت یہ باذن کا تقیاتی حصار ٹوٹ جائے گا اور اس وقت ایک مومن اڑتے ہوئے پرندے کو حکم دے گا واپس آ ؤ تو وہ واپس آ جائے گا وہ مومن اسے ذبح کرے گا پھر اسے پکا کر نوش جان کرے گا اس کے بعد اس کی ہڈیاں جمع کر کے اور اس کے پروں کو سامنے رکھ کر کہے گا ''قم باذنی ''اب میرے اذن سے زندہ ہو جا تو وہ پرندہ فوراً زندہ ہو کر اڑ جائے گا ہماری تو یہی دعا ہے کہ وہ زمانۂ سعید جلدی آئے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلیٰ آلِہٖ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

مقامِ فعلیت

www.khrooj.com

اے شناوران فرات عرفان!
ہم کئی دن سے توحید کے موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں میں یہاں ایک وضاحت کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہاں فلسفیانہ توحید کا ذکر نہیں کر رہا ہوں کیونکہ اس میں عقل کے ساتھ واجب الوجود کو ایک ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ اسے اسیر عقل کرنے کی ناکام کوشش بھی کی جاتی ہے اور نہ میں یہاں علم اِلٰہیات کے حوالے سے بات کر رہا ہوں کیونکہ اس پر اتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ مجھ جیسے بے بضاعت کا اس پر کچھ لکھنا بے سود ہوگا اور نہ میں تصوفانہ تشریح توحید کر رہا ہوں کیونکہ میدان عرفان میں سیر وسلوک اِلٰہی کے موضوع پر بہت سی کتب موجود ہیں، نہ ہی میں توحید منطقی کی بات کر رہا ہوں
بلکہ میں وہ کچھ بیان کر رہا ہوں کہ جو قرآن کریم کا ایک پہلی جماعت کا طالب علم جب کلام اِلٰہی کی اوّلین تلاوت کرتا ہے اور وہاں اسے کئی لفظی معمات نظر آتے ہیں اور وہ انہیں حل کرنے کی پوری کوشش کے بعد بھی حل نہیں کرسکتا اور ساری ڈوریاں الجھا بیٹھتا ہے اور پھر اسے کوئی راستہ نظر نہیں آتا بس میں اسی طالب علم کو سامنے رکھ

کرتا دری نظریات کو عرفانی تشریحات کی سلک میں پر و کر پیش کر رہا ہوں

بہ الفاظ دیگر قرآن مقدّس کے لفظی معانی کو دیکھ کر جو الجھنیں جنم لیتی ہیں انہیں سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں اور اس میں علوم متداوّلہ و مروّجہ کے قوانین کے بجائے سیدھی سادی بات کرنے میں مصروف ہوں

دوستو ! علمائے اسلام میں جو توحید اربعہ کا تصور ہے اس کے بارے میں علمائے اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے اس میں توحید افعالی کا جو تصور پیش کیا جاتا ہے اس میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ رب ذوالجلال والاکرام اپنے افعال میں بھی ''لاشریک'' ہے، اس میں شک نہیں کہ وہ لاشریک ہے مگر اس لفظ کے معنی کیا ہیں یہ بھی تو طے ہونا چاہیے، ستم ظریفی یہ ہو رہی ہے کہ لاشریک کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کا کوئی مظہر صفات بھی نہیں بن سکتا اور نہ ہی کوئی وسیلۂ افعال اِلٰہی ہوسکتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ مظہر اور شریک میں بہت زیادہ فرق ہے مگر عوام کو بے وقوف بنانے کیلئے یہ تفریق مٹا دی جاتی ہے اور مظہر ہی کو شریک کہا جاتا ہے، اگر کوئی شخص انبیا علیھم السلام اور آئمۂ اطہار علیھم الصلوات والسلام کے ان معجزات کو بیان کرے جو انہوں نے صفات اِلٰہی کا مظہر بن کر دکھائے تھے تو فوراً شرک کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے

ہمارے ایک فاضل و محترم مہربان نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ احیا اور اماتت کی صلاحیت سے بھی آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام محروم ہیں، انبیا علیھم السلام اور آئمۂ اطہار علیھم الصلوات والسلام میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ مار سکیں یا جلا سکیں زندہ کرنا اور مارنا زندگی دینا یا موت دینا دونوں اللہ کے فعل ہیں، ان افعال میں اس کا کوئی آلۂ کار نہیں ہے

لکھنے والے اپنی کتابوں میں یہ سب لکھ تو دیتے ہیں مگر اپنے الفاظ کی وسعت سے وہ خود لاعلم ہوتے ہیں، پہلے ہم موت پر تھوڑی سی بحث کریں گے اس کے بعد ان کے دعوے پر بات کریں گے، رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے

☆الَّذِیُ خَلَقَ الُمَوُتَ وَالُحَیَاۃَ لِیَبُلُوَکُمُ أَیُّکُمُ أَحُسَنُ عَمَلاً......(سورہ الملک 1)

کہ موت و حیات کو انسان کے امتحان کیلئے خلق فرمایا گیا ہے کہ کون بہتر اور احسن اعمال بجا لاتا ہے موت ایک بھیانک حقیقت ہے کہ جسے طلب کرنا صداقت کی علامت قرار دیا گیا ہے......☆فَتَمَنَّوُاُ الُمَوُتَ إِن کُنتُمُ صَادِقِیُنَ

یعنی انسان سے فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو

اس کے پیچھے دراصل درستی اعمال کا فلسفہ چھپا ہوا ہے کیونکہ موت کے ذکر سے دل زندہ ہوتا ہے یعنی دل میں اعمال کی درستی کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور دنیا سے وابستگی ختم ہوتی ہے انسان دنیا کی نعمات و لذائذ اور شھوات و اھوا کی تکمیل میں دلچسپی کھو دیتا ہے دنیا اور متعلقات دنیا میں کشش باقی نہیں رہتی اور انسان فانی کی بجائے باقی سے دل لگاتا ہے اور یہی حیات قلب ہے ...... جب اعمال درست ہوں گے تو موت کی تمنا پیدا ہوگی جیسے ایک تاجر جب تجارت کرتا ہے اور ہزار گنا منافع پر مال فروخت کرتا ہے اس شرط پر کہ رقم کی ادائیگی چھ 6 ماہ بعد ہوگی تو پھر اس تاجر کے دل میں تمنا کروٹیں لیتی ہے کہ جلد از جلد یہ چھ ماہ ختم ہو جائیں اور مطلوبہ منافع مل جائے اسی طرح جو انسان اللہ عزوجل سے تجارت کرتا ہے فانی دے کر باقی لیتا ہے تو باقی کی ادائیگی کا دن موت ہے لہٰذا اگر اس کا مال کھرا ہے تو پھر لازماً اس کے دل میں موت کی تمنا پیدا ہوگی مگر موت وہ بے نیاز مہربان ہے کہ جب تک اپنے کوائف

مکمل نہیں کر لیتی اس وقت تک انسان کی خود حفاظت کرتی ہے کہ کہیں مر نہ جائے بلکہ یوں سمجھ لیں کہ موت انسان کو یوم پیدائش سے پالنا شروع کر دیتی ہے تا کہ وقت آنے پر اسے کام میں لایا جا سکے

اس دور میں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی موت کا فاعل یا وسیلہ بھی نہیں ہے مگر یہ موت انسان پر نہیں آ سکتی جب تک کوئی وسیلۂ موت نہ ہو پھر وسیلۂ موت کے ساتھ وجہِ موت کا ہونا بھی لازمی ہے پھر صرف وجہ نہیں ''وجہِ کافی'' کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو موت کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہوتی ہے موجودہ رائج الوقت واردات موت کے تین طریقے رائج ہیں

ایک ہے طبعی موت ......نمبر دو حادثاتی موت ......نمبر تین ہے واقعاتی موت

طبعی موت

طبعی موت کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں یعنی جملہ امراض موت کے ''وسائل'' ہیں اور انسان شب و روز ریسرچ (Research) یا تحقیق میں مصروف ہے اور امراض کے علاج دریافت کرتا چلا جا رہا ہے مگر مؤکلان موت بھی نت نئے امراض ایجاد کرنے میں مصروف ہیں انسان دن رات لیبارٹری میں کام کرتا ہے ایک لا علاج مرض کا علاج ایجاد کرتا ہے تو موجدانِ امراض دس اور لا علاج امراض ایجاد کر کے سامنے رکھ دیتے ہیں کبھی انسان امراض کو جادو ٹونے سے دور کرتا تھا لمبی لمبی دعائیں کرتا تھا مگر اب تو گولیاں کیپسول سیرپ اور پتہ نہیں کیا کیا چیزیں استعمال کرتا ہے جہاں انجکشن (injection) کی حد ختم ہوئی وہاں آپریشن (Operation) اور

www.khrooj.com

ڈائی سیکشن (Dissection) تک کی نوبت آ جاتی ہے اور موجودہ دور میں انسان کو ایک عام مشین کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے جب چاہو ریپئیر (Repair) کرا لو ''اوورہال'' (Overhaul) کرالو، (Spare Parts) سپئیر پارٹس کی دکان سے جا کر خون لے لو، آنکھ نئی ڈلوالو، گردے نئے لگوالو، ہڈیاں تک بدل ڈالیں گے، بلڈ بینک (Blood bank)، آئی بینک (Eye bank)، بون بینک (Bone bank) وغیرہ شب وروز کام کررہے ہیں

بائی پاس کے آپریشن (Bypass Operation) ہو رہے ہیں مگر امراض ہیں تو ان کی تعداد میں دس گنا تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے کبھی چیچک، تپ دق وغیرہ لا علاج امراض تھے مگر اب ان کے علاج دریافت ہو چکے ہیں تو ہارٹ اٹیک (Heart attack) شوگر (Sugar) کینسر (Cancer) وغیرہ موٗ کلان موت کی جدید ایجادات کی صورت میں سامنے آئے ہیں پھر ان امراض کے علاج میں تھوڑی بہت پیش رفت ہوئی تو ایڈز (Aids)، (Bird Flu) برڈ فلو اور ہائپا ٹائیٹس (Hepatitis) کا نام سامنے آ گیا غرض سائنس دانوں کی ایک بڑی جماعت جس رفتار سے عوامل و وسائل و وجوہاتِ موت کو ختم کرنے پر ریسرچ (Research) کرتی چلی جا رہی ہے اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے ماورائی قوتیں امراض کی ایجاد میں مصروف ہیں اس بات کو ہر کوئی تسلیم کرتا ہے کہ اتنے علاج دریافت نہیں ہوتے جتنے امراض دریافت ہوتے ہیں کیوں کہ جس نے موت کو خلق فرمایا ہے اسے لقمہ دینا بھی اسی کے ذمّہ ہے...... طبعی موت کے عوامل و وجوہات یہ امراض دراصل وسائل موت ہیں

حادثاتی موت

اس کے بعد ہے حادثاتی موت حوادث کی دنیا میں جھانک کر دیکھیں تو ہزاروں قسم کے حادثات نظر آتے ہیں جو موت کا وسیلہ بنتے ہیں، کوئی درخت سے گر گیا، کوئی کسی عمارت سے گر پڑا، کوئی موٹر سائیکل سے گرا، کوئی کار کے نیچے آ گیا، کسی کی کار درخت سے ٹکرا گئی وغیرہ وغیرہ آج کل جب ہم حوادث پر نظر کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ مؤکلان موت بھی انسان سے تنگ آ چکے ہیں یا پاپولیشن (Population) کا عالمی مسئلہ اب ان کیلئے بھی شاید ایک اہم مسئلہ یا مین پرابلم(Main Problem) بن گیا ہے

جب ایک آدمی مرتا ہے تو دس بچے پیدا ہو جاتے ہیں پھر ان میں سے دو تین کو موت سنبھالتی ہے تو بیس اور پیدا ہو جاتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ موت اور انسان کا مقابلہ ہو رہا ہے لیکن اس مقابلے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پہلے موت ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ طریقے سے لیتی تھی مگر اب اس کے تنوعات کی دنیا بھی تنگ ہو گئی ہے اور موت زیادہ تکلف نہیں فرماتی بلکہ تھوڑی سی زحمت کرتی ہے ایک اُڑتے ہوئے بوئنگ کو دھکا دیتی ہے سو دو سو آدمیوں کو تھوک کے حساب سے لقمہ بنا لیتی ہے یعنی موت نے پرچون کا کاروبار بند کر کے تھوک کا کام شروع کر دیا ہے کسی بس کو الٹ دیا تیں چالیس تو کہیں نہیں جاتے کبھی ریل گاڑی کو ٹکرا دیا دو تین سو آدمی اس کی جیب میں چلے جاتے ہیں اور اب جو بم بلاسٹ ہو رہے ہیں یا خودکش حملہ آور بلا امتیاز مذہب و ملت انسانیت کا نقصان یا خاتمہ کرتے چلے جا رہے ہیں تو کیا یہ اسباب موت نہیں

www.khrooj.com

ہیں؟ یعنی موت بھی اب انسانوں سے ہراساں نظر آتی ہے، پہلے تو موت مزے مزے سے ایک ایک کو مارتی تھی اب اسے مزے لینے کا وقت نہیں ملتا، بس زیادہ سے زیادہ یونٹ(Unit) لینے میں مصروف ہے اب آنے والا وقت ایسا لگتا ہے کہ موت اس سے بھی بڑا کاروبار شروع کرنے والی ہے یعنی کسی ایٹم بم کو ہوا لگوا دے گی اور ہزاروں یونٹ فی سیکنڈ کے حساب سے بنتے جائیں گے

اس قسم کا ایک مظاہرہ اگرچہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر وہ پہلے ہی کر چکی ہے مگر وہ اس کا عشیر عشیر بھی نہیں تھا کہ جو کچھ اب سامنے آنے والا ہے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حوادثِ زمانہ بھی وسائل موت ہی ہیں جنہیں دنیا وجوہاتِ موت سمجھتی ہے یا اتفاقات جانتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اتفاق نام کی کوئی چیز سرے سے ہے ہی نہیں بلکہ ہر چیز کی ایک ''وجہ کافی'' ہوتی ہے اور وہی وجہ ایک وسیلہ ہوتی ہے زندگی اور موت دونوں وسیلے کے بغیر ناممکن ہیں

واقعاتی موت

واقعاتی موت کیا ہوتی ہے؟

یہ موت نہ تو طبعی ہوتی ہے اور نہ ہی یہ کسی حادثے کی وجہ سے ہوتی ہے بلکہ یہ موت کی وہ قسم ہے کہ جو کسی پلاننگ(Planning) کے ماتحت لائی جاتی ہے مثلاً کسی نے جرم کیا ہے عدالت اسے سزائے موت سنا دیتی ہے پھر وقت مقرر ہوتا ہے اس وقت پر ڈاکٹر اور مجسٹریٹ کے سامنے اسے پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے یہ موت حادثاتی نہیں ہے بلکہ واقعاتی ہے

ذوالفقار علیؒ بھٹو وزیر اعظم پاکستان کی موت واقعاتی موت ہے، ضیاالحق صدر پاکستان کی موت اگر چہ حادثاتی موت ہے مگر اسے بھی واقعاتی موت ہی کہا جائے گا اسی طرح ہزاروں واقعات ہیں کہ جن کی وجہ سے انسان کو موت کی سرحدوں میں دھکیل دیا جاتا ہے یا کچھ لوگ خودکشی کرتے ہیں تو یہ بھی واقعاتی موت ہوتی ہے

بعض واقعات بھی عجیب نوعیت کے ہوتے ہیں ان میں سے ایک واقعہ ہے کہ دو میاں بیوی نے موت پر تحقیق شروع کردی اور یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ موت میٹھی ہے، یا نمکین ہے، یا کڑوی ہے تو انہوں نے تیز قسم کا زہر لیا اور سامنے کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے ایک نے پہلے زہر کھایا جب زہر کا اثر ہوا تو فوراً قلم سے کاغذ پر S لکھ دیا بیوی نے دیکھا کہ شوہر مر گیا ہے مگر یہ نہیں بتا سکا کہ موت سویٹ (Sweet) میٹھی ہے یا سالٹ (Salt) نمکین ہے تو اس نے بھی وہی زہر کھایا اور صرف اگلا حرف لکھ سکی کہ موت میٹھی ہے اور مر گئی یہ بھی واقعات ہیں اور ایسی اموات واقعاتی ہوتی ہیں نتیجہ کلام یہ ہے کہ امراض و حادثات و واقعات دراصل وسائل موت ہیں کیونکہ دنیا کی ہر چیز کی بنیاد وسیلے پر ہے

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جملہ مادّی اور حسی اور ظاہری وسائل اپنے سے بالا وسائل کے ماتحت ہوتے ہیں جن کا نام ہے ''ملکوت'' لفظ ملکوت بمعنی ملکہ یعنی قوت کے بھی ہے یعنی ملکہ کی جمع ہے ملکوت اور خود کلام اِلٰہی میں بھی لفظ ملکوت متعدد مقامات پر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ

☆أَوَلَمْ يَنظُرُواْ فِى مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِن شَىْءٍ

یہ عام انسان کو دعوت نظارہ دی گئی ہے کہ ملکوتِ ارض وسما کو دیکھو جبکہ انسان بحیثیت

انسان کے فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتا ہاں چشم عقل سے کائنات میں کارفرما قوتوں پر استدلال ضرور کر سکتا ہے اس لئے ارشاد ہے کہ کیا تم ان قوتوں کو نہیں دیکھتے کہ جو ارض وسما میں کارفرما ہیں، مقصد یہ ہے کہ ملکوت سے مراد قوتیں بھی ہیں اور ملکوت سے مراد فرشتے بھی ہیں جو کہ امورِ موت پر مؤکل ہیں اور موت کے کوائف مکمل کرنے میں شب وروز مصروف رہتے ہیں

بلا تشبیہ اللہ کا نظامِ حکومت بھی کسی ملکی نظامِ کار کی طرح ہے، جیسے ایک ملک کا حاکم کوئی سڑک بنواتا ہے تو اس میں اپنے عملے اور عوام سے عمل کرواتا ہے اور اس عملے اور عوام کا کام حکومت کا فعل شمار ہوتا ہے لوگ تقاضہ کرتے ہیں کہ حکومت سڑک بنوائے حکومت پیسہ منظور کرتی ہے سینکڑوں مراحل سے گزر کر ٹھیکیدار تک معاملہ جاتا ہے وہ سڑک تیار کراتا ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ حکومت نے ہمیں سڑک بنادی ہے

اسی طرح اللہ کا نظام بھی وسائل پر مبنی ہے مگر اس دور میں یہ آواز بار بار سنائی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی مار سکتا ہے نہ جلا سکتا ہے بلکہ اس کے اس کام کا نہ کوئی وسیلہ ہے نہ مظہر اور یہ بات بڑے دعوے کے ساتھ کی جاتی ہے اس لئے ہم بھی اس بات کو شواہد کی کسوٹی پر پرکھ لیتے ہیں اس دعوے کو غور سے دیکھیں تو اس کے دو حصے نظر آتے ہیں

1 ...... زندہ کرنا

2 ...... مارنا (موت دینا)

یہ ایک مسلّمہ ہے کہ "اگر دعوے کا ایک جز و لاینفک باطل ہو جائے تو دوسرے کو خود

www.khrooj.com

بخود باطل تصور کیا جاتا ہے'' ان دو اجزا میں سے اگر ایک بھی غیر اللہ پر ثابت ہو جائے تو دوسری جز کو بلا دلیل غیر اللہ پر ثابت ماننا پڑے گا

پہلے اس بات پر غور کر لیں کہ کیا مارنا (موت دینا) اللہ کا کام ہے؟ کیا مارنے کے فعل کا فاعل صرف اللہ ہے؟ ......اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ کیا الف کے فعل کی جزا وسزا جیم کو ملنا چاہیئے؟ مثلاً انسان کسی کو قتل کر دیتا ہے تو اس وقت یہ سوال پیدا ہوگا کہ موت کا فاعل اللہ ہے یا قاتل انسان؟ اس سوال کا جواب دو صورتوں میں ہوسکتا ہے

1...... انسان فاعل موت ہے

2...... انسان سبب موت ہے

پہلی صورت میں اگر وہ فاعل موت ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں

(ا) خدا کے فعل کا شریک ہے (ب) خود خدا ہے

شریک فعل خدا ہے تو گویا خدا کا شریک ہے کیونکہ اللہ فعلی طور پر بھی لاشریک ہے اس لئے یہ شریک فعل خدا ماننا بھی شریک خدا ماننے کے برابر ہے لہٰذا اللہ کا شریک انسان کو ماننا شرک ہے جو ظلم عظیم ہے

دوسری صورت میں اسے خود اللہ ماننا چاہیئے اور ''ھمہ اوست'' کی تائید کی جائے تو یہ کفر ہے کہ انسان کو اللہ مانا جا رہا ہے اور یہ فرعونیوں کا عقیدہ ہے جو باطل ہے

یہاں ایک تیسری صورت بھی ہے وہ یہ کہ اسے اللہ کے افعال میں شریک بھی نہ مانا جائے اور اللہ بھی نہ مانا جائے تو پھر اللہ کے مقابلے میں دوسرا ممیت (موت دینے والا) مانا جائے گا کیونکہ اگر اسے دوسرا ممیت نہ مانا جائے گا تو پھر اسے قتل کا مجرم نہ

مانا جائے گا

اگر اسے دوسرا ممیت نہ مانا جائے تو یہ قاتل مجرم ثابت نہ ہوگا اگر اسے مجرم ثابت کریں گے تو اسے ممیت ماننا ہوگا، اگر اسے موت کا فاعل مانا جائے گا جیسا کہ مانا جاتا ہے تو پھر اس فاضل مہربان کا دعویٰ باطل ہو جائے گا کیونکہ ان کے بقول اللہ کے سوا کسی میں مارنے کی صلاحیت موجود ہی نہیں ہے اور یہاں جو مشاہدہ ہو رہا ہے اس میں تو ایک عام انسان بھی انسان کو مار رہا ہے اس طرح ان کا دعویٰ باطل ہے اگر کوئی یہ کہہ دے کہ یہ قاتل فاعل موت نہیں ہے تو اس طرح دعویٰ تو بچ جائے گا مگر قاتل ہر جزا و سزا سے بچ جائے گا یعنی جب اس نے مارا نہیں تو سزا کیسی؟ ابن ملجم ملعون کی سزا جاتی رہے گی اور فاتحین احد و بدر کی جزا باطل ہو جائے گی، کیونکہ اگر انسان فاعل مختار نہیں تو قتل شہداء و انبیا علیہم السلام کا مجرم نہیں ہے اور اگر قتل شہدا و انبیا علیہم السلام کا مجرم ہے تو فاعل مختار ہے اس طرح اللہ کا ممیت مطلق ہونا باطل ہو جائے گا

اب دوسری صورت یہ ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ انسان فاعل موت نہیں بلکہ فاعل تو اللہ ہے مگر انسان سبب موت ہے، اگر انسان کو سبب موت تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی چند اشکال وارد ہوتے ہیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ اسباب موت مستوجب جزا و سزا نہیں ہو سکتے مثلاً تلوار، بندوق یا دیگر جدید و قدیم آلات ہیں انہیں کبھی کسی نے مجرم تصور نہیں کیا دوسری بات یہ ہے کہ حادثاتی یا واقعاتی اموات میں جب انسان سے کوئی قتل ہو جاتا ہے تو اسے بھی سبب کی حیثیت دی جاتی ہے اسے بھی مجرم تصور نہیں کیا جاتا مثلاً کار جیپ وغیرہ کا ایکسیڈنٹ ہو جائے یا شرعی عدالت کے حکم سے جلاد کسی کو قتل کر دے تو نہ جج یا قاضی کو

مجرم تصور کیا جاتا ہے نہ جلاد کو مجرم تصور کیا جاتا ہے اور نہ ہی قصاص لینے والوں کو مجرم مانا جاتا ہے بلکہ مجرم کو اپنی موت کا موجب قرار دیا جاتا ہے

حالانکہ وہ جلاد یا قاضی بھی قتل کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں مگر قاتل نہیں عادل مانے جاتے ہیں اس لئے ہمارے سامنے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں

1 ...... یا شہدائے اوّلین و آخرین کے قاتلین کو بے قصور مانا جائے

2 ...... یا پھر اللہ کے علاوہ کفّار و مشرکین کو بھی ممیت مانا جائے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خالق کائنات نے اپنے علاوہ کسی کو ممیت کہا ہے یا نہیں؟

ایک طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ قرآن پاک میں موت کے چار فاعل بتائے گئے ہیں اور سلسلۂ وسائل کو خود امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام نے بیان فرمایا ہے صاحب احتجاج طبرسی اور ملا محسنؒ فیض نے تفسیر صافی میں لکھا ہے کہ ایک غیر مسلم شخص امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام کی محفل میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کلام اِلٰہی میں ہے کہ یہ عیب و تناقض سے پاک ہے مگر کلام اِلٰہی میں متناقض آیات بہت سی ہیں تو سرکارؑ علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تمہیں کہاں تناقض ملا ہے تو اس نے عرض کیا کہ رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ نے ایک آیت میں فرمایا ہے

☆اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ یعنی اللہ خود موت دیتا ہے پھر ایک آیت میں ہے

☆تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلائِكَةُ یعنی فرشتے روح قبض کرتے ہیں پھر ایک آیت میں ہے کہ

☆ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ یعنی ملک الموت روح قبض کرتا ہے پھر ایک اور آیت میں ہے

☆تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا یعنی ہمارے رسول روح قبض کرتے ہیں

کیا یہ متناقضات نہیں ہیں؟ کہ ایک ہی فعل کے چار فاعل بتائے جا رہے ہیں ایک ملک الموت، دوئم ملکوتِ موت، سوئم رسولانِ موت، چہارم خود اللہ تعالیٰ، اب انسان ان میں سے کس بات پر یقین کرے

قرآن کیلئے اس سے بڑا عیب کیا ہے کہ کہیں کچھ لکھا ہے اور کہیں کچھ؟

یہ سن کر امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا کہ رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ ارفع واعلیٰ ہے اس سے کہ ان چھوٹے چھوٹے امور پر خود تصرف فرمائے اور یہ چھوٹے امور خود انجام دے حقیقت یہ ہے کہ اس کے رسولوں اور ملکوت کے افعال دراصل اسی کے افعال ہیں کیونکہ یہ سب اسی کے حکم کے ماتحت چلتے ہیں پس اللہ نے اپنے اور مخلوق کے مابین اپنے رسول اور سفیر مقرر فرمائے ہیں اور انہی کی شان میں فرمایا ہے

☆اللَّهُ يَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ

یعنی اللہ ملکوت اور انسانوں میں سے کچھ رسول منتخب فرماتا ہے پس روح قبض کرنے والے فرشتوں کا فعل ملک الموت کا فعل ہے اور ملک الموت کا فعل خود اللہ کا فعل ہے یعنی یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ وسائل کی ایک طویل ترین زنجیر ہے اس زنجیر کی ہر کڑی کا فعل اصل فعال بالذات قوت سے وابستہ ہے اور پورے سلسلے کا فعل قوت بالا کا فعل شمار ہوتا ہے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ملک الموت آلۂ کار ہے رسول مظہریت کے حامل ہیں یعنی اللہ کا کوئی کام بلاواسطہ کرنا اس کے شایانِ شان نہیں ہے

اس طرح حقیقت ومجاز کی بحثوں کو دور کر کے دیکھا جائے تو موت کے چار فاعل تو

خود قرآن پاک سے ثابت ہیں

اس طرح جب مارنا یا موت دینا اللہ کے علاوہ غیر پر ثابت ہو جائے گا تو دعوے کا دوسرا جزو یعنی زندہ کرنا بھی خود بخود ثابت ہو جائے گا تو ہمارے مہربانوں کا یہ دعویٰ کہ ''احیاء و اماتت کی صلاحیت اللہ کے سوا کسی میں نہیں ہے'' خود بخود باطل ہو جائے گا

خاص طور پر مرحلۂ اعجاز میں تو پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام نے کئی واقعاتِ احیا و موت دکھائے ہیں مرُدوں کو زندہ کر کے دکھایا ہے، ہاں لفظ باذن اللہ کو ضرور داخل فرمایا ہے اور اس کی حقیقت گذشتہ اوراق میں بیان کی جا چکی ہے

اثر پذیری

معتزلہ اور اشاعرہ میں جو چند اختلافی مسائل تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ایک گروپ کہتا تھا کائنات کے ہر موجود کے اندر کچھ اس کے خواص موجود ہیں اور ان خواص کی اثر پذیری ان موجودات کی ذات میں داخل ہے جب کہ دوسرا گروپ ان کے خلاف تھا ان کا کہنا تھا کہ اشیاء و موجودات میں ذاتی کچھ بھی نہیں ہے ہر شئے خالق بذات خود کرتا ہے، موجودہ دور میں یہ تسلیم کیا جا چکا ہے کہ ہر شئے کے کچھ ذاتی خواص موجود ہیں مثلاً جمادات کو جب سے خالق نے وجود بخشا ہے ان کی خصوصیات تب سے ان کے اندر موجود ہیں مثلاً سنکھیا ہے تو جب سے ہے تب سے انسانی موت کی صلاحیت اس میں موجود ہے، یورینیم ہے تو اس سے اس کی خصوصیات کبھی بھی جدا نہیں مانی جا سکتیں چاہے یہ چیزیں کیمیائی تعامل سے خود پیدا کی جائیں یا قدرتی

طور پر موجود ہوں مگر جب سے ہوں گی خصوصیات ان میں ضرور شامل ہوں گی مثلاً ہائیڈروجن اور آکسیجن کا ایک اور دو کا تناسب جب بھی قائم ہوگا پانی بنے گا اور پانی میں زندگی کی مکمل خصوصیات موجود ہوں گی مادّہ جب سے ہوگا تب سے ابعاد اربعہ (طول، عرض، عُمق، جحم) سے کبھی جدا نہ ہوگا اگر ابعاد اربعہ نہ ہوں گے تو مادّہ نہ ہوگا پھر نباتات و جمادات میں ذاتی طور پر امراض و شفا وغیرہ کی صلاحیتیں موجود ہیں جیسا کہ کلام اِلٰہی سے شہد میں شفا کی خصوصیات کو ثابت کیا جا سکتا ہے اسی طرح باقی چیزوں میں بھی یہ خصوصیات موجود ہیں

الغرض جب سے وہ چیزیں ہیں تب سے ان میں اثر پذیری ہے اور جب تک وہ رہیں گی ان میں ان کی جملہ خصوصیات باقی رہیں گی پھر انسانی اور حیوانی خصوصیات ہیں تو وہ ان کی ذات میں تاحیات باقی رہتی ہیں

یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ انواع عالم میں سے ہر نوع کے اندر اثر پذیری درجاتی ہے کوئی خصوصیت جماعت کے افراد میں کم و بیش ہوسکتی ہے مثلاً کاربن میں زہر کم ہوگا، دار چکنا میں زیادہ ہوگا، سنکھیا میں اس سے زیادہ ہوگا، تابکار مادّوں میں حد سے زیادہ ہوگا، یہ تفاوت ہے مگر اثرات سے انحراف کوئی نہیں کر سکتا

اسی طرح انسان کے درجات ہیں عام ہے، خاص ہے، ردی ہے، ادنیٰ ہے، اعلیٰ ہے، وغیرہ وغیرہ مگر بنیادی خصوصیات سب میں برابر ہوتی ہیں اسی طرح اللہ فرماتا ہے کہ اس کے قانون میں تبدیلی نہیں ہے اس کا قانون بے لچک ہے ذرا فرق نہیں ہے

یہاں پہنچ کر سوچنا پڑتا ہے کہ کیا اللہ سبحانہ کا قانون ہر جگہ ایک ہے کہ شئے سے اثر جدا

www.khrooj.com

نہیں ہے مگر کیا انبیا و رسل علیہم السلام اور آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام پر آ کر اس کا قانون بدل جاتا ہے کہ انہیں جو خصوصیات عطا ہوتی ہیں ان میں بھی یہ محتاج محض ہیں؟ ان نفوس قدسیہ سے ان کی خصوصیات کس طرح جدا ہوگئی ہیں؟

یہ عام مشاہدہ ہے کہ جب انسان زہر کھاتا ہے تو وہ زہر انسان کو مارنے کیلئے مصلیٰ بچھا کر دعا نہیں کرتا کہ خالق اس انسان نے مجھے کھا لیا ہے لہٰذا اس پر موت کو مسلط کر دے جب زہر اپنے اثر پذیری کے عمل میں محتاجِ دعا نہیں تو ایک نبی مرحلۂ اعجاز میں محتاجِ دعا کیوں ہے؟ ...... زہر جب اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے تو انسان پر موت غالب کر دیتا ہے کیا نبی اپنی خصوصیات اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کسی کو زندہ نہیں کر سکتا؟

جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان اپنی فطری صلاحیتوں میں محتاجِ دعا نہیں ہیں انسان گناہ و ثواب میں فطری صلاحیتوں کو استعمال کر کے جزا و سزا کا مستحق قرار پاتا ہے عقاقیر اور جڑی بوٹیاں اپنی فطری صلاحیتوں کے استعمال سے امراض میں شفا داخل کرتی ہیں ان کے برعکس انبیا و رسل علیہم السلام اپنی فطری صلاحیتوں کے استعمال میں بھی محتاجِ دعا ہیں تو کس حساب سے؟

جب ایٹم بم پھٹتا ہے تو لاکھوں جانوں کا ناشتہ کرتے ہوئے دعا سے کام نہیں لیتا حالانکہ قوانین فطرت یعنی قوانین قدرت اس قدر سخت ہیں کہ انہیں توڑنے کی کوشش خود خالق بھی نہیں کرتا ''قانون وجہ کافی'' کو دیکھیں یا ''نظریۂ علّت و معلول'' کو دیکھیں کہیں بھی خالق نے انہیں نہیں توڑا، ربع مسکون پر لاکھوں افراد روزانہ مرتے ہیں اور ہر مرنے والے کے بارے میں پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ یہ کیوں مرا ہے؟

کیسے مرا ہے؟ خود سوچیئے یہ سوال کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ اللہ نے موت کیلئے وجہ کافی کو لازم قرار دیا ہے موت کی علّت کو لازم و واجب قرار دیا ہے

امراض و حادثات کی لاکھوں اقسام ہیں اور یہی اقسام موت کی وجوہات و علل قرار پاتی ہیں اور آج تک علّت و معلول کا رشتہ باقی ہے، مرنے والے کے بارے میں لوگوں کے سوالات بتا رہے ہیں کہ کوئی بھی بلا وجہ نہیں مرتا اور کسی کو موت علّت کے بغیر نہیں آ سکتی کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ کوئی زندہ کیوں ہے؟

جب خالق اپنے قوانین قدرت کی اس درجہ پابندی کر رہا ہے تو یہی قانون قدرت کسی دوسرے مقام پر انسان کیسے توڑ سکتا ہے؟ اسی قانون کے ماتحت انبیا و رسل علیہم السلام اور آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام میں وہ خصوصیات اور فطری قوتیں رکھی گئی ہیں جن کے استعمال میں وہ خود فاعل مختار ہیں اور انہی قوتوں کے استعمال سے انہوں نے مُردوں کو زندہ کیا ہے اور مرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ اے حارث ہمدانی کوئی شخص مر نہیں سکتا جب تک مجھے دیکھ نہ لے چاہے وہ مومن ہے یا منافق

جب یہ ایک قانونِ قدرت کے عین مطابق دعویٰ ہے تو پھر اس دعوے پر اعتراض کیسا؟ حقیقت یہ ہے کہ اندھا مذہبی قدامت پرست زاہد خشک جسے فارسی میں خر مقدّس کہتے ہیں وہی علل و اسباب و وجوہات سے آنکھیں بند کر کے ہر شئے کو خالق پر فٹ کر سکتا ہے اور خیر و شر کو ''من اللہ'' کہہ سکتا ہے مگر اللہ نے جس عقل کے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسے استعمال کرنے والا انسان ہر فعل و عمل کے پیچھے طویل سلسلۂ وجوہات و علل دیکھ رہا ہوتا ہے

یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ساری قوتیں کس نے دی ہیں؟ جواباً لازم کہنا پڑے گا کہ خالق کائنات نے یہ صلاحیتیں اور قوتیں انواع عالم کو ودیعت فرمائی ہیں مگر اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسی کو تلوار عطا فرما دیتا ہے اب اس کے بعد اس شخص کی اپنی مرضی ہے کہ تلوار وہ کہاں استعمال کرتا ہے خالق نے یہ صلاحتیں اور قوتیں تلوار کی طرح ہر چیز کو دی ہیں مگر استعمال کیلئے مختار بھی بنایا ہے، نیکی کی صلاحیتیں برائی کی صلاحیتیں ایک نقطۂ اعتدال پر عطا ہوئی ہیں انسان مختار ہے انہیں جہاں استعمال کرے فیصلہ استعمال پر ہوگا جزا وسزا استعمال پر مرتب ہوگی اگر اس تلوار کا استعمال بھی خالق سے منسوب کر دیا جائے تو پھر سلسلۂ جزا وسزا، نظریۂ معاد و قیامت، جنت و دوزخ، فوائد اخلاق حسنہ و اعمال خیر وغیرہ سب باطل ہو جائیں گے

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جس طرح انسان اپنی قوتوں کو استعمال کرنے میں مختار ہے اسی طرح انبیا و آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام بھی فاعل مختار ہیں، یہ زندہ بھی کر سکتے ہیں مار بھی سکتے ہیں اور اس نظریے وعقیدے کا شرک سے کوئی تعلق نہیں ہے؟

یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ان کے یہ افعال ذاتی ہیں ان کی ذات میں اور جبلت میں ان کے نور کے خصائص وصفات میں داخل ہیں اور امور کے انجام دینے میں یہ محتاج دعا نہیں ہیں بلکہ اپنے تصرف سے متصرف ہو کر زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنا سکتے ہیں

یہی ان کا مقامِ مظہریت اِلٰہی ہے

اب یہ علیحدہ بات ہے کہ اپنے جامۂ بشری کی لاج رکھتے ہوئے کبھی کھلے عام اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا گیا ہماری اتنی استطاعت نہیں ہے کہ ہم ان کی مصلحتوں کا

ادراک کرسکیں لیکن اب وہ وقت آ پہنچا ہے کہ جب شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دستار کے پاک وارث ہر خاص و عام کیلئے اس مقامِ مظہریت کو ظاہر فرمانویں گے

دعا ہے کہ اب ایک پل کی بھی تاخیر نہ ہو اور غیب ذات مقام شہود کو شرف بخشیں اور تمام خلق خدا ان کے حقیقی مقام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَیهِ وَ عَلٰی آلِهِ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

وسیلۃ اللہ

☆یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَابْتَغُواْ إِلَيهِ الْوَسِيلَةَ

خطبہ اول

اے طائران فلک عرفان !

رب ذوالجلال والاکرام نے کائنات کی ہر چیز کومحتاج وسائل پیدا کیا ہے انسان عدم سے وجود میں آنے سے لے کر معاد تک محتاجِ وسائل ہے

انسان والدین کے وسیلے سے پیدا ہوتا ہے خوردونوش کے وسیلے سے زندہ رہتا ہے اوراسباب خوردونوش کے حصول کیلئے لاکھوں وسائل کے سامنے دامن احتیاج پھیلا کرزندگی کی بھیک مانگتا ہے گویا وسیلہ ایک ایسی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جس سے خالق بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا جس طرح مخلوق عاجز ہے کہ وہ وسیلے کے بغیر خالق سے کچھ نہیں لے سکتی اسی طرح وہ قادر مطلق بھی بغیر وسیلے کے کچھ نہیں دے سکتا

میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ ذہن یہاں استغفار پڑھ رہے ہوں گے اور کچھ اس بات کی علمی تردید کیلئے شواہد ڈھونڈ رہے ہوں گے مگر میں یہ جانتا ہوں کہ انہیں زمانۂ حال میں ایسی کوئی شہادت نہیں مل سکتی کہ جس سے ثابت کرسکیں کہ وہ رزاقِ مطلق کسی کو بلا

www.khrooj.com

واسطہ ووسیلہ گندم کا ایک دانہ بھی دے رہا ہو

میں اس بات کا دعویٰ اس لئے کررہا ہوں کہ اگر کوئی ایسی چیز اہل اسلام کو معلوم ہوتی جو خالق بلا واسطہ دے رہا ہوتا تو یہ اللہ کے وجود واجب پر اسے ضرور دلیل بنا کر لا مذہب لوگوں کے سامنے لاتے مگر آج تک کوئی ایسی چیز سامنے نہیں لائی گئی اور جو ظاہر بین لوگ ہیں وہ اسباب ووسائل ہی کو رازق مان رہے ہیں

دوستو آپ ماضی میں کچھ دلائل ڈھونڈیں گے مگر زیادہ سے زیادہ وسائل رزق میں سے من وسلویٰ یا مائدہ (دسترخوان) والی روایات ثبوت کے طور پر لائیں گے جناب مادر عیسیٰؑ صلوات اللہ علیہا کیلئے طعام جنت کا حوالہ دیں گے مگر تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ من وسلویٰ بھی ایک وسیلے سے بخشے گئے تھے اور مائدۂ آسمانی بھی خود ایک وسیلۂ رزق تھا اسی طرح جنت سے آنے والے کھانے بھی ایک نہیں کئی وسائل کے ابواب سے گزر کر وہاں پہنچے تھے ان میں سے جنت بھی ایک وسیلہ تھی وہ ملکوت بھی وسیلہ تھے جو وہ کھانا لائے تھے پھر وہ کھانا برتنوں میں تھا اس کے برتن بھی ایک وسیلہ تھے الغرض آپ کوئی ایک چیز ایسی نہیں پیش کرسکتے جو اللہ سے کسی وسیلے کے بغیر آئی ہو، ہاں اس بات کے جواب میں فتویٰ دے سکتے ہیں جو علمی تہی دامنی کی علامت ہوتا ہے۔ میں عرض کررہا تھا کہ اللہ نے پوری کائنات کو محتاجِ وسائل کیا ہے جیسا کہ انسان ہوں یا حیوان انہیں رزق کا محتاج کیا گیا ہے اور رزق کو وسیلے کا محتاج بنایا ہے اس بے نیاز نے انسان کو بے نیاز نہیں بنایا کیونکہ اس کے فرعون بننے کے بہت زیادہ چانسز (Chances) تھے اس لئے اسے محتاج رزق رکھا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ رزق کی اقسام لاتعداد ہیں ملکوت و جنات کیلئے علیحدہ رزق ہے، نباتات وحیوانات

کیلئے علیحدہ رزق ہے، انسان کیلئے علیحدہ قسم کا رزق ہے، شہید راہ خدا (جو بظاہر مردہ ہے) اس کیلئے علیحدہ رزق ہے مگر جو بھی ہے اسے رزق کی ضرورت ہے ہر موجود مرہونِ رزق ہے

اقسامِ رزق پر بحث کرنا باعث طوالت ہوگا صرف انسان کے رزق پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں

جب ہم انسانی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انسانی زندگی کی بقا کیلئے رزق کی تین اقسام سرفہرست ہیں یعنی آب، غذا اور ہوا......اس کے بعد انسان کے جملہ حواس ظاہری و باطنی کیلئے علیحدہ علیحدہ رزق بھی ہیں مثلاً عقل کیلئے علم رزق ہے، آنکھوں کیلئے جمال رزق ہے، شامہ کیلئے خوشبو رزق ہے، جیسا کہ ادعیہ میں آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام نے ارزاق کی اقسام کی نشان دہی فرمائی ہے

مثلاً دعائے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف میں ہے

☆ اللھم ارزقنا لقائه

یعنی زیارت امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام بھی رزق ہے کہیں فرمایا کہ

☆و رزقنا من شفاعته

یعنی شفاعت بھی رزق ہے، غرض انسان کے رزق کی سینکڑوں اقسام ہیں اور مادّی زندگی کی بقا کیلئے یہی تین چیزیں یعنی پانی، غذا اور ہوا بنیادی وسائل ہیں، پھر ان میں سے ہر وسیلے کے پیچھے کئی لاتعداد وسائل ہیں کہ جن پر ان کی بنیاد ہے مثلاً پانی کے وسائل پر غور کریں تو ظاہراً چند ایک ہیں مثلاً نل، چاہ، دریا، بارش وغیرہ اور انہی پر ریسرچ (Research) کر کے جدید سائنس نے (Cycle of Water)

سائیکل آف واٹر کا نظریہ دیا ہے اب نل یا چاہ کو دیکھیں تو ان کو بنانے میں بیسیوں افراد کارفرما نظر آئیں گے یعنی بڑھئی ہے، لوہار ہے، گچ کار ہے، وغیرہ وغیرہ ان میں سے اگر ایک وسیلہ حذف کر دیا جائے تو پھر کنویں کی مکمل تشکیل ہم نہیں کر سکیں گے بادل اور بارش کیلئے (Vaporization) ویپورائزیشن کی ضرورت ہے اور پانی بخارات کی شکل اختیار نہیں کر سکتا جب تک درجۂ حرارت 100 ڈگری سینٹی گریڈ تک نہ پہنچ جائے درجۂ حرارت 100 تک جا نہیں سکتا جب تک سورج اور زمین اور زیر سمندر گرمی نہ ہو پھر بخارات کو دھکیلنے کیلئے مون سون ہواؤں کی ضرورت ہے پھر ان کو روکنے کیلئے پہاڑوں کی ضرورت ہے تو اسی طرح اگر ہوا کے دباؤ میں کمی نہ ہو تو بارش نہیں ہو سکتی پھر بارش کے ہر قطرہ کے لئے ایک ذرّہ گرد کی ضرورت ہے جو نیوکلیس کا عمل کرے یعنی سینکڑوں مراحل ہیں اور سینکڑوں وسائل ہیں کہ جن سے گزر کر بارش کا پہلا قطرہ اور پھر آنے والا ہر قطرہ آتا ہے اگر انسان تفصیل میں چلا جائے تو سینکڑوں اوراق سیاہ ہوتے چلے جائیں گے، اسی طرح خوراک ہے تو وہ بھی مرہون وسائل ہے، نباتات ہیں تو ان سے انسان اپنی اسی 80 فیصد غذائی ضروریات پوری کرتا ہے مگر نباتات خود مرہون وسائل ہیں، انسان آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ زمین کاشت کرنے میں اور فصل تیار کرنے میں کتنے وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں مثلاً ہل چلاتا ہے تو ہل بنانے کیلئے درکھان اور لوہار کی خدمات حاصل کرتا ہے، پھر حیوانات کے سامنے گھٹنے ٹیکتا ہے، بصورت دیگر جدید (Mechanical) مکینیکل طریقے سے کلٹی ویشن (Cultivation) کرتا ہے تو ٹریکٹر، ہل، ڈرل اور ہزاروں دیگر وسائل کا محتاج ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی خوراک کے

وسائل میں انسان خود بھی ایک وسیلہ ہے

اب اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ ہر انسان کا بنیادی وسیلۂ رزق جدا جدا ہوتا ہے اور انسان مختلف پیشوں کو رزق کا وسیلہ بناتا ہے، کوئی لوہا کوٹتا ہے رزق حاصل کرتا ہے، کوئی جوتے تیار کرتا ہے رزق حاصل کرتا ہے، کوئی سونا بیچتا ہے، کوئی جسمانی خدمات سرانجام دے کر، کوئی تجارت کے ذریعے، کوئی صرف کھیل کر رزق حاصل کرتا ہے یعنی لاکھوں طرح کے پیشے ہیں اور ہر پیشہ ایک وسیلۂ رزق ہے

جب وسائل کا سلسلہ مادّی سرحدوں سے گزرتا ہے تو پھر ماورائے کائنات وسائل شروع ہو جاتے ہیں مثلاً کاشت کار بیج حاصل کرتا ہے، زمین تیار کرتا ہے، فصل کاشت کرتا ہے، دانۂ گندم زمین میں چلا جاتا ہے، وہاں بیکٹیریا (Bacteria) اپنا عمل کرتے ہیں، زمین میں موجود کیمیکلز (Chemicals) حرکت میں آتے ہیں، گندم کا دانہ نمو لیتا ہے، ہوائیں آکسیجن پہنچاتی ہیں، سورج حرارت دیتا ہے، بکٹیریا (Bacteria) عمل کرتے ہیں، رات پودوں کو سلاتی ہے، دن انہیں بیدار کرتا ہے، پھر بیکٹیریا (Bacteria) کے بارے میں سائنس دان کہتے ہیں کہ ایک ایکڑ رقبہ میں جس قدر دس مزدور محنت کرتے ہیں ان دس مزدوروں کے برابر ایک مربعہ انچ رقبہ میں بکٹیریا (Bacteria) محنت کرتے ہیں، قدرت نے لاکھوں سال سے زمین کے گرد آکسیجن کی معینہ مقدار جو اکیس 21 فیصد ہے اس کو قائم رکھا ہوا ہے اگر ایک فیصد کم ہو جائے تو نباتات فنا ہو جائیں گے ایک فیصد بڑھ جائے تو حیات موت میں بدل جائے اب خود غور کریں کہ ان ظاہری وسائل سے آگے جو وسائل کا سمندر موجیں مار رہا ہے انسان اس کے عشر عشیر تک سے بھی واقف نہیں ہے، یہ سلسلہ آگے

www.khrooj.com

بڑھتا ہے تو وسائل کی ایک اور کائنات پردہ کشا ہوتی ہے کہ جس کے بارے میں سائنس دان تو خاموش ہیں مگر مذاہب عالم پکار پکار کر انسان کو اس سے مطلع کر رہے ہیں یعنی عالم ملکوت تدبیر امور میں کارفرما نظر آتا ہے جیسا کہ کلام مجید میں ارشاد قدرت ہے کہ...... (النزعت آیہ 3-5)

☆وَالسَّابِحَاتِ سَبْحاً () فَالسَّابِقَاتِ سَبْقاً ()فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْراً ()

قسم ہے تیزی سے تیرنے والوں کی، مجھے قسم ہے آگے بڑھ کر سبقت کرنے والوں کی، مجھے قسم ہے تدابیر امور کرنے والوں کی ......ایک اور مقام پر فرمایا ہے

☆وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفاً () فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفاً ()وَالنَّاشِرَاتِ نَشْراً ()

(مرسلات آیہ 1-3)

یعنی قسم ہے ان ملکوت کی جو نیکی کے ساتھ بھیجے گئے اور قسم ہے آندھی کی طرح تیزی سے آنے والوں کی اور قسم ہے پھیلانے والوں کی جو پھیلاتے ہیں

بقول مفسرین یہ جملہ امور کے وسائل ملکوت کا ذکر ہے جو ہمہ وقت مصروفِ عمل رہتے ہیں ان کی عبادت بھی یہی ہے کہ امورِ کائنات کو تیزی سے انجام دیتے ہیں اور ذاتِ واجب الوجود کے یہ آلۂ کار ہیں اور مقامِ آلیت پر فائز ہیں

مقام آلیت کیا ہے؟

یہ ایسے ہے جیسے انسان کسی کام کیلئے کسی چیز کو آلہ کے طور پر استعمال کرتا ہے مثلاً لکھنے کیلئے قلم استعمال کرتا ہے لکھتا قلم ہے مگر اس کی نسبت انسان کی طرف ہوتی ہے کیونکہ فاعل حقیقی انسان ہے اور فاعل مجازی قلم ہے، قلم چل نہیں سکتا جب تک صاحب

تصرف اسے نہ چلائے یہ صرف آلۂ تحریر ہے اسے صاحب تصرف کا ہاتھ ہی استعمال کرسکتا ہے اور وہی فاعل حقیقی ذات ہوتی ہے اسی لئے تو عام گفتگو میں یہ فقرہ سامنے آتا ہے کہ میں نے دوست کو خط لکھا ہے حالانکہ لکھا قلم نے ہے مگر لکھنے کا فعل میری ذات کی طرف منسوب ہے صرف اس لئے کہ وہ میرے تصرف میں تھا اور میں ہی فاعل با اختیار تھا اسی طرح ملکوت فاعل با اختیار نہیں ہیں بلکہ تصرف الٰہی میں چل رہے ہیں اسی لئے مجازاً تدبیر امور کائنات کو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ یہ آلۂ کار ہیں مگر حقیقتاً ان کی طرف منسوب شدہ افعال کا فاعل بھی خود رب ذوالجلال والاکرام ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے

☆قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ......(سورہ یونس آیہ 31)

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے دریافت فرمائیں کہ تمہیں زمین و آسمان میں رزق کون دیتا ہے؟ سماعت و ابصار کا مالک کون ہے؟ مردہ میں سے زندہ کو خارج کرنے والا کون ہے؟ زندہ میں سے مردہ کو نکالنے والا کون ہے؟ اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا کون ہے؟ تو وہ فوراً ہی عرض کریں گے کہ وہ اللہ ہی ہے تو انہیں فرما دیں کہ کیا تم اتنا جاننے پر بھی اس سے نہیں ڈرتے

یعنی جملہ امور کی تدبیر کرنے والا فاعل حقیقی اللہ ہے مگر مدبراتِ امور ملکوت ہیں جو اس کے وسائل ہیں اسی لئے ارشاد فرمایا

☆يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ...... (سورہ السجدہ 5)

آسمان سے زمین تک تدبیر امور رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ فرماتا ہے اور مدبراتِ امور ملکوت اس کے وسائل ہیں، یہ بھی ایک مسلّمہ نظریہ ہے کہ ان مدبراتِ امور ملکوت کے اوپر ایک اور ملک ہوتا ہے جو اوپر سے احکام لیتا ہے اور مدبرات پر احکام جاری کرتا ہے، امور رزق میں مدبراتِ رزق کے انچارج جناب میقائیل علیہ السلام ہیں یعنی تقسیم رزق کا بڑا وسیلہ جناب میقائیل علیہ السلام ہیں، گویا حکومت اِلٰہی میں جناب میقائیل ڈائریکٹر آف فوڈ (Director of Food) ہیں اور تقسیم رزق کے احکامات یہی مدبرات کو عطا کرتے ہیں اس سلسلۂ وسائل کو اگر غور سے دیکھا جائے تو وسائل کی ایک ایسی زنجیر نظر آتی ہے جس کا ایک سرا فرد سے ملا ہوا ہے اور دوسرا سرا ذاتِ واجب الوجود کے ہاتھ میں ہے

ایک حسی مثال دیتا ہوں ایک آدمی بھینس کے گلے میں زنجیر ڈالے کھینچ رہا تھا میں نے آدمی سے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا میں بھینس کو کھینچے جا رہا ہوں، اچانک اس کے ہاتھ نے مجھے مخاطب کیا اور کہا کہ بھینس کو یہ نہیں میں کھینچ رہا ہوں، جب اس ہاتھ نے بات کی تو فوراً ہاتھ میں موجود زنجیر کی کڑی نے کہا اے میاں تم جھوٹ بول رہے ہو تم تو صرف مجھے کھینچ رہے ہو بھینس کو تو میں کھینچ رہی ہوں، اسی طرح ہر پچھلی کڑی نے اگلی کڑی کی تکذیب کی اور خود کو بھینس کے کھینچنے کا فاعل بتایا تا اینکہ بھینس کے گلے میں پڑی ہوئی کڑی نے کہا کہ باقی کڑیاں مجھے کھینچ رہی ہیں اور میں ہی بلا واسطہ بھینس کو کھینچ رہی ہوں

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اصل کھینچنے والا کون ہے؟ عقل نے کہا کہ اس کی ہر کڑی فاعل ہے مگر فاعل با اختیار وہی کھینچنے والا انسان ہی ہے کہ جس کی قوت ہر کڑی سے

www.khrooj.com

گزرتی ہوئی بھینس تک جاتی ہے اگر یہ انسان ہاتھ ڈھیلا کردے تو سارا عمل رک جائے گا لیکن یہ بھی ہے کہ ان کڑیوں سے اگر ایک کڑی بھی دوسری کڑی سے رابطہ توڑ دے تو پھر انتقالِ قوت کا عمل رک جائے گا

بلا تشبیہ اسی طرح وسائل کا سلسلہ ہے جو ایک فرد سے شروع ہوتا ہے اور اس کی ہر کڑی انتقال قوت الٰہیہ میں معاون و مددگار رہوتی ہے اور یہ سلسلہ ''وسیلتہ اللہ'' تک پہنچ جاتا ہے جو ''یداللہ'' ہے اور مقام مظہریت کا حامل ہوتا ہے اور جملہ آلاتِ کار پر مکمل تصرف کا حامل ہوتا ہے جیسے قلم پر ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوتی ہے تب چلتا ہے اسی طرح ملکوت پر یداللہ کی گرفت ہمیشہ مضبوط رہتی ہے اور ملکوتِ ارض وسما اس کے ''تصرفِ کلی'' میں ہوتے ہیں

یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مظہر ذات آلہٗ کار نہیں ہوتا بمنزلت اعضا و جوارح ہوتا ہے اور تمام اعضا و جوارح وَن یونٹ(ONE UNIT) ہوتے ہیں وہ کسی کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ ارادے کے ماتحت عمل کرتے ہیں تبھی تو خالق نے فرمایا

☆وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ

کہ وہ کچھ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہتا ہے اور وہ اللہ کی مشیّت کے حامل ہوتے ہیں یہی وجہ تھی کہ امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام کے بارے میں تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

☆ فانه مموس فی ذات الله

کہ میرا بھائی ذات اِلٰہی میں گھل مل چکا ہے کہ اب اس کا ہر اختیار کردہ رویّہ اللہ سے منسوب ہوگا کیونکہ یہی نور اوّل ہیں اور وسیلتہ اللہ ہیں اور یہی بلا واسطہ ذاتِ واجب الوجود سے استفادہ کرتے ہیں اور باقی کائنات کیلئے یہی مدبر الامور ہیں

اگر چہ جناب میقائیل عالمین کے رزق کی تقسیم پر متعین ہیں مگر اس کی جرأت نہیں کہ ان کی رضا کے بغیر کسی کو گندم کا ایک دانہ دے سکیں ''بیمنہ روزق الوری'' کی یہی تفسیر ہے کہ انہی انوار قدسیہ ہی کی وجہ سے عالمین کو رزق ملتا ہے یعنی ہمارے امیجیٹ (immediate) رازق یہی پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام ہیں

لیلۃ القدر کی جو آل محمد علیہم الصلوات والسلام نے تفسیر فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شب قدر میں ملکوت آسمان سے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور جملہ امور آ کر امام وقت کے حضور پیش کرتے ہیں اور انہی کے دست ید اللہ صفات سے کائنات کے مقدّرات کا اجرا ہوتا ہے، شہنشاہ امام محمد باقر علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا کہ من کل امر سے جملہ امور مراد ہیں خیر و شر، طاعت و معصیت، تولید اطفال، قحط اور خوشحالی، موت و حیات، اجل و رزق، غرض وہ تمام امور جو اللہ نے مقدّر فرمائے ہیں وہ سارے اس میں داخل ہیں

اسی طرح کی بہت سی احادیث موجود ہیں جن میں صحت و سقم، موت و حیات کے ساتھ رزق بھی شامل کر کے فرمایا گیا ہے کہ یہ بھی کائنات کو امام زمانہ علیہم الصلوات والسلام کے دست مبارک سے حاصل ہوتا ہے اس سورہ میں لیلۃ القدر کے ضمن میں چار چیزوں کا ذکر ہے

1 ...... تنزیل ملکوت ہے

2 ...... من کل امر (یعنی جملہ امورِ عالمین)

3 ...... علیٰ صاحب الامر ہے

4 ...... اور تنزیل روح القدس ہے

(1)

اس رات میں ملکوت مدبرات مع جناب میقائیل آسمان سے زمین پر نازل ہوتے ہیں

(2)

اس کائنات کے جملہ امور یعنی کس کو کیا کیا دینا ہے اس کا ایک ایک ایٹم گن گن کر بارگاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے لے کر سال بھر کیلئے نفاذ احکام کا امر لیتے ہیں

(3)

اور جملہ امور کے نگرانِ حقیقی ہر زمانے کے امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام ہوتے ہیں جو حاکم ملکوت ہوتے ہیں

(4)

اس چوتھی شق کے بارے میں بہت اختلاف موجود ہے کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ روح القدس ایک فرشتہ ہے اور وہ ☆ هو اعظم من جبريل و ميقائيل بعض نے کچھ کہا ہے بعض نے کچھ، یہاں تک کہ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد جناب جبریل ہیں اور بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں اس کی تفسیر میں جناب حمران سے روایت ہے کہ میں نے اپنے امام زمانہ جناب ابی عبداللہ علیہ الصلوات والسلام سے لیلۃ القدر کے بارے میں دریافت کیا (یہ طویل حدیث ہے بقدر ضرورت خلاصہ پیش کرتا ہوں) ایک طویل بیان کے بعد فرمایا آسمان سے ملائکہ ان مومنین پر نازل ہوتے ہیں جو علم آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے مالک ہوتے ہیں پھر فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے روح القدس کیا ہے؟ فرمایا

☆ الروح القدس هی السيدة النساء العالمين صلوات الله عليها

www.khrooj.com

روح القدس سے مراد ہماری جدّہ طاہرہ ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا ہیں اور وہ ان امور کو جن میں سلامتی ہوتی ہے لے کر اپنی اولاد میں سے امام وقت کے ہاں تشریف لاتی ہیں حتیٰ مطلع الفجر کے معنی یہ ہیں کہ

☆حتیٰ مطلع الفجر یعنی ایقوم القائم علیہ الصلوات والسلام

(قاطع البیان ص448 ،کتاب المحجہ البران ج3 ص487)

طلوع فجر سے مراد یہ ہے کہ وہ معظّمہ کونین صلوات اللہ علیہا ہر شب قدر میں ہمارے لخت جگر قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف کے قیام کی صبح سعید تک اسی طرح تشریف لاتی رہیں گی اسی لئے تو سرداب مبارک کے سامنے جو اذن دخول لیا جاتا ہے اس میں اقرار کیا جاتا ہے کہ

☆الحمد لله الذی من علینا بحکام یقومون مقامه لو کان حاضراً ......

(مفاتیح الجنان صفحہ نمبر312)

یعنی حمد ہے اس اللہ کیلئے کہ جس نے اپنے احسان عظیم کے پیش نظر وہ حکام (حاکم) عطا فرمائے ہیں کہ جو اس کی ذات کی موجودگی میں بھی اسی کے مقام و منصب کی مسند پر جلوہ آراء ہیں، دعائے رجبیہ از امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف

☆ معادن كلماتك و اركان لتوحيدك و آياتك و مقاماتك التی لا تعطيل لها فی كل مكان يعرفك بها من عرفك لا فرق بينك و بينهم الا نهم عباد و خلقك

اے ہمارے خالق محمد و آل محمد علیہم الصلوات والسلام تیرے کلمات کے معادن ہیں یہ تیری توحید کیلئے ارکان ہیں اور یہ تیری توحید کے نشانات ہیں اور وہ تیرے ایسے

مقامات (منصب ہائے) اِلٰہی ہیں کہ جو کسی بھی مکان میں معطل و غیر مؤثر نہیں ہیں
تیری پہچان انہی ذوات قدسیہ سے ہے یعنی تو انہی کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے، ان
ذوات متعالیہ میں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں ہے مگر اتنا کہ وہ تیری عبادت کرتے ہیں
اور تیری ذات کی ایجاد ہیں، اس میں چھ باتیں مذکور ہیں اگر اس کی تشریح کی جائے
تو کئی تقاریر درکار ہوں گی مگر یہاں بہت ہی اختصار کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا
پہلی بات یہ ہے کہ یہ پاک ذواتِ قدسیہ اللہ کے کلمات کے معادن ہیں یعنی جس
طرح معدنیات کی ایک کان ہوتی ہے بلاتشبیہ یہ اللہ کے کلمات کی چودہ کانیں ہیں
اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلمات کیا ہیں؟
اللہ نے تبیان لکل شی کی مصداق کتاب میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کو کلمتہ اللہ فرمایا ہے جیسا
کہ ارشاد ہے......سورہ نساء
☆إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ
تحقیق جناب عیسیٰ علیہ السلام ایک تو اللہ کے رسول تھے اور وہ اللہ کے ایک کلمہ بھی تھے
اللہ نے کسی دوسرے نبی کو کلمتہ اللہ نہیں فرمایا صرف جناب عیسیٰ علیہ السلام کو کلمتہ اللہ فرمایا
ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ولادت غیر بشری انداز میں بغیر باپ کے ہوئی تھی
کیونکہ اللہ نے ایک کلمہ فرمایا جو مجسم ہو گیا اور تین ساعات میں ان کی ولادت ہو گئی
جس کی ولادت غیر بشری انداز میں صرف کلمۂ کن سے ہو وہی کلمتہ اللہ ہوسکتا ہے،
ہاں باقی انبیا علیہم السلام کی ولادت اگرچہ غیر بشری انداز میں تھی مگر اس میں والد کو بھی
وسیلہ بنایا گیا تھا اور انہیں کچھ عرصہ والد کی پیشانی کی زینت بن کر رہنا پڑا تھا
اسی طرح جو ذوات متعالیہ صُلب عالم جبروت سے بطن عالم ناسوت میں بلا واسطہ

منتقل ہوئے ہوں انہیں کلمتہ اللہ کہا جاتا ہے
اب اس فقرے کو دوبارہ دیکھیں کہ یہ ذوات جلیلہ کلمات اِلٰہی کی کانیں ہیں یعنی ہم سے اقرار کروایا جارہا ہے کہ ہم مانیں کہ ان کا سلسلۂ نسل بشری انداز میں نہیں ہے بلکہ یہ صُلب عالم جبروت سے بلا واسطہ بطن عالم ناسوت میں منتقل ہوتے رہے ہیں اوران کی اولاد طیبہ حظوظ بشریہ سے اجل وارفع واعلیٰ ہے
( )اگلا فقرہ یہ تھا کہ اے خالق یہ تیری توحید کے ارکان ہیں
رکن کے لغوی معنی یہ ہیں کہ جس سے قوت حاصل کی جائے یا جو موجب عزت ہو یا غلبہ اور اقتدار کا موجب ہو، کلام اِلٰہی میں اسی معنی میں آیا ہے کہ جب جناب لوط کو امت نے گھیر لیا تو انہوں نے فرمایا

☆قَالَ لَوۡ أَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّةً أَوۡ آوِیۡ إِلَی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ ......(ہود آیہ 80)

اے کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں ارکانِ توحید کی پناہ لے لیتا
دعائے رجبیہ میں یہ اقرار کیا گیا تھا کہ یہ ارکان توحید ہیں یعنی اللہ کیلئے اس کی توحید کی قوت ہیں اوراس کے غلبے اور اقتدار کا موجب یہی ذوات طاہرہ علیہم الصلوات والسلام ہیں باقی تشریحات ترک کر کے اس کے ایک فقرے کی تھوڑی سی تشریح کرنا ضروری سمجھتا ہوں ،فرمایا اے خالق یہ انوار طاہرہ تیرے مقامات یعنی عہدے اور منصب ہیں کہ جو کسی مکان میں بھی معطل اور غیر متصرف نہیں ہیں
جو آدمی تھوڑا سا علم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ زمان ومکان کا تصور کیا ہے؟
مکان نقطۂ آغازِ تخلیق سے شروع ہوتا ہے اور یہ مرحلۂ فنائے مطلقہ تک محیط ہے
یعنی لمحہ اوّلین سے یہ ذوات مقتدرہ منصب اقتدار الوہیت پر متصرف ہوئے اور بعد

ازفنائے کائنات تک یہ اس پر فائز رہیں گے اوراس میں تصرف کاملہ کے ایسے حامل رہیں گے کہ جو کبھی بھی اور کسی بھی لمحہ میں تعطل کا شکار نہ ہوگا بلکہ احکامات اِلٰہی کا یہ نفاذ فرماتے رہیں گے

اس ایک فقرے کے کئی مرادات یہاں بیان کئے جاسکتے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کچھ بھی نہیں تھا اس وقت بھی یہ پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام منصب اِلٰہی پر فائز و متمکن تھے اورازل سے اب تک یہ اپنے اسی منصب پر متصرفِ کائنات بن کر ہمہ وقت موجود ہیں اور آئندہ بھی اسی طرح ابدتک یعنی قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ کے بعدتک بھی یہ مسندالوہیت پر مظہر ذات احدیت بن کر جلوہ آراء رہیں گے یعنی ان کے اس منصب اور عہدہ میں نہ کبھی کوئی تعطل آیا ہے اور نہ ہی کبھی اس کا امکان ہے

میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اختیار کے مظاہرے کی ظاہری طور پر ایک جھلک ہمیں اس وقت ملے گی جب روحِ عالمین میرے منعم حقیقی شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا دور حکومت ظاہر ہوگا پھر کائنات کو پتہ چلے گا کہ مقام نیابت اِلٰہیہ کیا ہے؟

دعا کریں کہ ہمیں وہ دور فوراً سے بھی پہلے دیکھنا نصیب ہو کہ جب وہ پاک ذات عجل اللہ فرجہ الشریف اس عالم موجود میں جلوہ گر ہو کر اپنی قدرت کاملہ کلیہ اِلٰہیہ کا اظہار فرمائے گی اور ان کے چاہنے والوں کی آنکھیں دیدار اِلٰہی سے سیراب ہو کر ٹھنڈی ہوں گی

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمٌ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

وسیلۃ اللہ

☆یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَابْتَغُواْ إِلَيهِ الْوَسِيلَةَ ( )

خطبہ دوم

اے عاشقان عروس معرفت!
میں گفتگو کا آغاز حمد سے کرتا ہوں کیونکہ اس میں اس محسن مطلق کے احساناتِ عظیم کا شکر ہے، حمد ہے اس رب ذوالجلال والاکرام کی کہ جس نے کائنات کی ہدایت کو پسند فرمایا اور اپنی رحمت بیکراں کے لامحدود کو محدود سے محیط ہی نہیں بلکہ منجذب فرمایا ہے اور اپنی رحمت کلی کا سر چشمہ رب الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دیا ہے اور ان کے نور وحدت الاصل کو کائنات کی ہدایت کیلئے حقائق چہاردہ اور شعوب غیر متناہیہ میں نمود پذیر فرمایا ہے مگر پھر بھی ان کی وحدت کو اپنے مقام ذات میں غیر منقسم قائم رکھا ہے
رب ذوالجلال والاکرام نے مخلوق کیلئے ایک ایسا راستہ وضع فرمایا ہے کہ جو خلق کو خالق سے واصل کرتا ہے یہی طریق معرفت، صراطِ مستقیم، سبیل اللہ اور راہِ رشد و ہدایت ہے
اس شہنشاہ لازوال نے اپنے لئے وہ مقام مستقیم پسند فرمایا ہے کہ کائنات کے جس

حصے اور شعبے سے سفر معرفت کا آغاز کریں خود بخود منزل توحید تک پہنچ جائیں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ اپنے لئے ایک ایسا چبوترہ بنوائے کہ جو بہت ہی بلند ہو جس کی ایک لاکھ چالیس ہزار سیڑھیاں ہوں اور وہ چبوترہ زمین پر دائرے کی شکل میں ہو اور ہر سیڑھی پہلی سیڑھی کے اوپر ہو جب ایسا چبوترہ ہوگا تو پھر آنے والے کیلئے یہ ضروری نہ ہوگا کہ کسی مخصوص سمت سے سفر کرے تا کہ شہنشاہ تک پہنچ سکے بلکہ وہ چبوترے کی جس سمت سے بھی اوپر چڑھنا شروع کردے گا لازماً وہ شہنشاہ کے قدموں تک پہنچ جائے گا

اسی لئے آغا خمینیؒ فرماتے ہیں کہ خلق سے خالق تک پہنچنے میں ستر ہزار حجابات ظلمانی ہیں اور ستر ہزار حجابات نورانی ہیں یعنی یہی وہ ایک لاکھ چالیس ہزار سیڑھیاں ہیں جو مسافر راہِ وسائل کو عبور کرنا لازم ہیں یہی وہ وسائل ہیں جو انسان کو منزل معرفت تک لاتے ہیں کیونکہ پہلی سیڑھی مسافر کیلئے دوسری سیڑھی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اور دوسری سیڑھی تیسری سیڑھی تک اور یہ ایک سلسلہ ہے جو سالک کو عبور کرنا ناگزیر ہے

رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ نے اس راز کو سمجھانے میں کائنات کے نظام کو ہادیِ عقل قرار دیا ہے یعنی صاحبانِ عقل وخرد جب شواہد کائنات کو بنظر غائر دیکھیں گے تو انہیں وسائل کی ہر زنجیر اپنی اگلی کڑی دکھائے گی تا اینکہ انسان وسائل کی دنیا سے نکل کر حقیقت بالذات تک پہنچ جائے گا

یہ سلسلۂ نظم کائنات عقول کاملہ کو اس حقیقت سے آشنا کرے گا کہ کائنات کے جملہ شعبے محتاج وسائل ہیں ہر چیز کے وجود و عدم میں کوئی نہ کوئی وسیلہ ضرور کارفرما ہے جب انسان وسائل کو کھودے گا تو ہر وسیلے کے نیچے ایک اور وسیلہ چھپا ہوا پائے گا

www.khrooj.com

اور انہی وسائل کو وجوہات بھی کہا جاتا ہے یعنی ایک شخص نے آٹے کا ڈھیر دیکھا تو پوچھا کہ کیا وجہ تھی کہ آٹا یہاں اس شکل میں آیا ہے تو وہ چکی تھی، مگر چکی بیکار ہے جب گندم نہ ہو، گندم کے دانے ہو نہیں سکتے جب تک اس کا پودا نہ ہو، پودا ہو نہیں سکتا جب تک اس کا بیج نہ ہو، بیج ہو نہیں سکتا جب تک زمین نہ ہو، مگر زمین بھی کافی نہیں ہے بلکہ اس کا زرخیز ہونا ضروری ہے، پھر زرخیزی کافی نہیں پانی کی بھی ضرورت ہے، اب پانی کے وسائل کا ایک علیحدہ سلسلہ شروع ہو جائے گا یعنی کہیں کنواں، کہیں ٹیوب ویل، کہیں (Electric Water Pump) الیکٹرک واٹر پمپ، پھر ان میں سے ہر چیز اپنے ایک ایک ایٹم کیلئے بیسیوں وسائل کی محتاج ہے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دانۂ گندم کی تکمیل کے وجوہات و وسائل اس قدر لامحدود ہیں کہ انسان باور کرتا ہے کہ پوری کائنات نے مل کر بڑے جتنوں سے ایک دانۂ گندم کو تخلیق کیا ہے

یہ تو ایک مثال تھی اسی فارمولے کو کائنات کی جملہ اشیا پر لاگو کر کے دیکھیں تو حقائق سے حجابات اُٹھتے چلے جائیں گے اور انسان ضروریات زندگی کی ایک ایک چیز کو دیکھتا چلا جائے گا اور حیرت کے سمندر میں غرق ہوتا چلا جائے گا اور سوچنے پر مجبور ہوگا کہ آخر کس نے اسے وسائل کے سمندر میں مچھلی کی طرح زندہ رکھا ہوا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح یہ وسائل پھیلتے چلے جاتے ہیں اسی طرح یہ وسائل اپنے پھیلاؤ کی آخری حدود تک پہنچ کر پھر سمٹنا شروع ہو جاتے ہیں یعنی مادّیات کی حد تک وسائل پھیلتے چلے جاتے ہیں مگر جب مادّیات سے گزرتے ہیں تو پھر سمٹنا شروع ہو جاتے ہیں پھر یہ سلسلہ سمٹتے سمٹتے ایک ایسے وسیلۂ مطلق تک پہنچ جاتا ہے کہ جو بلا واسطہ ذات واجب الوجود سے استفادہ فرماتا ہے اور اپنے ماتحت وسائل کو شان

اِلٰہی سے عطا فرماتا ہے یعنی وہی وسیلۃ اللہ ہے کہ جس کا بلا واسطہ رابطہ ذات اِلٰہی سے ہوتا ہے اسی کا نام ہے ''خلیفۃ اللہ'' انگریزی زبان میں خلیفہ کیلئے (Caliph)یا(Assistant) کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں

خلیفۃ اللہ

حکومت اِلٰہیہ میں جتنے عہدے ہیں ان میں سے ایک بڑا عہدہ ہے'' خلافت''
اس خلافت کے اختیارات لا محدود ہیں اور خلافت کے ان لا محدود شعبہ ہائے اختیارات میں سے ایک ہے ''وسیلۃ اللہ'' ہونا...... یہ عہدۂ خلافت کیا ہے اس کے اختیارات کیا ہیں اس کیلئے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے آیت اللہ آغا خمینیؒ کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں

☆ان هذه الحقيقة الغيبية اجل من ان ينال بحضرتها ايدى الخائفين و يستفيض من جناب قدسها احد من المستفيضين لم يكن واحد من الاسماء و الصفات بما لهما من التعينات محرم سرها و لم يؤذن لاحد من المذكورات دخول خدرها فلا بد لظهور الاسماء و بروزها و كشف اسرار كنوزها من خليفة الهية غيبة يستخلف عنها فى الظهور فى السماء

فرمایا یہ حقیقت غیبیہ اِلٰہیہ غور وفکر کرنے والوں کے دستِ عقول سے ماوریٰ واجل و ارفع ہے اور کوئی فیض حاصل کرنے والا اس کی بارگاہ قدس سے بلا واسطہ استفادہ کر ہی نہیں سکتا اور جہاں تک اسماء اِلٰہی کا تعلق ہے تو ان کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اسمائے اِلٰہی بھی اپنے تعینات کے باوجود اس کے حریم ذات کے محرم راز نہیں ہو سکتے اور ان

www.khrooj.com

مذکورہ اشیاء میں سے کوئی بھی اس کے خدرو پردہ سرا میں دخول کی اجازت نہیں رکھتا لیکن ان اسماء کے ظہور و بروز اور رازوں کے خزائن اور کنوز کے انکشاف کیلئے ضروری ہے کہ ذات واجب الوجود کا ایک خلیفہ ہو جو حامل غیب اِلٰہیہ ہوتا کہ اسماء میں ذات کے ظہور کیلئے اس حقیقت غیبیہ کا جانشین ہو......(مصباح الھدایہ)

یعنی آغا خمینیؒ فرماتے ہیں اسماء و صفات سے ارفع و اعلیٰ ایک حریم ذات کا ہونا ضروری ہے اوراسی کا نام خلیفتہ اللہ ہے آگے فرماتے ہیں کہ خلیفۂ اِلٰہی کے دو رخ ہوتے ہیں ایک غیبی جنبہ ہے جس کا رخ ہویت ذات کی طرف ہوتا ہے اورایک رخ اسماء و صفات اِلٰہی کی طرف ہوتا ہے اور وہ اسماء و صفات اِلٰہی کیلئے وسیلۂ فیض احدیت ہوتا ہے

اسی مقام کو مقامِ ولایت کبریٰ بھی کہا جاتا ہے اوراسی کے بارے میں فرمان ہے کہ ''الولایت افضل من نبوّت'' یعنی ولایت نبوّت سے افضل واعلیٰ مقام ہے

یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نبی نہ تھے بلکہ وہ جناب ''ولی الاولیا'' بھی تھے اوران کی ولایت حقیقی تھی اور باقی اولیا کی ولایت مجازی تھی

اس مقام کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ایک مکان کے درمیان میں ایک ستون ہے اب اس پر غور کریں گے تو دیکھیں گے اس کے دو سرے ہیں اس کا ایک سِرا زمین سے متصل ہے اور دوسرا سِرا سقف (چھت) سے متصل ہے یعنی اس کا پست سِرا زمین سے جڑا ہوا ہے اور بلند سِرا سقف سے جڑا ہوا ہے

اسی طرح عہدۂ خلافت بھی ایک طرف مخلوق سے مربوط ہوتا ہے اور دوسری طرف خالق سے متصل ہوتا ہے اس کا جو حصہ مخلوق سے منسلک ہوتا ہے اسے نبوّت کہتے ہیں

اور جو خالق سے متصل ہوتا ہے اسے ولایت کہتے ہیں
اس لئے ہر نبی کیلئے ولی ہونا ضروری ہے مگر کسی ولی کیلئے نبی ہونا ضروری نہیں ہوتا اور مخلوق مقامِ پست پر واقع ہوتی ہے اس لئے اس سے متصل پہلوئے خلافت بھی پست مانا جاتا ہے اور خالق مقام بلند پر واقع ہے اس لئے خلافت کا وہ پہلو جو اس بلندی سے متصل ہوتا ہے وہ بلند ہی ہوتا ہے اسی لئے ولایت کو نبوّت سے بلند کہا جاتا ہے
اس طرح خلیفۃ اللہ بحیثیت ولی کے اللہ جل جلالہ سے استفادہ کرتا ہے اور بحیثیت نبی کے مخلوق کو مستفید فرماتا ہے اس سلسلۂ فیض کے بارے میں آغا خمینیؒ فرماتے ہیں
☆اوّل ما یستفیض من حضرۃ الفیض و الخلیفۃ الکبریٰ حضرۃ الاسم الاعظم
خلیفۂ اِلٰہیہ اسم اعظم کیلئے بھی وسیلۂ فیض ہوتا ہے اور اسماء اِلٰہی میں سب سے اوّل اسم اعظم ہی خلیفۂ اِلٰہی سے فیض حاصل کرتا ہے کیونکہ ہویت ذات اسماء وصفات سے ارفع واعلیٰ ہے پھر فرماتے ہیں
☆ان الاسماء و الصفات الالھیۃ ایضاً غیر مرتبطۃ بھذا المقام الغیبی بحسب کثراتھا العلمیۃ غیر قادر علیٰ اخذ الفیض من حضرتہ بلا توسط شئی ء حتیٰ اللہ الاعظم
یعنی اسماء وصفات اِلٰہیہ بھی برحسب کثرات علمیہ اس مقام سے مربوط نہیں اور بغیر وسیلے کے اس پر قادر نہیں ہیں کہ وہ استفادہ کرسکیں تا اینکہ اسم اللہ الاعظم بھی بلا واسطہ فیض حاصل کرنے پر قدرت نہیں رکھتا کیونکہ کوئی بھی عہدہ مقام خلافت سے

www.khrooj.com

ارفع واعلیٰ نہیں ہے اور اسی خلافت اِلٰہی کے بارے میں آگے فرماتے ہیں کہ

☆ھی حقیقة الولایة فان الولایة ھی القُرب او المحبوبیة او التصرف الربوبیة او النیابة و کلھا ھذہ الحقیقة و سایر المراتب ظِل و فی او لھا اِلٰی آخرہ

فرماتے ہیں یہ خلافت ہی ولایت کی حقیقت ہے اور ولایت کیا ہے قُرب ذات ہے اور محبوبیت ہے اور تصرف کی حامل ہے اور ربوبیت و نیابت اللہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جملہ صفات اس کا اوّلین حق ہیں اور برحق ہیں اور یہ جملہ مراتب اس کے سائے ہیں یعنی وہ جسم ہے جو واحد ہے یہ پانچ اس کے سائے ہیں

اب یہاں تک تو وضاحت ہو چکی کہ خلق سے خالق حقیقی تک ایک سلسلۂ وسائل ہے ایک زنجیر ہے اس زنجیر کی پہلی کڑی فرد سے شروع ہوتی ہے اور آخری کڑی ذات واجب الوجود سے جا کر ملتی ہے پھر اس زنجیر کی کچھ کڑیاں مادّی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور کچھ کڑیاں ماورائی دنیا سے متعلق ہیں اور ماورائی دنیا کی جو کڑیاں ہیں ان سب پر متصرف صاحب منصب خلافت اِلٰہی ہے اور جملہ وسائل جا کر اسی خلیفۂ اِلٰہی کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں اور خلیفۂ اِلٰہی ایک ہمہ صفت موصوف ذات ہے جو جملہ صفات اِلٰہی سے متصف ہے اور انوار اِلٰہی کی ہر کرن کو منعکس کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے

اوّلیت واجب

جو بھی خلق کیلئے وسیلۂ مطلق ہو گا اس کیلئے سب سے پہلے صفت اوّلیت کا ہونا ضروری

ہے کیونکہ اگر اس سے پہلے کوئی ہوگا تو پھر اسی کا بلا واسطہ ذات واجب سے رابطہ ہوگا اور بعد والا اس کیلئے وسیلۂ فیض نہ بن سکے گا لہٰذا ایک زمانہ ایسا ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب ایک ذات واجب الوجود ہو تو دوسرا اس کا حقیقی خلیفہ ہو اور کچھ بھی نہ ہو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس خلافت اِلٰہی کے منصب پر کون فائز ہے؟ اس کیلئے ہمیں کلام اِلٰہی سے دریافت کرنا پڑے گا کہ اوّلیت کسے حاصل ہے؟ تو ارشادِ قدرت ہوتا ہے کہ اے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرما دیں- سورہ زخرف 81

☆قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ

کہ اگر ذات واجب الوجود کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں اسے ضرور جانتا کیونکہ اس کی عبادت میں مجھے اوّلیت حاصل ہے پھر فرمایا......سورہ انعام 14

☆''قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ'' ایک اور مقام پر فرمایا' ''وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ'' اسی طرح احادیث میں ہے کہ

☆''انا اوّل المسبحین'' اسی طرح بہت سی احادیث ہیں کہ جن سے اوّلیت نور سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ثابت ہے انہی آیات کی تفسیر کیلئے جب ابوحمزہ ثمالی نے امام ابی جعفرؑ الباقر علیہ الصلوات والسلام سے رجوع کیا تو شہنشاہ معظم نے فرمایا

☆قال امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام ان تبارك و تعالیٰ احد واحد تفرفی وحدانية ثم تكلم بكلمة فصارت نوراً ثم خلق من ذالك النور محمداً صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و خلقنی و ذریتی ثم تكلم بكلمة فصارت روح فا سكنه الله فی ذالك النور و اسكنه فی ابداننا فنحن روح الله و كلماته...... الخ

امام علیہ الصلوات والسلام نے جواب میں فرمایا کہ ہمارے جد اطہر امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام

فرماتے ہیں کہ ذات واجب الوجود واحد واحد اور مفرد تھی اور کچھ نہ تھا ذاتِ احد اپنی وحدانیت میں جلوہ آرا تھی تو ایک کلمہ سے کلام فرمایا وہ ایک واحد الاصل نور بن گیا اس نور واحد سے نور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی ذرّیت کو اختراع فرمایا اس کے بعد پھر ایک کلمہ سے کلام فرمایا تو وہ روح بن گیا پھر اس روح کو اس نور میں سکونت بخشی گئی اور جب نور اور روح ایک دوسرے میں جاگزیں ہو گئے تو پھر ان دونوں کو ہمارے ابدان واجساد میں سکونت بخشی گئی، اسی لئے ہم روح اللہ بھی ہیں اور کلمتہ اللہ بھی ہیں۔ اس حدیث پاک سے جو نتائج سامنے آتے ہیں ان میں سے کچھ کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں

پہلا نتیجہ یہ ہے کہ یہ اس زمانے کی بات نہیں جب خالق کے نور سے ان کی ذات کو جدا فرمایا گیا تھا بلکہ یہ اس ظاہری وجود کی تخلیق کا ذکر ہے جو جامۂ بشری میں انسانیت کی ہدایت کیلئے دنیا میں تشریف لایا

نمبر دو یہ کہ جو نور کلمۂ اوّل سے ظہور پذیر ہوا وہ وحدت (Unity) کا حامل تھا اس میں دوئی کا تصور نہ تھا

نمبر تین یہ کہ جو روح کلمۂ ثانیہ سے ظہور پذیر ہوئی وہ بھی وحدت کلی کی حامل تھی اور نور اور روح کو ملا کر پھر ایک مرکب واحد بنایا گیا جس میں سے ابدان طاہر واقدس کے سپرد کیا گیا

نمبر چار وہ ابدان جو اس وقت نمود پذیر ہوئے تھے انہی پر بشریت کا لبادہ پہنا کر بھیجا گیا

پہلے نتیجے پر یہ دلیل ہے کہ اوّلیت نور کے ضمن میں جو معتبر حدیث موجود ہے کہ

☆ ''اوّل ما خلق اللہ نوری'' اسی کے ضمن میں ارشاد ہے

☆ان اللـه خـلـق نور محمدؐ من نور اختراعه من عظمته و جلاله و هو نور هويت الذی بدا منه

یعنی بحثیت محمد یتؐ جو نور خلق فرمایا گیا وہ نور ہویت سے اختراع ہونے والے نور سے ہے جو واحد الاصل ہے جسے ابدان وارواح کی ضرورت نہیں وہ نفس و بدن و روح کا مرکب نہیں بلکہ یہ ظاہری ابدان مرکب ہیں اورانہی کے بارے میں ارشاد ہے کہ

☆نحن اسرار الهية فی هياكل البشريه

کہ ہم اللہ کے راز ہیں جو بشری لباس میں ملبوس ہیں اسی کی طرف آغا خمینی اشارہ فرماتے ہیں کہ خلیفۂ اِلٰہی کا ایک جنبہ غیبی ذات ہویت کی طرف ہوتا ہے اور دوسرا جنبہ مخلوق کی طرف اسی لئے مخلوق کیلئے وہ غیب غیب اِلٰہیہ کے مترادف ہے جو راز اِلٰہی ہے اور وہ جس طرح ایک عام انسان کیلئے غیبت اِلٰہی اور سرِّ مکنون ہے اسی طرح ملکوت وانبیا اور جبریل ومیکائیل وغیرہ کیلئے بھی ایک سربستہ راز ہے کیونکہ وہ بھی مخلوق ہیں جبکہ وسیلۃ اللہ مخلوق وخالق کے مابین ہوتا ہے

خلیفۃ اللہ کا جو رخ اللہ جل جلالہ کی طرف ہوتا ہے یا اس سے متصل ہوتا ہے وہی ولایت کا حامل ہوتا ہے اور جو رخ ذات واجب الوجود سے استفادہ کرتا ہے اسے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا اور کوئی عقل اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی ہے اس معاملے میں ایک عام انسان اور انبیا علیہم السلام اور ملکوت اربعہ یعنی جبریل ومیکائیل وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے سب ہی ان رازوں سے ناواقف اور ناآشنا ہیں

اسی طرح شہنشاہ معظم ابی عبداللہ جعفرالصادق علیہ الصلوات والسلام ایک طویل حدیث میں

خلقت اولیٰ کا ذکر فرماتے ہیں کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور اقدس کو ارواح انبیا علیہم السلام کی تخلیق سے چار لاکھ چوبیس ہزار سال پہلے اللہ نے اپنے نورِ ذات سے اختراع فرمایا اور بارہ حجابات میں ہزاروں سال رکھا اور یہ وہاں تسبیح و تقدیس و تہلیل میں مصروف رہے اور کچھ حجابات میں دس ہزار سال تسبیح میں مصروف رہے کسی میں سات ہزار سال کسی میں پانچ ہزار سال

جب یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جملہ مخلوق سے پہلے نور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا تو پھر خود بخود سواد اعظم کے بعض علماء کے اس نظریے کی تردید ہو جاتی ہے کہ جناب جبریل ہی معلم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کیونکہ جب جناب جبریل خلق ہی نہیں ہوئے تھے تو پھر اس وقت کس طرح تعلیم عرفان وعبادت دے سکتے ہیں اور اوّل ما خلق اللہ نوری کی ہم مزاج لاتعداد احادیث موجود ہیں اور قرآن بھی اوّلیت کی تصدیق فرماتا ہے تو پھر کسی دوسرے کو ذاتی رائے دینے کا اختیار نہیں رہتا

دوسرے نتیجے کیلئے یہ دلیل ہے کہ شہنشاہ معظم امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام فرماتے ہیں کہ

☆کنت و محمداً صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نوراً نسبح قبل المسبحات و نقبل المخلوقات فقسم اللہ ذالك النور نصفين نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وصی المرتضیٰ علیہ الصلوات والسلام فقال اللہ عز و جل لذالك النصف کن محمداً صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و للآخر کن علیؑ علیہ الصلوات والسلام ....الخ

(نہج الاسرار صفحہ 25 ومشارق صفحہ 84)

پھر فرمایا

☆انا و الھداۃ من اھلبیتی سر اللہ المکنون و اولیاؤہ المقربون کلنا واحد و سرنا واحد فلا تفرقوا فینا فتھلکوا............ الخ

میں اور میرا حبیب ایک نور تھے اور تسبیح کرنے والوں سے بھی اوّل تھے اور مخلوقات سے ماقبل تھے پس اللہ نے اس نور نبی وولی میں تنصیف فرمائی ایک حصے کو فرمایا آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن جائیں اور ایک حصے سے فرمایا آپ علی علیہ الصلوات والسلام بن جائیں پھر فرمایا میں اور میرے اہل بیت علیہم الصلوات والسلام اللہ کے سربستہ راز ہیں اور اس کے مقرب اولیاء ہیں ہم سب ایک ہیں، ہمارا امر ایک ہے، راز ایک ہے، ہمارے مابین تفریق نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، اسی طرح ''کلنا واحد'' کے موضوع پر لاتعداد احادیث موجود ہیں تو ثابت ہوا کہ قبل الخلق بھی یہ انوار وحدت (Unity) کے حامل تھے اور یہی وسیلۃ اللہ ہیں کیونکہ خالق سے بلاواسطہ استفادہ یہی انوار کرتے ہیں اور باقی جو بھی ہے وہ ان کا محتاج ہے

دعا ہے کہ وہ دن جلد آئے کہ جب اللہ کے یہ انوار ازلیہ وابدیہ اسی دنیا میں ظہور پذیر ہو کر کلنا واحد کے راز کو منکشف فرمائیں گے اور اب جس طرح اہل دنیا غائبانہ طور پر انہی کے وسیلہ سے نعمات سے مستفید ہو رہے ہیں پھر ظاہراً انہی کے دست یداللہی سے ہر چیز لے کر ان کے وسیلۃ اللہ ہونے پر ایمان لے آئیں گے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف
وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

مشیّت اللہ

اے طائران سدرۂ معرفت !

ہم کئی تقاریر میں مسلسل توحید مطلق سے متعلق ان مقامات کا ذکر کر رہے ہیں کہ جو خالق نے خود متعین فرمائے ہیں

اس موضوع پر لا تعداد احادیث اور علمائے علام کے آرا کا ایک جم غفیر ہے جس کا احصاء کرنا اور بیان کرنا کم ازکم میرے بس کا روگ نہیں ہے کیونکہ ایسا کوئی عالم نہیں ہے اور نہیں تھا اور نہ ہوگا جو اس بات کو اپنے الفاظ میں بیان نہ کرے گا یعنی سارے علمائے اسلام بلا امتیاز مسلک وفرقہ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ''وہ ذات واجب الوجود رب ذوالجلال والاکرام اس سے منزہ وارفع ہے کہ سارے امور بِنَفسِہا بذات خود انجام دے'' یعنی یہ بات اس کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ افعال سے مباشر ہو سارے علما کے الفاظ جدا جدا ہوں گے مگر مفہوم یہی ہوگا

تخلیق خلق کے بارے میں یہ تو ماننا ناگزیر ہے کہ وہ رب ذوالجلال والاکرام خالق مطلق ہے مگر اس نے تخلیق اشیاء اور خلقت موجودات کیلئے بھی اپنے وسائل و وسائط ہی کو استعمال فرمایا ہے یعنی بغیر وسیلے کے کسی چیز کو خلق نہیں فرمایا

www.khrooj.com

اس نے تخلیق کیلئے دو طریقے اختیار کئے ہیں ایک کا نام ''خلق'' ہے اور دوسرا ہے ''امر'' اسے ''و لہ الخلق و لہ الامر'' سے ثابت کیا جاتا ہے یعنی ایک ''عالم خلق'' ہے اور دوسرا ''عالم امر'' ہے اور اسی لئے عرفا کی کتب میں ''امری مخلوق'' کا تصور موجود ہے جو ''عالم خلق'' ہے اس میں تخلیق کے دو اصولِ کار یا طریقے کارفرما ہوتے ہیں جس سے مخلوق کو خلق کیا جاتا ہے ایک کو ''تخلیق'' اور دوسرے کو ''تکوین'' کہا جاتا ہے

یہاں یہ بھی بتا دوں کہ تخلیق اور تکوین میں کیا فرق ہے؟ یا یوں سمجھیں کہ عالم خلق اور عالم امر میں کیا فرق ہے؟ عالم خلق سے وہ مخلوق تعلق رکھتی ہے جو بتدریج کمال کو پہنچتی ہے جیسے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدائش کے بعد آہستہ آہستہ جوان ہوتا ہے اور پھر زوال پذیر ہو کر مر جاتا ہے یہ مخلوق پیدائش اور استکمال دونوں میں محتاج غیر اللہ بھی ہوتی ہے یعنی تخلیق کا عمل محتاجِ اسباب و اشیا و مادّہ ہوتا ہے اور اسے تکمیل تک جانے کیلئے ایک وقت بھی درکار ہوتا ہے یہ نباتات، حیوان، انسان وغیرہ عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں

عالم امر میں تخلیق کا جو عمل ہے وہ صرف لفظ ''کن'' سے ہوتا ہے یوں سمجھیں کہ امری مخلوق وہ ہے جو اپنے نقطۂ کمال پر پیدا ہوتی ہے اور اس کی تخلیق میں فاعلی کردار لفظ کن ادا کرتا ہے اور یہ مخلوق پیدائش میں محتاجِ اِلٰہی ہوتی ہے اور اپنے نقطۂ کمال پر پیدا ہوتی ہے اور اسی نقطۂ کامل پر باقی رہتی ہے اس پر موت نہیں آتی کیونکہ عالم امر کیلئے موت نہیں ہے جیسے روح امری ہے یا ملکوت ہیں تو وہ بھی امری مخلوق ہیں

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ''عالم امر'' ارادی ہے یعنی ارادۂ اِلٰہی سے پیدا ہوتا ہے اس

لئے عالم انسان اسے نہیں دیکھ سکتا اور نگاہ ظاہر صرف تخلیق کا مشاہدہ کر سکتی ہے تکوین کی حدود میں نفوذ نہیں رکھتی جیسا کہ تخلیق آدم علیہ السلام میں مٹی، پانی، آگ، ہوا وغیرہ کا جمع کرنا، پتلہ بنانا وغیرہ تخلیق ہے یعنی مادّے سے صورت بنائی گئی ہے مگر تکوین ہی اس کی تکمیل کرتی ہے جو نفخ روح کی شکل میں نمود پذیر ہوئی

میں یہ سمجھتا ہوں کہ عالم امر سے بھی ایک عالم ماورئ ہونا چاہیئے کیونکہ ارواحِ ملکوت کو پیدا کرنے کیلئے لفظ کن ادا کرنے کیلئے کوئی تو ہونا چاہیئے، یہ لفظ کن بھی تو ایک مخلوق ہے نہ کہ اللہ ہے اس پر بہت سی آراء ہیں کہ کن کیسے کہا گیا کیا وہ آواز تھی یا حرف تھے یا ارادہ ہی لفظ کن ادا کر رہا تھا یا ارادہ ہی عین کن ہوتا ہے یہ وہ بحثیں ہیں جنہوں نے ماہرین علم اِلٰہیات کو چکرا رکھا ہے تو ہم کیا اس کی وضاحت کریں گے

اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب بھی سلسلۂ تخلیق کا آغاز ہوا ہوگا تو لازماً اوّلیت کے حامل فرد کو خالق نے بلا واسطہ ایجاد فرمایا ہوگا کیونکہ اگر واسطہ و وسیلہ کسی کو بنایا ہوگا تو پھر اس وسیلے کو بلا واسطہ ایجاد کیا گیا ہوگا یعنی کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے کہ جو خالق سے بلا واسطہ و وسیلہ صادر ہوا ہے جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو پھر یہ مسئلہ بھی آسان ہو جاتا ہے کہ بعد میں جو بھی بنا ہے اس کی تخلیق میں ذات اوّل یا صادر اوّل کو وسیلہ اور شاہد بنایا گیا ہوگا

ایک تو خلق کرنے کا وہی ذریعہ ہوگا اور پھر اس کی تخلیق کا عینی شاہد بھی ہے اگر کوئی تخلیق ارض وسما پر شاہد نہ ہوتا تو خالق اس طرح ارشاد نہ فرماتا

☆مَا أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُداً ...... (سورہ کہف آیہ 51)

نہ تو میں نے کفّار کو تخلیق ارض و سما کے وقت گواہ بنایا تھا اور نہ ہی خود ان کی تخلیق پر انہیں گواہ بنایا ہے اور میں گمراہ کرنے والوں کو کس طرح اپنا قوت بازو بنا سکتا ہوں یعنی گمراہ کرنے والوں کو نہیں بلکہ ہدایت کرنے والوں کو اس نے اپنا قوت بازو یعنی وسیلۂ ایجاد اور گواہ بنایا ہے اور اسی طرح ملکوت کے بارے میں کفّار نے کہا کہ ملائک اللہ کی بیٹیاں ہیں تو پھر خالق نے سورہ صافات آیہ نمبر 150 میں فرمایا کہ

☆أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثاً وَهُمْ شَاهِدُون

یعنی کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں خلق کیا ہے اور وہ اس پر گواہ یا شاہد ہیں؟

مراحلِ ہفت گانہ

مقبول عام نظریہ اور مسلّمہ عقیدہ یہ ہے کہ اللہ یکا و تنہا تھا، فرد تھا پھر اس نے یہ پسند کیا کہ اپنے عرفان کیلئے کچھ خلق کرے سو اس نے سلسلۂ تخلیق شروع کر دیا

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی چیز عدم سے وجود میں آتی ہے تو وہ کئی مراحل سے گزرتی ہے وہاں جہاں کچھ بھی نہ تھا تو وہاں سلسلۂ تخلیق کے مراحل کیا تھے؟

اس پر بہت سی روایات ہیں میں یہاں صرف ایک روایت نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں

☆عن ابی عبداللہ علیہ الصلوات والسلام قال لا یکون شی فی الارض و لا فی السماء الا بھذہ الخصال السبع بمشیّۃ و ارادۃ و قدر و قضاء و اذن و کتاب و اجل فمن زعم انہ یقدر علیٰ نقض واحدۃ فقد کفر

(کافی جلد 1 صفحہ 149)

www.khrooj.com

شہنشاہ معظم امام صادق آل محمد علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا کوئی چیز ارض و سما میں نہیں ہے اور نہ ہوسکتی ہے جب تک ان سات مراحل سے نہ گزرے

1...... مشیّت

2...... ارادہ

3...... قدر

4...... قضا

5...... اذن

6...... کتاب

7...... اجل

ان مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے اور جو شخص یہ سمجھے کہ اللہ ان میں سے ایک کو بھی توڑنے پر قادر ہے وہ کافر ہے

اب آپ نے دیکھا کہ کوئی چیز جب بنتی ہے تو پہلے وہ مشیّت میں آتی ہے یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ مشیّت کے معنی ہیں چاہت، خواہش یعنی پہلے پہلے اللہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے لیکن ہمارے لئے یہ بھی مشکل ہے کہ ہم بتا سکیں کہ اس کی چاہت اور خواہش کیسی ہوتی ہے؟ انسان تو اپنی ڈیزائرز (Dsires) خواہشات کے بارے میں بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیسے چاہتا ہے اس کے اندر خواہش کیسے پیدا ہوتی ہے مگر ہوتی ضرور ہے تو جب اپنے بارے میں ہم عاجز ہیں کہ بتا سکیں کہ ہماری خواہشات کیسے پیدا ہوتی ہیں تو ہم خالق کے بارے میں کیسے بتا سکتے ہیں کہ اس کے اندر یہ ''چاہنا'' کیسے پیدا ہوتا ہے

انسان جب کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو اس میں بھی پہلے خواہش ہی پیدا ہوتی ہے اور چاہتا ہے کہ میں کچھ بناؤں جب چاہتا ہے تو پھر اس کے بنانے کا ارادہ کرتا ہے، بلا تشبیہ اسی طرح جب خالق کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو وہ اس کے بنانے کا ارادہ فرماتا ہے یہی دوسرا مرحلہ ہے اب یہ بھی ہم نہیں بتا سکتے کہ اس کی ذات میں ادارہ کیسے نفوذ کرتا ہے مگر یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اللہ کی جو پانچ صفاتِ ثبوتیہ مقرر ہیں ان میں سے ایک ارادہ بھی ہے

جب انسان کسی چیز کو بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو ارادہ ایک خواہش کی مضبوط شکل کی طرح سامنے آتا ہے ماہرین نفسیات یہ کہتے ہیں کہ جب ارادہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اسے ''عزم'' کہتے ہیں اور یہی عزم عمل میں بدلتا ہے، جب انسان کسی کام کا عزم بالجزم کر لیتا ہے تو اس کا اسٹیمیٹ (Estimate) کرتا ہے بس یہی تیسرا مرحلہ ہے جسے قدر کہا جاتا ہے اس کے بعد عمل شروع ہو جاتا ہے اور اسی کا نام قضا ہے جب بنانے کا امر جاری ہوتا ہے تو بننے کے مرحلے میں پرمیشن (permission) کا ایک آپشن (Option) ہوتا یعنی دوبارہ رضا لی جاتی کہ اسے بنا دیا جائے؟ یہاں اثبات یا نفی کی گنجائش ہوتی ہے اسی مرحلے کو ''اذن'' کہا جاتا ہے، اس کے بعد کتاب میں اس کا فیصلہ لکھا جاتا ہے جیسے ایک انجینئر کسی پراجیکٹ (Project) کا بلیو پرنٹ (Blue Print) بناتا ہے اسی طرح یہاں بھی بننے والی چیز کا ایک بلیو پرنٹ (Blue Print) بنتا ہے اور اسے ''کتاب'' کا مرحلہ کہا جاتا ہے، اس کے بعد اس کی ایک مدت مقرر کی جاتی ہے کہ اس کے اندر اندر اس نے بننا ہے اور اس کی گارنٹی (Guarantee) کیا ہے یعنی ایک تاریخ مقرر ہوتی ہے جو اس کے وقتِ فنا یا

(Time of Expiry) ٹائم آف ایکسپائری قرار دیا جاتا ہے اسی کو اجل کہا جاتا ہے اس کے بعد وہ عمل ہو جاتا ہے یا چیز بن جاتی ہے

مشیّت اللہ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کا چاہنا (چاہت) کیا ہوتا ہے؟ کیا وہ اس کی ذات کا حصہ ہے یا اس کی مخلوق ہے؟ اگر اس کا حصہ ہے تو اس طرح وہ احد مطلق ذات مرکب بالا جزا ہو جائے گی جو محال ہے تو پھر کیا ہے؟

قارئین کیوں نہ ہم یہی سوال اس ذات کے سامنے عرض کر دیں کہ جو آئے ہی ایسے رازوں کے بیان کیلئے ہیں شہنشاہ عالمین سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

☆ اوّل ما خلق الله المشيّة

اللہ نے سب سے پہلے اپنی مشیّت کو خلق فرمایا

اب یہ بات باقی رہتی ہے کہ اللہ نے مشیّت کو کس چیز سے خلق فرمایا؟ شہنشاہ معظم جناب صادق آل محمد علیہم الصلوات والسلام فرماتے ہیں

☆ان الله خلق المشيّة بنفسها و خلق الاشياء بالمشيّة

(اصول کافی جلد 1 صفحہ 300)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مشیّت کو مشیّت ہی کے نفس کے ذریعے خلق فرمایا اور باقی جملہ چیزوں کو اس نے مشیّت کے ذریعے خلق فرمایا ہے

اب تک جو تصویر ہمارے سامنے آئی ہے اس پر پہلے تبصرہ کر لیں پھر آگے بڑھیں گے

www.khrooj.com

آپ نے دیکھا ہے کہ شہنشاہ انبیاصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''اوّل ما خلق اللہ المشیّۃ'' دوسری طرف آپؐ ہی فرماتے ہیں کہ ''اوّل ما خلق اللہ نوری'' سب سے پہلے ہمارے نورِ اقدس کو لباسِ خلقت عطا ہوا ہے اب ان میں سے کون سی بات کو العیاذ باللہ غلط کہیں اور کس کو درست کہیں ہمارے لئے تو یہ دو بیان ایک دوسرے کے متضاد و متناقض موجود ہیں اور دونوں میں سے کسی کی بھی تکذیب کفر ہے اب کیا کریں چلو ہم اسی ذات عالیہ سے اس کا حل دریافت کرتے ہیں جس مدینۃ العلم کے باب مفتوحہ ہیں

امیر کائنات فرماتے ہیں ''نحن مشیّۃ اللہ'' ارے اس میں کون سا تضاد و تناقض ہے ایک ہی بات ہے کیونکہ اوّل جو خلق ہوا وہ ہمارا ہی نور تھا اور ہم ہی اللہ کی مشیّت ہیں فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ امام کیا ہوتا ہے؟

☆ ''مبدأ الوجود و غایۃ و قدرۃ الرب و مشیّۃ'' (بحارالانوار جلد 25)

امام ہی عالم ہست کا مبدا ہوتا ہے یعنی اسی سے ابتدائے وجود ہوتی ہے اور وہی اس عالم ہست کی انتہا بھی ہوتا ہے اور امام ہی اللہ کی قدرت کاملہ ہوتا ہے اور امام ہی اللہ کی مشیّت ہوتا ہے کہ جس کے ذریعے اللہ نے عالم ہست کی تخلیق کا کام کیا

☆ ''ان اللہ خلق المشیّۃ بنفسھا و خلق الاشیاء بالمشیّۃ''

کا مقصد و مرام ہی یہی ہے کہ اللہ نے ان کے نور کو اپنے نورِ ذات سے اختراع فرمایا اور یہی صادر اوّل ہیں اور پھر انہی کے ذریعے پوری کائنات یعنی ''عالم ما کان و ما یکون'' کو خلق فرمایا، اس حدیث میں دو بار ''ب'' استعمال ہوا ہے ایک ''بنفسھا'' میں ''ب'' لائی گئی ہے دوسری بار ''بالمشیّۃ'' میں ''با'' لائی گئی اب

www.khrooj.com

یہ آپ کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں کہ اس ''ب'' کو بائے استعانت مانیں یا بائے سببی، ایک طرح سے یہ عالم وجود ہست کے سبب تخلیق قرار پائیں گے اور بائے استعانت مانیں گے تو اللہ کے سارے سلسلۂ تخلیق کو چلانے والے یہی ثابت ہوں گے

''سبب'' اس رسی کو کہتے ہیں جسے ڈول سے باندھ کر پانی نکالا جاتا ہے اگر یہ سبب مانیں تو بھی یہی کائنات کو بنانے والے ثابت ہوں گے اور اگر استعانت والی 'با' مانیں گے تو بھی یہ کائنات انہی کے دست یداللہ اجلال کی پیدا کردہ ثابت ہوگی

حضرات آپ نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا کہ کیا یہ جو ہم ''چاہتے'' ہیں جو ہمارے من میں خواہش پیدا ہوتی ہے اس سے ہمارا کیا رشتہ ہے؟ کیا ہم اس کے خالق ہیں؟ یا اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟

ان چاہتوں اور خواہشوں کا اصل مرکز کون سا ہے؟ اور انہیں ہمارے اندر کون پیدا کرتا ہے؟ ایک دن میں نے اس بات کو سوچنے کی کوشش کی تو میں تو یہاں تک پہنچا ہوں کہ یہ خواہشیں، یہ چاہت ہمارا نفس ناطقہ پیدا کرتا ہے اور ان کا اصل مصدر نفس بشر ہے پتہ نہیں یہ بات کہاں تک درست ہے مگر مجھے ایسا لگا

اب پھر میں نے اس حدیث کو دیکھا ☆ ''ان اللہ خلق المشیّۃ بنفسھا ''یعنی مشیّت کو اللہ نے مشیّت ہی کے نفس کے ذریعے پیدا کیا

اب پھر سوال پیدا ہوتا ہے ''مشیّت اِلٰہی'' کی ذات کون ہے؟ وہ نفس مشیّت اِلٰہی کون سا ہے کہ جس میں مشیّت پلتی ہے جس میں مشیّت اِلٰہی جنم لیتی ہے؟

ایک امام علیہ الصلوات والسلام کی خدمت میں کامل بن ابراہیم حاضر ہوا اور اس نے مفوضہ کے عقیدے کا ذکر کیا تو اس سے فرمایا............ (مراۃ الانوار صفحہ 68)

☆ کذبوا بل قلوبنا اوعیة المشیّة الله والله یقول ماتشاؤن الا ان یشا الله

فرمایا وہ تو جھوٹے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دل ہی اللہ کی مشیّت کے ظرف ہیں اس کے بعد آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ خود فرماتا ہے کہ وہ کچھ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہتا ہے

امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام نے اسی نفس مشیّت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا

☆ ''و یجعل قلبه مکان مشیّة''......(بحار الانوار جلد 25 طبع بیروت)

امام حق کے قلب کو اللہ نے مشیّت کی اقامت گاہ قرار دیا ہے

میں یہ سمجھتا ہوں کہ شہنشاہ انبیا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس اللہ ہیں اور انہی سے آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام کے انوار کو جدا کیا گیا اس لئے وہی ذات مبدۂ مشیّت الٰہی ہیں اور مشیّت اللہ ان کے پاک اوصیا علیہم الصلوات والسلام ہیں کیونکہ ان کے نور میں ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اس لئے وہ صادر اوّل کی حیثیت سے مشیّت اللہ بھی ہیں اور نفس مشیّت بھی ہیں ...... یہاں سے ایک مرتبہ پھر واپس جاتے ہیں

میں نے ابتدا میں کہا تھا کہ موجودہ دور کے علما دو عالم مانتے ہیں ایک ''عالم خلق'' اور ایک ''عالم امر'' عالم خلق محتاج اسباب ہے اور عالم امر محتاج اسباب نہیں مگر اس حقیقت سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جب کوئی چیز بنتی ہے تو اس کے بنانے کیلئے علّت فاعلی کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اسے بنانے والی کوئی چیز تو ہونا چاہئے چاہے حرف ''کن'' ہی کیوں نہ ہو اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اشیاء کی تخلیق وتکوین میں اللہ نے علّت فاعلی کا کام اپنی مشیّت سے لیا تھا مگر یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ یہ

سارے کام تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی باریت اور خالقیت کے دائرے میں آتے ہیں کیونکہ کچھ چیزیں اس نے شئے (مادّے) سے بنائی ہیں کچھ چیزیں اس نے ''لا شئے'' سے بنائی ہیں کہ ایک ہی کلمہ کہا اور اس سے مادّہ مع شئے بن گیا یعنی دونوں چیزیں اس نے ایک ہی کمانڈ (Command) سے بنا ڈالیں اسی کی وجہ سے باری ہے کیونکہ خالق اور باری میں یہی فرق ہے کہ جو شئے سے شئے پیدا کرے وہ خالق ہوتا اور جو لا شئے سے شئے پیدا کرے وہ باری ہوتا ہے یہی اس کے مقاماتِ باریت اور خالقیت ہیں

اس سے یہ بات بھی اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ خالقیت اور باریت سے بھی ماقبل اس سے ''کوئی'' صادر ہوا تھا اور وہی صادر اوّل تھا اور اس پر نہ تو خلق کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ امر کا کیونکہ عالم امر تو ''کن'' کے بعد بن رہا ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وہ مافوق الامر ذات ہی صاحب الامر تھی نہ کہ مخلوقِ امر بلکہ وہ صاحب الامر بھی تھا اور عین امر اللہ بھی تھا اب اگر وہی ذوات متعالیہ یہ اعلان فرمائیں

☆ ''بنا فتح الله و بنا يختم'' یعنی اللہ نے ہمارے ہی ذریعے تخلیق وتکوین کا آغاز فرمایا ہے اور ہمارے ہی ذریعے اس کائنات کا خاتمہ فرمائے گا تو کسی کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں یہ عین حق ہے کیونکہ یہ نفس مشیّت اِلٰہی ہیں

سفر معرفت میں بہت سے ایسے مقام آ جاتے ہیں کہ انسان کا طائر عقل پر سوختہ ہو کر تقصیر کی ذلّت آمیز گھاٹیوں میں گرنے لگتا ہے، جب بھی تمہارے سامنے ایسا کوئی مقام آئے تو فوراً حدیث معرفت بالنورانیہ کا یہ واقعہ یاد کر لیا کریں کہ جب جناب سلمان محمدی سلام اللہ علیہ سے جناب ابوذر غفاری سلام اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ اے برادر

بجان برابر معرفت بالنورانیہ کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ چلو یہی سوال ہم مل کر شہنشاہ ممکنات امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں

جب ان دونوں نے جا کر اپنا مدّعا بیان کیا تو آنجناب علیہ الصلوات والسلام نے ایک طویل خطبہ دیا جس میں آپ اور مجھ جیسے ناقص معرفت رکھنے والوں کیلئے ایک سنہری اصول دیا اور فرمایا

☆یا سلمان و یا جندب المومن الممتحن الذی لم یرد علیه شی من امرناالا شرح الله صدره بقبوله و لم یشك و لا تاب و من قال لم و کیف فقد کفر فسلموا امره فنحن امر الله ......(نج الاسرار)

فرمایا اے سلمان واے جندب (یہ جناب ابوذر سلام اللہ علیہ کا نام ہے) یاد رکھو

مومن ممتحن وہ ہوتا ہے کہ جس کے سامنے جب بھی ہمارے فضائل کے امور میں سے کوئی امر آتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے فضائل و معرفت کو قبول کرنے کیلئے اس کا سینہ وسیع فرما دیتا ہے اور وہ ان میں سے کسی فضیلت پر نہ تو شک کرتا ہے اور نہ ہی ریب کرتا ہے (شک کا اگر لاکھواں حصہ تصور کیا جائے تو اسے ریب کہتے ہیں) فرمایا جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا یا کہتا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے تو وہ اسی وقت کافر ہو جاتا ہے اس لئے تم ہمارے امر کو تسلیم کرنا کیونکہ ہم عین امر اللہ ہیں

(اس لئے ہم سے کوئی فضیلت بعید نہیں ہے)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٌ وَعَجّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمٌ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہٗ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

اِرادۃ اللہ

اے غواصان دجلۂ فکر!

ہم گفتگو کا ایک سلسلہ آپ کے سامنے جاری رکھے ہوئے ہیں اور علم اِلٰہیات کے بڑے بڑے مسائل کو ہلکے پھلکے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں

میں جس دور میں اس علم یعنی ''اِلٰہیات'' پر ریسرچ (Research) کر رہا تھا تو اس میں مغربی الٰھیین کی کتب کی چھان پھٹک کرنا بھی ضروری تھا، ان میں سے ایک مغربی مفکر کا ایک فقرہ ایسا میرے سامنے آیا کہ میں کافی دیر تک ہنستا رہا اس مفکر کا نام مجھے یہاں یاد نہیں آ رہا، اس نے لکھا تھا

ایک زمانہ ایسا ماننا تو ضروری ہے کہ جب کچھ بھی نہ تھا مگر خدا تھا اور وہ بالکل تنہا تھا پھر بیٹھے بیٹھے نجانے اسے کیا سوجھی کہ اس نے یہ ساری کائنات کا گورکھ دھندا بنا ڈالا جس سے اسے پریشانی کے سوا کچھ ملنے والا بھی نہ تھا

میں عرض کر رہا تھا کہ ایک وقت تھا کہ جب کچھ نہ تھا بلکہ کچھ کا مفہوم بھی نہ تھا اس وقت خالق نے سلسلۂ تخلیق کا آغاز فرمایا پہلے عالم امر بنایا پھر عالم خلق بنایا

ایک زمانہ تھا جب کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ عالم خلق و امر کا تصور درست نہیں ہے اس

کے جواب میں بہت سی کتب لکھی گئیں اور پھر آ غا خمینیؒ نے اس تصور کا اثبات کر کے مقطع کلام لگا دیا اس لئے آج یہ تصور مسلّمہ ہے

ہاں تو دوستو میں عرض کرر ہا تھا کہ اللہ نے سلسلۂ تخلیق شروع کیا تو یہ تخلیق کا عمل سات مراحل سے گزرا جس کا ذکر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے

☆ عن ابی عبداللہ علیہ الصلوات والسلام قال لا یکون شی فی الارض و لا فی السماء الا بھذہ الخصال السبع بمشیّۃ و ارادۃ و قدر و قضا و اذن و کتاب و اجل فمن زعم انہ یقدر علیٰ نقض واحدۃ فقد کفر...... (کافی جلد 1 صفحہ 149)

شہنشاہ معظم امام صادق آل محمد علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا کوئی چیز ارض وسما میں نہیں ہے اور نہ ہوسکتی ہے جب تک ان سات مراحل سے نہ گزرے

1...... مشیّت

2...... ارادہ

3...... قدر

4...... قضا

5...... اذن

6...... کتاب

7...... اجل

ان مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے اور جو شخص یہ سمجھے کہ اللہ ان میں سے ایک کو بھی توڑنے پر قادر ہے وہ کافر ہے۔اس میں سے پہلے دو مراحل پر میں سابقہ بیان میں کچھ نہ کچھ عرض کر چکا ہوں اس لئے بات کو آگے بڑھاتے ہیں

www.khrooj.com

دوستو!...... اس موضوع پر کلام کرتے ہوئے ہمارے سامنے بہت سی مشکلات ہیں جن میں سے کچھ آپ کے سامنے بھی پیش کرتا ہوں

() دیکھئے جب کوئی چیز بنتی ہے تو پہلے بنانے والے کے دل میں اس کی خواہش جنم لیتی ہے اسے مشیّت کہتے ہیں اللہ میں خواہش کا پیدا ہونا اور اسے سمجھنا بھی ایک مشکل امر ہے

() پھر وہ ارادہ کرتا ہے کہ میں یہ چیز بناؤں یا یہ کام کروں اللہ تبارک وتعالیٰ کے معاملے میں تو یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ اس کا دل بھی ہے اس لئے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ''ارادے'' نے اس کی ذات میں کیسے جنم لیا یعنی ارادے نے اس میں کس طرح جگہ پائی کیونکہ یہ چیز تبدیلی کی متقاضی ہے اور تبدیلی تغیر ہے اور تغیر فی ذات اللہ محال مانا جاتا ہے

() ارادے میں آنے کے بعد بننے والی شئے کی ایک تصویر پہلے ذہن میں بنتی ہے اور یہاں یہ بھی اللہ کی ذات میں محال ہے کہ پہلے کسی چیز نے اس کے ذہن میں جگہ پائی ہو جبکہ اس کا ذہن ہی نہیں ہے چلو بات بڑھانے کیلئے یہ بھی مان لیتے ہیں کہ کوئی چیز اس کے ذہن میں آئی یا اس کی ایک صورت اس کے علم میں آئی

() یہاں یہ بھی ایک معمّہ ہے کہ کیا اشیاء کا وجود ذہنی پہلے اس کے ذہن میں یا علم میں موجود نہ تھا؟ اگر تھا تو ہر چیز کا وجود ذہنی ازلی ماننا ہوگا اور اس طرح ایک طرح سے مخلوق کی ازلیت ثابت ہو جائے گی اور کائنات میں دو قدیم ماننے پڑیں گے چلو اسے بھی بلاحل کیئے آگے جاتے ہیں کیونکہ اقرار عجز عن المعرفت ہی اصل معرفت ہے

ارادہ

علم النفسیات کے مطالعہ کے دوران مجھ پر منکشف ہوا کہ ارادہ وفعل کے درمیانہ درجات کیا اور کتنے ہوتے ہیں وہ ایک لمبی بحث ہے میں یہاں صرف اتنا عرض کروں گا کہ جب کسی عمل یا کام کی خواہش جنم لیتی ہے تو وہ اپنے لحۂ اوّلین میں انتہائی کمزور اثبات کی حامل ہوتی ہے جب وہ خواہش آہستہ آہستہ یا جلدی جلدی مضبوط ہوکر اثبات (ہاں) کے پچاس 50 فیصد درجے عبور کرلیتی ہے تو وہی خواہش ارادہ بن جاتی ہے اور جب وہ ''ارادہ'' اثبات کے انچاس 49 فیصد درجات مزید عبور کرلیتا ہے تو وہ ''عزم'' بن جاتا ہے اور پھر عزم ہی عمل میں تبدیل (Convert) ہوجاتا ہے

اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خواہش ہی ہے جو مضبوط سے مضبوط تر ہوکر ارادہ بھی بنتی ہے اور عزم بھی بنتی ہے لیکن یہ تبدیلی کا ایک مسلسل عمل ہے ایک عظیم تغیر ہے جو فی ذات اللہ عزوجل ناممکن ومحال ہے

اس معمے کو سمجھنے کیلئے ہمارے پاس صرف ایک ہی آپشن (Option) راستہ ہے کہ ہم ان ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام سے اس کا حل دریافت کریں جو حل مشکلات کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں ...... جب ان کی بارگاہ عالیہ میں عرض کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام منبر سلونی پر جلوہ آرا ہیں اور فرمارہے ہیں

☆ نحن ارادة الله (اللہ کا ارادہ ہم ہیں)

ہم سوچتے ہیں کہ آج کی فضا ایسی بنی ہوئی ہے کہ احادیث پر اور خصوصاً امیر المومنین

علیہ الصلوات والسلام کے خطبات کے خلاف لکھنے پر تو لوگ ادھار کھائے بیٹھے ہیں چلو ہم ان کے دیگر فرزندان گرامی علیہ الصلوات والسلام کی بارگاہ سے بھی اس کی توثیق کروا لیتے ہیں تو ہم امام صادق آل محمد مظہر صدق اِلٰہی علیہ الصلوات والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ فرما رہے ہوتے ہیں

☆''ان الله جعل قلب وليه وكراً لارادته و اذا شاء الله شئنا''

اللہ نے اپنے ولی العصر کے قلب کو اپنے جملہ ارادوں کا گھونسلا قرار دیا ہے جب اللہ چاہتا ہے تو یہ بھی چاہتے ہیں، جب اسی بات کو مالک علم اِلٰہی یعنی جناب ابوالحسن الثالث علیہ الصلوات والسلام کی بارگاہ قدس میں پیش کیا تو انہوں نے فرمایا

☆انه قال ان الله جعل قلوب الائمة مواردا لارادته فاذا شا الله شئنا و هو قول الله عزوجل ما تشاؤن الا ان يشاء الله...... (بحارالانوار جلد 25 طبع بیروت)

فرمایا اللہ نے آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام کے دلوں کو ارادۂ اِلٰہی کی ورودگاہ قرار دیا ہے اس لئے اس نے قرآن مقدّس میں فرمایا ہے کہ یہ کچھ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہتا ہے اب یہاں سمجھنے کیلئے آسان ہو جاتا ہے کیونکہ مسئلہ اِلٰہیات میں الجھنے کی بجائے سیدھا راستہ مل جاتا ہے کہ اللہ کا نظام حکومت یہ پاک ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام ہیں یہ عین مشیّت اِلٰہی ہیں اور یہی ازل میں مشیّت اللہ تھے اور یہی ارادۃ اللہ تھے یعنی یہی اپنی اوّلین صورت میں مشیّت تھے اور صورت ثانیہ میں ارادۃ اللہ تھے

اب اس سے اگلا مرحلہ آتا ہے یعنی ارادہ جب اپنی کامل شکل میں آتا ہے تو وہ عزم بن جاتا ہے تو اس کامل صورت میں انہیں بھی عزم اللہ کہنا چاہیئے یا نہیں؟

اس بات کی وضاحت زیارت جامعہ میں امام علی نقی علیہ الصلوات والسلام نے یوں فرمائی کہ تم

www.khrooj.com

ہمارے انوار قدسیہ کو اس طرح مخاطب کرو

☆آیات الله لدیکم و عزائمه فیکم و نوره و برهانه عندکم (زیارت جامعہ)

اے اہل بیت اطہار علیہم الصلوات والسلام اللہ کی آیات آپ کے تصرف میں ہیں ''اللہ کے عزائم'' آپ ہی کے اندر سمائے ہوئے ہیں اس کا نور اور اس کے براہین قاطعہ آپ کے پاس ہیں

ہمیں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ کے عمل تخلیق کے مراحل ہفت گانہ میں انہی کی ذات فعال لما یرید بن کر جاری و ساری ہے، اب کوئی پوچھ سکتا ہے کہ یہ تو اربعہ عشر (چودہ) انوار ہیں اور مراحل سات ہیں تو ان کی تقسیم کیسے ہوگی؟

شہنشاہ معظم جناب ابوالحسن علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا

☆ قال ان لله ارادتین و مشیئتین ارادة عزم و ارادة حتم......الخ (اصول کافی)

فرمایا اللہ کیلئے دو ارادے ہیں اور دو مشیئتیں ہیں یہ دونوں عزمی و حتمی ہیں

اب یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے اگر ہر مرحلہ اسی طرح دو عہدوں اور مرحلوں پر مبنی مانا جائے تو یہ کلیہ چودہ پاک علیہم الصلوات والسلام کے عدد پر درست آ جاتا ہے

اب یہاں ایک سوال میں آپ سے کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ''جب اللہ کا نظام تخلیق ہی یہ انوار بارہ ہیں اور اللہ انہی کی استعانت سے کائنات کی ہر چیز کو خلق فرماتا ہے چاہے وہ امری ہو یا خلقی ہو تو انہیں کائنات کا خالق و مدبر ماننے میں کیا چیز مانع ہے جبکہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے حدیث معرفت بالنورانیہ میں فرما بھی دیا ہے کہ ''انا قدرة الله'' یعنی ہم ہی اللہ کی قدرت کاملہ ہیں چلو اس بات کو نہیں چھیڑتے اور آگے جاتے ہیں

کن فیکون

رب ذوالجلال والاکرام نے اپنے عمل تخلیق کے بارے میں فرمایا ہے

☆ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ...... (یٰسین آیہ 82)

اللہ جل جلالہ نے تخلیق کے اس عمل یا پراسس (Process) کو اس طرح بیان فرمایا ہے ''تحقیق جب اس (اللہ) کا امر کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے ''کن'' (ہو جا) تو فوراً ہو جاتی ہے'' اس آیت پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ایک معمّہ نظر آتا ہے آپ بھی دیکھ لیں جو بھی چیز کسی غیر مادّی چیز سے وجود میں آتی ہے اس غیر مادّی چیز میں ایک اثریت ہوتی ہے مثلاً آپ کلام الٰہی کی ایک آیت کسی بیمار پر دم کرتے ہیں اسے شفا مل جاتی ہے اس پر غور کریں آیت کے الفاظ کے اندر ایک روحانی یا نورانی اثریت ہی ہے جو شفا دے رہی ہے نہ کہ آیت کے الفاظ کیونکہ یہی الفاظ عربی لغتوں میں بھی موجود ہیں ان میں یہ اثر نہیں ہوتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے اندر ہی ایک اثریت ہے اور وہی اس کی فعالیت کا سرچشمہ ہے

اسی طرح پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام فرماتے ہیں

☆ انا امر بین الکاف و النون

یعنی لفظ ''کن'' میں جو فعالیت کا سرچشمہ ہے یا اس کی اثریت کا راز ہے وہ ہم ہیں اس آیت کو ایک مرتبہ پھر دیکھ لیں

☆ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ...... (یٰسین آیہ 82)

تحقیق اللہ کا امر جب کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے کن وہ فوراً ہو جاتی

ہے انما کلمۂ حصر ہے جس سے ثابت ہے کہ امور تخلیق کا ارادہ امر اللہ کے علاوہ کوئی کر ہی نہیں سکتا اور ارادہ امر اللہ پر منحصر ہے اور عمل تخلیق چاہے امری مخلوق کا ہو یا عالم خلق سے متعلق ہو اس میں ارادہ امر اللہ کا ہوتا ہے جو☆ مَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ...... کا مصداق ہے وہی ارادہ کرتا ہے اور پھر وہی فرماتا ہے ''کن'' (ہو جا) تو فوراً ہو جاتا ہے اسی مقام کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے یہ فقرہ فرمایا گیا تھا'' ☆نحن ولاة امر الله ''یعنی ہم ہی اللہ کے اولیائے امور ہیں اسی طرح قرآن مقدّس میں ہمارے شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں ہے کہ جب وہ خروج وقیام فرمائیں گے تو ارشاد ہوگا

☆ أَتَى أَمْرُ اللّهِ فَلاَ تَسْتَعْجِلُوهُ ......اللہ کا امر آ چکا ہے تم جلد بازی نہ کرو

یعنی انہیں کلام اِلٰہی میں بھی امر اللہ کہا گیا ہے اور عمل تخلیق کرنا امر اللہ کا کام ہے نہ کہ اللہ کی ذات کا کیونکہ عاصم بن حمید نے جب جناب ابی عبداللہ علیہ الصلوات والسلام سے عرض کیا کہ آقا کیا اللہ مرید نہیں ہے؟ (یعنی صاحب ارادہ نہیں ہے) تو فرمایا کوئی صاحب ارادہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کا ارادہ اس کے ساتھ نہ ہو اس کی معیّت میں نہ ہو اور معیّت مع ذات اللہ کا مقام کسی کو حاصل نہیں ہے

امام رضا علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا کہ اللہ جل جلالہ ذلّت افعال کو مس نہیں کرتا اور وہ اس سے منزہ ہے، یعنی ارادہ کرنا امر اللہ کا کام ہے اور وہ عین ارادۃ اللہ ہوتا ہے اور وہی تخلیق کا عمل انجام دیتا ہے

اسی لئے ہم سے زیارات میں اس کا اقرار کروایا جاتا ہے اور ہم یہ فقرہ ادا کرتے ہیں

☆ارادته الرب فی مقادیر اموره تهبط الیکم و تصدر من بیوتکم

(مفاتیح الجنان صفحہ 433)

اللہ کے مقدّرہ امور کا ارادہ آپ کی طرف اترتا ہے اور آپ کے گھروں سے اس کا اجراو نفاذ ہوتا ہے

امر اللہ وہ ہے جو نور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے اور اسی نور سے مشتق ہونے والے انوار ''بضعة منی'' کے مصداق ہونے کی وجہ سے امر اللہ قرار پاتے ہیں عالم لاشئے میں انہی انوار کے ذریعے اللہ جل جلالہ نے سلسلۂ تخلیق کا آغاز کیا اور یہ دنیا میں وجود غائبی میں موجود رہے تو ''ولاۃ امور اللہ ''بن کر رہے پھر جب جامۂ بشری کو کچھ وقت کیلئے زیب بدن کیا تو امر اللہ بن کر نظم عالم پر متصرف رہے

اسی مقام کی وضاحت فرماتے ہوئے جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں

☆یتخلون عن اراداتهم و علمهم و قدرتهم فیتصرف فیهم ارادته و قدرته و علمه سبحانه فلا یشاؤن الا ان ایشا الله و یریدون سوی ما اراد الله و یتصرفون فی الاشیاء بقدرة الله فیحیون الموتیٰ و یردون الشمس یشقون القمر......(بحار الانوار جلد 58 صفحہ 46 طبع بیروت)

فرماتے ہیں یہ ولاۃ امور اِلٰہی خود اپنے ذاتی ارادوں اور ذاتی علم اور ذاتی قدرت سے خالی ہوتے ہیں اور ان میں اللہ کا علم وقدرت وارادہ تصرف رکھتا ہے اسی لئے کلام اِلٰہی میں فرمایا گیا ہے یہ کچھ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہتا ہے اور اللہ کے ارادے کے علاوہ یہ ذوات کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور اس کی وجہ سے یہ اشیائے کائنات میں تصرف فرماتے نظر آتے ہیں ان میں اللہ کی قدرت ہوتی ہے (یعنی یہ عین قدرۃ اللہ

www.khrooj.com

ہوتے ہیں) اور اسی کی وجہ سے یہ مردے زندہ کرتے ہیں، ڈوبنے کے بعد سورج کو پلٹاتے ہیں اور چاند کوشق کر کے دکھاتے ہیں

تخلیق عالم خلق

اللہ نے جس عالم کو سب سے پہلے بنایا وہ عالم امر تھا جس میں عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم ارواح، عالم انوار، وغیرہ آ جاتے ہیں انہیں اللہ جل جلالہ نے امر اللہ سے لفظ ''کن'' کہلوا کر بنایا اس کے بعد تخلیق ارض وسما شروع ہوئی میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ عالم خلق بتدریج عالم وجود میں آتا ہے اور عالم امر ''کن'' کے ساتھ ہی سیکنڈ کے دس ہزارویں حصہ میں(Within Micro Second) عدم سے وجود میں آ جاتا ہے (سیکنڈ کا دس ہزارواں حصہ فقط قلت وقت کا اظہار ہے اور اعتباری ہے) جب خالق نے عالم خلق کو بنایا تو اس کے بارے میں اپنے کلام مقدّس میں ارشاد فرمایا

☆هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِیْ سِتَّةِ أَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ ......(سورہ حدید4)

یعنی زمین اور آسمانوں کی تخلیق چھ دن میں ہوئی اور اس کے بعد خالق اپنے عرش پر مستوی ہوگیا

اب یہ کام بھی امر اللہ کا نور خالق کا وسیلۂ تخلیق بن کر کر رہا تھا کیونکہ خود بنا رہا تھا اس لئے اس تخلیق کا عینی شاہد بھی یہی ایک تھا، اگر تخلیق ارض وسما پر کوئی عینی شاہد نہ ہوتا تو خالق کائنات اس طرح ارشاد نہ فرماتا

☆مَا أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُداً ......(سورہ کہف آیہ 51)

نہ تو میں نے کفّار کو تخلیق ارض وسما کے وقت گواہ بنایا تھا اور نہ ہی خود انہی کی تخلیق پر انہیں گواہ بنایا ہے اور میں گمراہ کرنے والوں کو کس طرح اپنا قوت بازو بنا سکتا ہوں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے خالق نے گمراہ کرنے والوں کو نہ تو گواہ بنایا ہے اور نہ ہی انہیں اپنا قوت بازو (معاونِ کار) بنایا ہے بلکہ ہدایت کرنے والوں کو اس نے عینی شاہد یعنی گواہ بھی بنایا ہے ساتھ ہی اپنا قوت بازو اور معاونِ کار بھی بنایا ہوا تھا اور وہ وسیلۂ ایجاد بھی تھے اور گواہ بھی تھے

عالم امر کیلئے بھی اسی طرح فرمایا جب ملکوت کے بارے میں کفّار نے کہا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں تو پھر خالق نے فرمایا

☆أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثاً وَهُمْ شَاهِدُونَ ..... (صافات آیہ 150)

یعنی کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں خلق کیا ہے اور وہ اس پر گواہ یا شاہد ہیں؟

یعنی ملکوت کی تخلیق میں لفظ ''خلقنا'' بتا رہا ہے کہ جمع کے صیغے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے وسائل بھی عمل تخلیق میں شامل تھے اور گواہ و شاہد بھی وہی تھے بات وہاں سے شروع ہو کر وہاں ختم نہیں ہو گئی تھی اور یہ شہادت صرف تخلیق تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں استمرار بھی ہے اور ازل سے ابد تک گواہی اور شہادت کا سلسلہ جاری ہے اسی لئے ذکر روز حشر میں ارشاد قدرت ہے

☆وَجَاءتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ......(سورہ ق آیہ 21)

یعنی روز حشر ہر نفس اس طرح آئے گا کہ ایک ہانکنے والا اس کے پیچھے ہو گا اور ایک

شہید (عینی گواہ) اس کے ساتھ ہوگا

اگر چہ تفاسیر آئمۂ اطہار علیہم السلام میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ سائق وشہید سے مراد نبی وولی علیہما الصلوات والسلام ہیں اگر ہم اور نہ بھی مانیں تو اس سے اتنا تو ثابت کر سکتے ہیں کہ ایک شاہد وگواہ موجود تھا موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا جو سلسلۂ تخلیق کے نقطۂ ابتدا سے لے کر نقطۂ انتہا تک کارفرما ہے اور وہی وسیلۂ تخلیق الٰہی بھی ہے جب وسیلۃ اللہ کیلئے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے تو پھر علم غیب پر بحث کرنے والے کن گورکھ دھندوں میں پڑے ہوئے ہیں؟

حقیقت تو یہ ثابت ہوئی ہے کہ وسیلۃ اللہ بوقت ایجاد وتخلیق گواہ بھی ہے اور فاعل بھی ہے یعنی ایجاد کا فاعل ہے اور افعال کا گواہ ہے تو پھر اس سے کوئی چیز کس طرح مخفی ہو سکتی ہے اگر وہی وسیلۃ اللہ عالم ما کان و ما یکون ہونے کا دعویٰ کرے تو جائے انکار کہاں ہے؟ امام محمد باقر العلوم النبیین علیہ الصلوات والسلام نے جناب جابر بن عبداللہ انصاری سے فرمایا

☆ يا جابر عليك بالبيان و المعانی قال قلت و ما البيان والمعانی؟ قال عليه الصلوات والسلام قال جدی امير المومنين عليه الصلوات والسلام اما البيان فهوان نعرف الله سبحانه ليس كمثله شی فنعبده ولا نشرك به شیء و اما المعانی فنحن معانيه و نحن جنبه و يده و لسانه و امره و حكمه و علمه و حقه اذا شئنا شاء الله و يريد الله ما نريده فنحن المثانی الذی اعطانا الله نبيناصلى الله عليه و آله وسلم نحن وجه الله الذی ينقلب فی الارض بين اظهركم ...... الخ

فرمایا اے جابر تمہیں چاہئے کہ تم معانی و بیان کو سمجھو اس نے عرض کیا آقا آپ ہی اس سے آگاہ فرمائیں

اس پر فرمایا ہمارے جد اطہر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا بیان یہ ہے کہ تو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اس طرح پہچان کہ وہ لیس کمثلہ شیءٍ کا مصداق ہے اور تو اس کا کسی کو شریک نہ بنانا اور معانی کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہی اس کے معنی ہیں، ہم اس کے پہلو اور ہاتھ اور زبان اور امر ہیں، ہم ہی اس کا حکم و علم ہیں، ہم ہی اس کا حق ہیں، جب ہم چاہتے ہیں تو اللہ چاہتا ہے، جب ہم ارادہ کرتے ہیں تو اللہ ارادہ فرماتا ہے اور ہم ہی وہ سبع من المثانی ہیں جو اللہ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائے اور ہم ہی وجہ اللہ ہیں جو تمہارے درمیان اپنی مرضی سے تصرف فرماتے ہیں

ایک مقام پر معانی کی تفسیر میں صداقت اِلٰہی کے وارث جناب صادق آل محمد علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا

☆فنحن معانی ظاهره فیکم اخترعنا من نور ذاته و فوض الینا امور عباده

یعنی توحید کے معنی ہم ہیں جو تمہارے درمیان ظاہر ہیں اور ہمیں اللہ جل جلالہ نے اپنے نورِ ذات سے اختراع فرمایا ہے اور عباد کے جملہ امور ہمیں تفویض فرمائے ہیں اب لفظ عباد قرآن مجید میں جملہ مخلوقات پر وارد ہوا ہے یعنی ملکوت و انبیا علیہم السلام کو بھی دائرۂ عباد میں داخل فرمایا گیا ہے

اس سے ثابت ہوا کہ جملہ مخلوق کے جملہ امور کا کارساز وسیلۃ اللہ ہی ہے اسی لئے خود فرمایا کہ عرش و کرسی لوح و قلم ملکوت و انبیا علیہم السلام ہمارے نور سے ہیں

اور ہم ہی ان کے مربی ہیں ان کی تخلیق وتربیت کا وسیلہ ہم ہیں
شیخ صدوقؒ عبدالسلام بن صالح ہروی معتبر اسناد کے ساتھ جناب امام علیؑ رضا ضامن غربا علیہ الصلوات والسلام سے ایک طویل حدیث نقل کرتے ہیں جس کا ملخص یہ ہے کہ

☆ الملائکۃ خدّامنا و خدّام محبینا

ملکوت ہمارے اور ہمارے محبوں کے خدّام ہیں اور ہم نے ملکوت کو تعلیم عبادات و تسبیح وتہلیل توحید دی ہے فرمایا کہ ہم نے تسبیح کی تو ملکوت نے تسبیح ہم سے سن کر سیکھی اسی طرح ایک ایک بات کی تعلیم کا ذکر فرمایا ہے جو تعلیم ملکوت اور تربیت ملکوت فرماتے ہیں وہ مربی

نہیں تو کیا ہیں اسی کی تفسیر میں ایک اور حدیث بھی ہے جسے علامہ عماد الدین اصفہانی ''بدایۃ و النصائح'' میں نقل کرتے ہیں کہ امام صادق علیہ الصلوات والسلام نے ابوبصیر سے فرمایا

☆ منا رب العرش و الکرسی و منا رب اللوح و القلم و منا رب الانبیاء و منا رب الملائکۃ و الروح و الحور العین و منا رب السماء و الارض و منا رب الجن و الانس و منا رب الحجابات و الصرادقات ......الخ

یعنی ہم ہی عرش وکرسی کے مربی ہیں، ہم ہی لوح وقلم کے مربی ہیں، ہم ہی انبیا علیہم السلام اور ملائکہ کے مربی ہیں، ہم ہی ملکوت وروح کے مربی ہیں، ہم ہی حوران جنت اورارض وسما کے مربی ہیں، ہم ہی جن وانس اور حجابات وصرادقات عرش کے مربی ہیں یہ سب چیزیں دائرۂ مخلوق میں آتی ہیں کیونکہ مخلوق اور خالق کے مابین وسیلہ ناگزیر ہے اور وسیلۃ اللہ یہی ہیں اس طرح پوری مخلوق کے کارساز یہی انوار مقدّسہ ہی

www.khrooj.com

ثابت ہوں گے یا نہیں، پھر اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تخلیق کار سے تخلیق کا کوئی ایٹم پوشیدہ نہیں ہوتا ہے جیسے سالن تیار کرنے والے کے سامنے خود اس کے تیار کردہ سالن کی پلیٹ رکھ دی جائے اور پوچھا جائے کہ اس میں کیا کیا شامل ہے تو وہ آنکھیں بند کر کے جملہ ایٹم بتا دے گا یہ علم غیب کا عالم نہیں بلکہ تخلیق کار ہے

اسی طرح اگر ان ذوات متعالیات علیہم الصلوات والسلام سے کائنات کی کسی بھی چیز کے بارے میں دریافت کیا جائے تو ان کا بیان کرنا علم غیب نہیں بلکہ وہ اس کائنات کے تخلیق کار بھی ہیں اور افعالِ الٰہی کے شاہد بھی ہیں ہمارے لئے جو غیب ہے ان کیلئے شہود ہے تو پھر یہ اعتراض کیسا کہ یہ علمائے علم الٰہی علیہم الصلوات والسلام غیب کی باتوں کو نہیں جانتے

حق تو یہ ہے کہ سب سے بڑا غیب خود خالق ہے اور اس کے بارے میں جو خبر دے سکتا ہے یا بتا سکتا ہے وہ مخلوق کے بارے میں کیوں نہیں بتا سکتا؟ ایک طرف خالق ہے اور ایک طرف مخلوق ہے یہ انوار قدسیہ علیہم الصلوات والسلام طرفین کے درمیان حرف مشدّد کی طرح موجود ہیں پھر یہ طرفین کے بارے میں کیسے نہیں بتا سکتے جبکہ طرفین کا ان کے بغیر گزارا نہیں مخلوق خالق سے نہیں مل سکتی خالق مخلوق سے رابطہ نہیں کر سکتا جب تک یہ نہ ہوں کیونکہ یہ وسیلۃ اللہ ہیں

اگر میری یہ گذارشات سمجھ میں آ جائیں تو یقیناً آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جو لوگ آج کے سائنسی دور میں بھی ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے متعلق حاضر و ناظر اور ان کے عالم علم غیب ہونے جیسی فضول بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں ان کا ذہنی توازن درست نہیں ہے کیونکہ ایک عقل مند انسان کو تو دلائل و براہین سے حقیقت سے روشناس کرایا جا سکتا ہے مگر ایک احمق اور ضدی کو قائل کرنا ناممکن ہے

www.khrooj.com

اب وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ وقت جلدی آئے کہ جب تمام آئمہ معصومین علیہم الصلوات والسلام رجعت فرما کر اپنے لخت جگر عجل اللہ فرجہ الشریف کے ساتھ ظہور پذیر ہوں اور خلق خدا پر ان کی حقیقت ظاہر ہو جائے تا کہ ان بحثوں سے نجات حاصل ہو

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلٰی آلِهٖ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

توحید عبادتی

اے ابنائے سبیل فکر و عرفان !

مسلک اسلام میں جو توحید اربعہ کا تصور ہے وہ اور کہیں ہو نہ ہو اہل تشیع میں ایک مسلّمہ کی حیثیت رکھتا ہے اس میں وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر میں گذشتہ بیان میں کر چکا ہوں ان میں سے ایک ہے ''توحید عبادتی''

اصل بات یہ ہے کہ علمائے کرام نے بڑی محنت شاقہ کے بعد عوام کو شرک سے بچانے کیلئے یہ مسلمات وضع کئے تا کہ عوام کالانعام کو پریشان نہ ہونا پڑے کہ شرک کیا ہوتا ہے بس ان کی سہولت کیلئے یہ چار توحیدوں کے شرکوں کو متعین کیا گیا ہے

() شرک ذاتی کیا ہے؟ .... () شرک صفاتی کیا ہے؟

() شرک افعالی کیا ہے؟ .... () شرک عبادتی کیا ہے؟

اس کے بعد مزید اقسامِ شرک بھی متعارف کروائے گئے جیسے ماہرین سائنس لگے رہتے ہیں کہ کوئی نئی بیماری دریافت ہو جائے اسی طرح ماہرین اِلٰہیات بھی لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح شرک کی کسی نئی قسم کو دریافت کیا جائے اور اس کا علاج کیا جائے اور یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ انہیں کبھی ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور انہیں

شرک کی نئی اقسام دریافت کرنا ایک دلچسپ مشغلہ بھی لگتا ہے اسی طرح انہوں نے چند ایک اور شرک بھی دریافت کیئے ہیں مثلاً ''شرک توکلی'' .... ''شرک قسمی''

شرک دریافت کرنے کا ایک آسان سا کلیہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کلام پاک لے کر بیٹھ جائیں اگر عربی نہیں جانتے تو کوئی بات نہیں ٹوٹی پھوٹی اردو آنا ضروری ہے بس یہ سامان چاہیئے تھا اب قرآن میں دیکھیں جس جس چیز کے ساتھ ''للہ'' لگا ہو، اسے اللہ کیلئے مخصوص کر دو اور جو اس چیز کو غیر پر ثابت کرے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس پر شرک کا فتویٰ داغ دیں امید کافی ہے کہ وہ شرک کے ڈر سے اپنی قرارداد فوراً واپس لے لے گا اگر کوئی سرپھرا ہوا تو تمہارا کیا جاتا ہے بدنام پھر بھی وہی ہوگا

دیکھئے اگر کوئی کسی کے احسانات کی وجہ سے تعریف کر رہا ہو تو فوراً پڑھیں ''الحمد للہ'' یعنی ساری تعریفیں اللہ کیلئے مخصوص ہیں تو یہ شرک کر رہا ہے

اب اگر کوئی کسی کی عزت کرتا ہوا پکڑا جائے تو فوراً پڑھئے

☆ ''فان العزة لله جميعا''

یقیناً ساری کی ساری عزت اللہ کیلئے مخصوص ہے اور تو غیر اللہ کی عزت کر رہا ہے

اس طرح اگر کوئی دولت مند اپنے ملازم کو کوئی حکم دیتا ہوا پایا جائے تو فوراً پڑھئے ان الحکم الا لله حکم تو اللہ کے سوا کوئی دے ہی نہیں سکتا ہے کیا دن دہاڑے شرک ہو رہا ہے

اب اگر کوئی کسی کے کسی اچھے کام کو سراہتے ہوئے کہہ رہا ہو کہ آپ نے یہ کام کر کے ایک اعلیٰ مثال پیش کی ہے بس یہیں سے اسے کیچ (Catch) کر لیجئے اور پڑھ دیجئے

و لله المثل الاعلیٰ اعلیٰ مثال تو اللہ کیلئے ہے تم شرک کیوں کر رہے ہو
اگر کوئی انگریز، سائنسدان، ساحر، نجومی، ٹیلی پیتھی (Telepathy) جاننے والا یا پیرا سائیکالوجی (Parapsychology) کا ماہر ایسی چیزوں کا ذکر کر رہا ہو کہ جو تم اپنی 9 نو نمبر کے شیشوں والی عینک کے بغیر نہیں دیکھ سکتے اور کہنے والے کی عزت تمہیں پسند بھی نہ ہو تو فوراً یہ آیت پڑھ دیجئے انما الغیب لله سارے کا سارا غیب تو اللہ جانتا ہے تم اس قسم کی باتیں کر کے شرک پھیلا رہے ہو مستقبل کون جان سکتا ہے؟ کسی کے ذہن کو کون پڑھ سکتا ہے خیال خوانی کیسے ممکن ہے؟ کسی سیارے پر کوئی کیسے جا سکتا ہے؟ شکم مادر میں بچی ہے یا بچہ کون جان سکتا ہے؟
ایک بات نہیں بھولنا چاہیئے یہ دو فقرے اس طرح رٹ لیں کہ خواب میں بھی یہی ہونٹوں پر لڑھکتے رہیں ''کون جان سکتا ہے'' اور ''کیسے ہو سکتا ہے''
اگر کسی کو کسی کا نام پسند آ جائے اور وہ کہہ دے کہ بھائی تمہارا نام بہت حَسین ہے فوراً اس کا گریبان چاک کر کے فتویٰ لگایئے تو مشرک ہے کیونکہ اللہ فرماتا
☆ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ کہ خوبصورت نام تو اللہ کے ہیں تو غیر اللہ پر یہ ساری باتیں کیوں اپلائی (Apply) کر رہا ہے، ایک بات اور بھی یاد رکھیں اگر آپ فتویٰ دیتے وقت آیت کی تلاوت ترنم سے پڑھ دیں تو سونے پر سہاگہ ہے آپ یہ فکر نہ کریں کہ آپ کی آواز انتہائی بھدی اور ''کصوت الحمار'' ہے کیونکہ آیت کے احترام میں اوّل تو کوئی نہ کوئی سبحان اللہ کہہ دے گا اس طرح آپ کو سبحان وصول کرنے کا زندگی میں ایک آدھ موقعہ مل جائے گا اگر کسی نے سبحان اللہ نہ بھی کہا تو بھی دوران تلاوت آپ کے سامنے بول نہ سکے گا

اسی طرح اگر کوئی کہے کہ حدیث میں کسی مومن یا صحابی کے بارے میں ہے کہ وہ اتنے گناہگاروں کی شفاعت کر سکے گا، جونہی کوئی یہ کہے اس پر برس پڑیئے اور ترنم سے آیت پڑھئے ☆قل للہ الشفاعۃ جمیعاً شفاعت کا کام صرف اللہ کیلئے ہے کوئی کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا، اب اگر وہ بحث برائے بحث کرتے ہوئے کہہ دے کہ صحابی نے تو اللہ میاں کے حضور شفاعت کرنا تھی اب اللہ میاں کس کے سامنے شفاعت کریں گے؟ تو تم یہی کہنا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ غیر آدمی اللہ کے سامنے شفاعت کرے یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا، اگر کوئی کسی کی بیعت کرتا ہوا پایا جائے تو یہاں بھی فتویٰ داغ دیں

☆البیعۃ للہ بیعت اللہ کی ہوسکتی ہے غیر کی نہیں اگر وہ کہے کہ جناب اللہ کی بیعت بھی تو کسی نہ کسی شخصیت کے ہاتھ ہی پر ہوگی اللہ خود تو بیعت لینے نہیں آ سکتا

اس کا جواب یہی دیجئے کہ اللہ نے جب کہہ دیا ہے تو وہ قادر ہے آ بھی سکتا ہے اور انسانوں سے بلا واسطہ بیعت بھی لے سکتا ہے کیا تو اللہ کو قادر مطلق نہیں سمجھتا اگر وہ اس کا جواب دے کہ اللہ تو اپنے کمال پر قادر ہے نقص پر قادر نہیں ہے تو شور مچا دیجئے کہ یہ ملحد اللہ کو قادر نہیں سمجھتا، اس طرح اور نہیں تو چند دیہاتی راہ گیر ہی سہی وہ آپ کا ساتھ دے ہی دیں گے اور پھر اس کی شامت آ جائے گی

اگر کوئی کسی کا شکریہ ادا کرتا ہوا دیکھا جائے تو فوراً ہاتھ اونچا کر کے پڑھئے ☆ان اشکر للہ شکریہ تو اللہ کے سوا کسی کا ادا ہو نہیں سکتا تو یہ شرک کیوں کر رہا ہے

اگر کوئی کسی بزرگ یا کسی سیّد کو جھک رہا ہو یا کسی شبیہ یا زیارت یا تعزیہ پاک کو جھک کر سلام کر رہا ہو بس یوں سمجھ لیں کہ کسی بھی چیز کا احترام یا تعظیم کر رہا ہو بشرطیکہ وہ

www.khrooj.com

آپ کی تعظیم نہ کرر ہا ہوتو فوراً پڑھیئے ☆السجدة لله خصوصاً اگر کوئی محمدؐ وآل محمد علیہم الصلوات والسلام کی تعظیم واحترام میں سجدے کا قائل ہوتو فوراً فتویٰ دیجئے سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہوسکتا، ہاں یادرکھیں اگر وہ کہے کہ یہ تو سجدۂ تعظیم ہے تو ایک نہ سنیئے اور اگر وہ کچھ پڑھا لکھا لگ رہا ہو خصوصاً کچھ عربی بھی جانتا ہو تو اسے بات کرنے کا موقعہ ہی نہ دیں، میں اس کے چند داؤ آپ کو بتا دیتا ہوں تا کہ آپ کہیں پھنس نہ جائیں

سب سے پہلے وہ سجدۂ آدم علیہ السلام کی بات کرے گا

اس میں تو شک نہیں ہے کہ ملکوت نے جناب آدم کو سجدہ کیا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جناب آدم اللہ بھی نہیں تھے اور یہ بھی نا قابل تردید حقیقت ہے کہ جناب آدم قبلہ بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ قبلہ کا ساکت ہونا ضروری مانا جاتا ہے، اگر ایسی صورت حال سامنے آجائے کہ مقابل دلائل دینا شروع کر دے تو اس کا بہترین حل یہ ہے کہ اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیں کیونکہ یہ دلائل جو کہ مبنی برحقیقت ہیں ان کا جواب ہے ہی نہیں

میں نے آپ کو ایک ہی گر بتا دیا ہے کہ جس جس آیت میں یا جس جس حدیث میں ''للہ'' موجود ہو اسے یاد کر لیں بحارالانوار طبع بیروت میں یہ لفظ ''للہ'' 7377 مرتبہ موجود ہے

اسی طرح دیگر کتابوں میں یہ وافر مقدار میں موجود ہے اور محمدؐ وآل محمد علیہم الصلوات والسلام کی شان کے خلاف استعمال ہونے والا بہترین ہتھیار یہی ہے ''للہ''

اس لئے گھبرانے کی ضرورت نہیں فتوؤں کے میدان میں اسے بے دریغ استعمال کریں کیونکہ یہ کام آسان بھی ہے اور قابل عمل بھی ہے، یہی کچھ تو ہو رہا ہے۔

دوستو! اب تک میں نے جو بات کی ہے یہ ان خران مقدّس کے ذہن کی ترجمانی کی ہے جو زیادہ پڑھے لکھے تو ہوتے نہیں اور ان کا کام دن رات فتوے اگلنا ہوتا ہے، علمی شخصیات کبھی بھی علمی جارحیت کا ارتکاب نہیں کرتیں کیونکہ علم میں جارحیت نہیں ہوتی جہالت جارح ہوتی ہے، علمائے حق کا دستور تھا کہ وہ اگر کسی علمی نظریہ کو رد بھی کرتے تھے تو کسی شخصیت کے حوالے سے نہ کرتے تھے بلکہ نام لئے بغیر صرف نظریے کی تردید کرتے اور اس طرح اس شخصیت کی بھی اصلاح ہو جاتی تھی

مسئلۂ تعظیم میں حق تو یہ ہے کہ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کی تعظیم اور سجدے کے بارے میں عرفا نے نہ تو کبھی عبادت کا فتویٰ دیا ہے اور نہ ہی اس سجدے کو شرک کہا ہے بلکہ اس کے فضائل بیان کئے ہیں

قبلہ

دوستو! میں نے پہلے کئی مرتبہ آپ کے سامنے بیان کیا ہے کہ انسان تین ارکان سے مرکن و مرکب ہے ظاہری یہ بدن ہے اس کے اندر نفس ہے اور نفس کے اندر روح ہے

انہی ارکان کے حساب سے نماز کی اقسام بھی تین ہیں ایک نماز جسمانی ہے ایک نماز نفسانی ہے اور ایک نماز روحانی ہے کیونکہ نمازوں کی تین اقسام ہیں اس حساب سے قبلے (جنہیں سجدہ کیا جاتا ہے) بھی تین قسموں کے ہیں

ظاہری نماز یہی ہے جو ہم پڑھتے ہیں یہ بدنی یا جسمانی نماز ہے کیونکہ جسم اور بدن مادّیاتی وجود ہیں اور جسم شریک جمادات ہے اس لئے اس کیلئے ہمیشہ سے مادّی قبلہ

بنایا جاتا رہا تھا جیسے مقدّس ہیکل بیت المقدّس میں مسجد اقصیٰ وغیرہ اسی طرح کعبۂ مکرم بھی نماز کیلئے بطور مسجود مسلمین بنایا گیا اور اسے قبلہ قرار دیا گیا لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ کعبہ قبلۂ حقیقی نہیں بلکہ اصل قبلہ کی شبیہ ہے

جیسا کہ امام رضا علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا کہ جب اللہ نے چاہا کہ اس کی عبادت کی جائے تو اس نے چوتھے آسمان پر اپنا ایک بیت بنایا جس کا نام ''صراح'' ہے اس کے بعد پہلے آسمان (فلک الارض) پر صراح کے محاذ پر اپنا ایک گھر بنایا اس کا نام بیت المعمور ہے اور بیت المعمور کے محاذ پر جناب آدم کو کعبہ بنانے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ ارضی مخلوق کیلئے یہ مسجود بن سکے یہ سارے بیت عرش کے محاذ پر بنائے گئے ہیں (خلاصہ)

کیونکہ یہ سارے عرش کی ڈائریکشن(Direction) یا سیدھ میں بنے ہوئے ہیں اس لئے یہ عرش کی شبیہیں ہیں، اس لئے جبینوں کیلئے قبلۂ حقیقی عرش اِلٰہی ہے

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ کعبۂ محترم قبلۂ جسم ہے اور قبلۂ نفس یا قبلۂ روح نہیں ہے نفس مادّی چیز نہیں اس کی ساری چیزیں کیفی ہوتی ہیں اس لئے اس کا قبلہ و مسجود بھی کیفی ہونا چاہئے اسی لئے امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا......ع

سجود القلب فی ذات صلوٰۃ دائم وصل

ھو المسجود فی قلب صیام صائم اصل

اگر سجدے فی ذات اللہ ہوں تو یہ دائمی نماز ہے اور وہی مسجود تمہارے دل میں جاگزیں ہو جائے تو یہ دائمی روزہ ہے......محمدؐ آل محمد علیہم الصلوات والسلام کی محبت میں جب دل دھڑکتا ہے تو یہی محبت سجود فی ذات اللہ قرار پاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مبغض کی نماز

www.khrooj.com

واقع نہیں ہوتی اور اس پر ''صَلِّ اَو زِنا '' کا حکم جاری ہوتا ہے کیونکہ اس کا جسمانی سجدہ جمادات سے آگے نہیں جا سکتا اور جمادات کا سجدہ ہی بت پرستی ہوتا ہے یعنی کعبۂ مکرم کے پتھروں سے ٹکرا کر سجدے واپس آ جاتے ہیں لیکن جن کے سجدے محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کی محبت کی تڑپ بھی ساتھ لے جاتے ہیں وہ کعبۂ مکرم کی جماداتی حدود سے پار جاتے ہیں اور وہی سجود فی ذات اللہ قرار پاتے ہیں، صلواۃ نفسی پاک انوار قدسیہ علیہم الصلوات والسلام کی محبت ولایت ہے اگر یہ ولایت شاملِ نماز نہ ہوتی تو اسے نیک عمل قرار ہی نہ دیا جاتا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ '' ولائے آل محمد علیہم الصلوات والسلام وہ نیک عمل ہے جس کے بعد کوئی برا عمل اثر انداز نہیں ہوتا '' (خلاصہ)

محبت نماز نفسی ہے اور اس کے سجود اطاعتی ہوتے ہیں اس کا وضو دشمن سے بریت ہوتی ہے اس موضوع پر تفصیل سے پھر کبھی بات ہوگی ، اصل نماز وہ ہے جو روح کی نماز ہے اور اس کا قبلہ وجودِ ولی العصر علیہ الصلوات والسلام ہوتا ہے اور یہی قبلۂ حقیقی ہوتا ہے

اس ضمن میں علامہ خمینیؒ نے پرواز در ملکوت کے بیان قبلہ میں خوب فرمایا ہے کہ یہ ذوات متعالیات علیہم الصلوات والسلام ہی قبلۂ حقیقی تھے کیونکہ سجدہ ایک جہت کو ہوسکتا ہے اور اللہ جل جلالہ کسی سمت میں نہیں ہوسکتا

آغا مرحوم اس پر بہت لمبی بحث کرتے ہیں اس کے بعد ان وجوہات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ جن کی وجہ سے آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام نے اپنی ذات کو قبلہ قرار نہ دیا ، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے

()اوّل آنکہ اگر ایشاں برائے مردم قبلہ می شدند امکان آں بود کہ غلو در حق شان نمودہ و آنان را معبود خود قرار دھند

پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ ذوات پاک علیہم الصلوات والسلام خود کو لوگوں کیلئے قبلہ قرار دے دیتے تو ان کے بارے میں غلو کا امکان بڑھ جاتا اور لوگ انہیں اللہ جل جلالہ سمجھنا شروع کر دیتے جیسا کہ بعض لوگوں کے عقائد سے اشارہ ملتا ہے امام شافعی فرماتے ہیں

☆ و مات شافعی و لیس یدری علیؑ ربه ام ربه الله

کہ شافعی مر گیا مگر یہ نہ معلوم کر سکا کہ اس کا اللہ اللہ ہے یا امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ہیں اس طرح اگر آپ خود کو قبلہ قرار دیتے تو گویا ان کے باطل عقائد میں ان کی حمایت کرتے

( ) دوسری وجہ لکھتے ہوئے آغا خمینیؒ رقم طراز ہیں

و نیز مردم توھم می کردند کہ معاذ اللہ خود آل محمد علیہم الصلوات والسلام معبود شدن را دوست داشتہ اند کہ برائے وصل با این مقام خود را قبلہ قرار دادہ اند

فرمایا وہ اگر خود کو قبلۂ خلق قرار دیتے تو لوگ اس سے یہ بدگمانی کرتے کہ انہیں لوگوں کے معبود و مسجود بننے کا بہت شوق ہے اسی لئے تو انہوں نے خود کو قبلۂ خلق قرار نہیں دیا ہے

اسی طرح انہوں نے بہت سے وجوہات اور دلائل لکھے ہیں مگر ہمارا مدعا اتنا ہی تھا کہ علمائے عرفان کا یہ عقیدہ تھا اور آج بھی ہے کہ قبلۂ حقیقی یہ انوار الٰہیہ ہیں اور انہی کا سجدہ روحِ عبادت ہے اور انہی کا سجدہ ان کیلئے مقام اکرام پاتا ہے اور ذات الٰہی کیلئے مقام عبادت قرار پاتا ہے جیسا کہ سجدہ تو جناب آدم کو کیا گیا مگر وہ سجدہ جناب آدم کیلئے سجدۂ اکرام و تعظیم بنا اور اللہ کیلئے عبادت بنا

اب کوئی شخص عرفا پر یہ الزام لگا سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ یہ تو آغا خمینیؒ کا خود ساختہ

عقیدہ ہے اوراس کی تائید میں کوئی فرمان معصوم موجود نہیں ہے
اس کے جواب میں عرض کروں گا کہ علمائے عرفان اس وقت تک کوئی بات کہتے نہیں جب تک فرمان معصوم موجود نہ ہو اور یہ عقیدہ آغا خمینی مرحوم کا خود ساختہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی مسند صداقت کے مالک امام صادق علیہ الصلوات والسلام نے اللہ کے حکم کے مطابق یہی عقیدہ اپنے خواص کو تعلیم فرمایا تھا

اللہ کی صداقت مطلقہ امام صادق آل محمد علیہم الصلوات والسلام سورہ اعراف کی آیہ 29
☆وَأَقِيمُواْ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ کی تفسیر میں فرماتے ہیں
اقیموا وجوهکم عند کل مسجد قال یعنی الائمة علیهم الصلوات والسلام
آیت میں ہے کہ ہر نماز کے وقت اپنے رخ مسجد کی طرف کرلیا کرو اس پر فرمایا اس کا مقصد یہ ہے کہ تم قیام کرو اور نماز کے وقت اپنا رخ آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کی طرف کرلیا کرو...... امام رضا ضامن غربا علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا جب تم نماز پڑھنا چاہو تو ہم (معصومین) میں سے کسی کو اپنے سامنے نصب قرار دو...... (القطرہ من البحار)
اسی طرح امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا
☆هؤلاء بنو اسرائیل نصب لهم باب حطة و انتم یا معاشر امة محمد صلی الله علیه و آله وسلم نصب لکم باب حطة اهل بیت محمد علیهم الصلوات والسلام و باب حطتکم افضل من باب حطتهم لان ذالك کان باخاشیب و نحن الناطقون...... (بحارالانوار 23)
فرمایا بنی اسرائیل میں باب حطہ کو نصب فرمایا گیا تھا یعنی قبلۂ سجود قرار دیا گیا تھا اے امت سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سامنے باب حطہ اہل بیت علیہم الصلوات والسلام کو قرار

دیا گیا ہے یعنی قبلۂ سجود قرار دیا گیا ہے اس کے بعد فرمایا بنی اسرائیل کے باب حطہ سے تمہارا باب حطہ افضل ہے کیونکہ ان کا باب حطہ موٹی موٹی لکڑیوں کا بنا ہوا تھا اور تمہارا باب حطہ ناطق باب ہے یعنی ان کے سامنے سر جھکانے ہی سے بخشش بھی ہوگی اور نجات کا موجب بھی انہی کی تعظیم ان کا سجدہ بن جائے گا اور اللہ کی عبادت قرار پائے گا، اسی لئے فرمان آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام تھا

☆ ''اجعل أحد الائمة نصب عينيك'' ......(تفسیر القرآن آیت اللہ مصطفیٰ خمینی شہید)

فرمایا ''اپنی نمازوں میں معصومین علیہم الصلوات والسلام میں سے کسی ایک کو نصب عین قرار دو'' یہ حکم عام نہیں بلکہ جملہ نمازوں کے بارے میں ہے اس میں نماز فریضہ و نوافل کا فرق بھی نہیں ہے اسی بات کو واضح کرنے کیلئے شہید مصطفیٰ خمینی

☆ ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنَ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں

☆ نعم هنا توجيه لطيف اشير اليه و هو ان عبادة كل احد لا يمكن الا بتصوير شيء حاك عنه و مراة له و يشير اليه ......الخ

فرمایا ہاں اس کی ایک لطیف وجہ ہے جس کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں وہ وجہ یہ ہے کہ کوئی ایک بھی کسی کی عبادت نہیں کرسکتا ہے یعنی ممکن ہی نہیں جب تک کہ عبادت میں معبود کی کوئی تصویر سامنے نہ ہو اور اس کی تصویر بھی ایسی کہ جو اس کی حکایت کرتی ہوئی بولتی ہوئی تصویر ہو اور جو اس کی مکمل آئینہ دار بھی ہو ایسا لگے کہ اس معبود کا عکس آئینے میں دیکھا جارہا ہے اور وہ تصویر اپنے اصل کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بھی ہو۔اس کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں معبود مطلق کی ایسی تصویر کیا ہے؟

☆ لا ريب انه هو الحقيقة المحمدية و الرقيقة العلوية فلا يرجع ذالك

الی عبادۃ غیر اللہ تعالیٰ بل ھذا فی الحقیقۃ عبادۃ اللہ تعالیٰ کما لا یخفیٰ اھل البصائر و الدرجات

فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ تصویر معبود تمثال اِلٰہی حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور وہ رقیقۃ علو یہ علیہ الصلوات والسلام ہے'' ان کے علاوہ کوئی تصویر معبود نہیں ہو سکتی'' آگے چل کر فرماتے ہیں اس میں یہ نہ سوچنا کہ یہ غیر اللہ کی عبادت کی طرف جانا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل عبادت اِلٰہی ہے ہی یہی جیسا کہ صاحبان بصیرت اور حاملان درجات اعلیٰ اچھی طرح جانتے ہیں

آغا خمینیؒ مرحوم نے فرمایا کہ لوگوں کی وجہ سے آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام نے خود کو قبلہ قرار نہیں دیا ورنہ قبلہ ہونے کے وہی سب سے زیادہ مستحق تھے لیکن پھر بھی خالق نے انہی کے مشاہد مقدّسہ کو قبلہ قرار دیا ہے کیونکہ کعبہ میں ان کی علیینی طینت کا ایک حصہ موجود ہے اس لئے وہ قبلہ قرار پایا ہے، اس کی تفصیل میں فرمایا کہ فرمان آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام ہے کہ ہمارے ابدان ظاہری کی تشکیل میں دس مشت طینت علیہ شامل ہے اس میں سے پانچ مشت بہشت کی طینت کے ہیں اور پانچ مشت طینت قدسیہ ارضی ہے جو ارضی طینت ہے وہ بیت المقدّس اور طینت کعبہ، طینت مدینہ منورہ، طینت نجف (کوفہ)، طینت کربلا، سے لی گئی ہے اس لئے یہ سارے مقامات قبلہ صلواۃ مسجود خلائق ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ان میں سب سے اشرف واعلیٰ زمین کربلا ہے اور یہ قبلہ قرار پانے کی زیادہ حقدار ہے اور ارض مکہ اس سے پست تر ہے (خلاصہ)...... یہ تو نمازوں میں قبلہ قرار دینے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی مگر عمومی طور پر تو پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے منسوبات کو بھی سجدہ تعظیم جائز ہے

باب حطہ یعنی بنی اسرائیل کیلئے جونجات کا دروازہ قرار دیا گیا تھا اور اس کے سجدے کا حکم خالق کی طرف سے ملا تھا اس پر چہاردہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کے اسمائے مبارکہ کندہ تھے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہاں پر آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام کی مقدّس تصاویر آویزاں تھیں جس کا خالق نے سجدہ کروایا تھا (بحوالہ القطرہ جلد ثانی، مراۃ الانوار مقدمہ تفسیر برہان)

اسی بات سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ ان کی تصویروں اور ان کے اسما اور مشاہد مقدّسہ اور ان کے منسوبات مثلاً علم پاک، ذوالجناح پاک، تعزیہ پاک، امام بارگاہ پاک یعنی ان کے سارے منسوبات پاک ہیں اس لئے ان کی تعظیم میں سجدہ جائز ہے کیونکہ یہ تعظیم اللہ کی وجہ سے ہوگی اس لئے یہ سجدہ ان منسوبات کیلئے سجدۂ تعظیم بنے گا اور اللہ کیلئے یہی سجدۂ عبادت قرار پائے گا

یہ ہماری رائے ہے اور یہی جملہ عرفائے حق کی بھی رائے ہے اس لئے اگر اس سے کسی کو اختلاف ہو تو یہ اس کا اوّلین حق ہے کہ وہ جیسا عقیدہ رکھے میں اس پر اپنا عقیدہ مسلط نہیں کرتا اور اس کا یہ حق ہے کہ اپنا عقیدہ ہم پر مسلط نہ کرے

ہاں اس کا فیصلہ اس وقت ہوگا جب امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائیں گے تو اس دن ☆ یوم یکشف عن ساق کے راز کھلیں گے وہاں تو ہر کوئی ان کی ذات کے سجدے پر تیار ہی نہیں بلکہ سجدے میں گرنے کو بیقرار ہوگا مگر سجدہ کرنا تو قسمت والوں ہی کو نصیب ہوگا باقی لوگوں کی پیٹھیں تو اکڑ کر تختہ بن جائیں گی اور اسی عدم تعظیم کی سزا بھی ملے گی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

مقامِ اوّلیت

☆اوّل ما خلق اللہ نوری

خطبہ اوّل

اے تشنگان ساغر عرفان!

عمومی طور پر جو معرفت کا تصور ہے وہ کیا ہے؟

''سمجھ نہ آ سکنے والی کچھ ذوات کو حتیٰ المقدور سمجھ لینا ہی معرفت ہے''

اب اس پر غور کریں گے تو ہمیں اپنی عقلی کم مائیگی ہمارا منہ چڑاتی ہوئی نظر آئے گی کیونکہ ہم ان ذوات اقدس علیہم الصلوات والسلام کے مخفی پہلو کو نہیں سمجھ سکتے جو اللہ کا راز ہے جس کے بارے میں واضح طور پر فرما دیا گیا ہے

☆امرنا هو الحق و حق الحق و هو الظاهر و باطن الظاهر و باطن الباطن و هو السر و سر السر ولسر المستسر و سر المقنع بالسر

(بحارالانوار بحوالہ بصائرالدرجات)

(1) فرمایا ہمارا امر حق ہے اور وہ حق کا بھی حق ہے وہ ظاہر بھی ہے اور وہ باطن کا ظاہر ہے بلکہ وہ باطن کا بھی باطن ہے ہمارا امر ایک راز ہے وہ راز کا بھی راز ہے بلکہ راز در راز ہے بلکہ وہ ایک ڈھکے چھپے ہوئے راز کی چادر کے اندر چھپا ہوا راز ہے

www.khrooj.com

یہاں ذوات متعالیہ علیھم الصلوات والسلام کے بارے میں جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ ان کا وہ غیب کیا ہے جو کسی کی سمجھ نہیں آ سکتا تو ہمیں ماضی قدیم کے پردوں کو چاک کرنا پڑے گا کہ جہاں سے ان کے سلسلۂ غیب کا آغاز ہوتا ہے، ماضی بھی ایسا ماضی کہ جس کی قدامت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، ان کے رازوں کو سمجھنے کیلئے ہمیں اس ماضی میں جانا پڑے گا کہ جب نہ یہ کائنات تھی اور نہ کوئی ایسا تھا کہ جسے ''کوئی'' کہا جا سکے اگر تھا تو ایک وہ تھا جس کے وہ ہونے کیلئے ''وہ'' کا اشاراتی لفظ بھی ایک توہین سے کم نہ تھا مگر یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے ہماری کمزوریوں کے پیش نظر اس لفظ کو اپنی ذات کیلئے برداشت فرمالیا ہے

اس زمانے میں کہ جس پر لفظ زمانے کا اطلاق بھی نہیں ہوتا اس کے بارے میں بتانے والوں نے اتنا بتایا ہے کہ یہ اس دور کی بات ہے جب کچھ نہ تھا اور جو تھا وہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا کنت کنزاً مخفیاً...... الخ

حدیث قدسی میں خالق خود فرماتا ہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سو میں نے مخلوق کی تخلیق کو پسند فرمالیا

آپ لوگ اس دور میں لفظ خزانہ کا مفہوم تو سمجھتے ہیں میں پھر یاددہانی کروادوں کہ خزانہ دولت و مال کے اس ذخیرہ کو کہتے ہیں جو کسی کی دولت مندی اور امارت کا سرچشمہ بن سکے جب کہیں خزانہ ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی خازن بھی ہوتا ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ اس کنز مخفی کا وہاں خازن کون تھا

بہرحال وہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا اب یہاں میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ چھپا ہوا تھا تو کس سے چھپا ہوا تھا؟ وہاں کون تھا جس سے وہ مخفی تھا کیونکہ جو بھی بنا ہے وہ تو بعد

www.khrooj.com

میں بنا ہے جب اس کے سوا کوئی تھا ہی نہیں تو وہ کس سے چھپا ہوا تھا؟

چونکہ اس نے خود فرمایا اس لئے ہم نے مان لیا کہ واقعی وہ چھپا ہوا خزانہ تھا

آپ جانتے ہیں کہ جب بھی کوئی چیز چھپائی جاتی ہے تو اسے کسی نہ کسی چیز میں چھپایا جاتا ہے لیکن میں اس وقت یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ اگر چھپا ہوا تھا تو کس کے اندر چھپا ہوا تھا وہ کون سی ہستی تھی کہ جو پردہ دار وحدت بنی ہوئی تھی یا جس میں وہ واجب الوجود مخفی تھا مگر یہ تو ماننے بغیر چارہ نہیں کہ وہ چھپا ہوا ضرور تھا یہ باتیں معلوم کرنا ضروریات عقائد میں سے بھی نہیں ہیں کہ وہ کس چیز یا پردے میں چھپا ہوا تھا؟ کس چیز کے اندر چھپا ہوا تھا؟ کیسے چھپا ہوا تھا؟ اور کیوں چھپا ہوا تھا؟ بہر حال وہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا

یہ بھی ہے کہ وہ ایک خزانہ ہی تھا جو دولت و مال یا قیمتی چیزوں کا خزانہ تھا، لفظ خزانے کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے کیونکہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اصحاب باصفا کو بھی خزانۂ رحمان کہا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ افراد کو بھی خزانہ کہا جا سکتا ہے مگر میں یہ تعین نہیں کر سکتا کہ وہ کیسا خزانہ تھا کس قسم کی دولت و زر تھی وہ نور کا خزانہ تھا یا معلومات کا خزانہ تھا یا قدرت و جباریت کا خزانہ تھا مگر تھا خزانہ یعنی کچھ قیمتی چیزوں کا خزانہ تھا

پھر اس نے تکوین کا آغاز کیا جس کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں جن کا میں یہاں خلاصہ پیش کرتا ہوں

معصومین علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا تخلیق خلق و عرش و کرسی سے اور انبیا علیہم السلام کی تکوین سے چار لاکھ چوبیس ہزار سال قبل کا قصہ ہے کہ ہمیں اللہ نے اپنے نور ذات سے جدا

فرمایا، اس کے بعد اللہ نے ہمیں اپنی خلوت ذات میں ایک طویل عرصہ رکھا اس وقت ہمارا نور ایک وحدت مطلقہ کا حامل تھا وہاں اللہ جل جلالہ نے ہمارے نور اوّل کو اپنے سامنے رکھ کر خلوت خانۂ احدیت میں ہمارے نور کے آئینے میں اپنی ذات کا عکس دیکھا جب دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا

امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام فرماتے ہیں جب اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور خلق فرمایا تو وہ اللہ جل جلالہ کے حضور قدس میں ایک ہزار سال تک تسبیح کرتا رہا اللہ جل جلالہ اس نور کی طرف دیکھتا تھا اور فرماتا تھا اے میرے حبیب تو ہی میرا مقصود و مراد ہے تو ہی میری مخلوق کا مختار ہے، مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر آپ نہ ہوتے تو میں کسی چیز کو پیدا ہی نہ کرتا جو آپ کا دوست ہے وہی میرا دوست ہوگا جو آپ کا دشمن ہوگا وہ میرا بھی دشمن ہوگا، ایک ہزار سال کی تسبیحات کے بعد حقیقت محمدیہ یعنی نور اوّل نے حریم ذات میں مدخلیت پائی، پھر اللہ جل جلالہ نے ایک دو دن نہیں اسی ہزار سال تک ہمارے نور میں اپنے عکس کی تلاوت کی اور اس آئینہ داری پر ہمارے نور اوّل کی مسلسل حمد کرتا رہا اور اللہ جل جلالہ نے اس قدر اس نور اوّل کی حمد کی کہ حمد کرتے کرتے نام ہی ''محمدؐ'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھ دیا جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے اسی کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں

اس مقام پر میں آج سے بہت پہلے ایک بات کر چکا ہوں اس کا یہاں اعادہ کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے جب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو اپنے سامنے رکھا تو اسے اس پر بہت پیار آیا تو فوراً خیال آیا کیا یہ میرا حبیب مجھے پہچانتا بھی ہے یا نہیں؟

یہ سوچ کر خالق نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور پر نظریں جما کر فرمایا

☆یا حبیبی و بضعة کبدی تعرف من انا؟

اے میرے حبیب اے میرے جگر کے ثمر کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں کہ میں کون ہوں؟

عرض کیا ☆انت اللہ لاالہ الا انت فرمایا اے ''میرے اللہ تو'' یہ سننا تھا کہ بلا تشبیہ اللہ نے فرمایا ''واہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج سے پہلے میرا کوئی نام نہ تھا آج آپ نے مجھے اللہ کہا ہے تو آج سے میرا ذاتی نام اللہ ہی ہوگا

جب خالق نے اپنے حبیب کی اس طرح عزت افزائی فرمائی کہ میں آج سے پہلے بے نام ونشان تھا آپ نے مجھے اللہ کہہ کر نام دے کر احسان کیا تو اس پر رخ محبوب پر خوشی کی ایک چمک دوڑی بس وہ چمک کیا دوڑی اللہ نے فوراً اسے کیپچر (Capture) محفوظ کرلیا اس ادائے دلبرانہ کی یاد میں اللہ نے بارہ حجابات نور خلق فرمائے جن میں سے ہر حجابِ نور ستر ہزار حجابات کا مجموعہ تھا ان کے نام یہ تھے

1...... حجاب قدرت

2...... حجاب عظمت

3...... حجاب منت

4...... حجاب رحمت

5...... حجاب سعادت

6...... حجاب کرامت

7...... حجاب منزلت

8...... حجاب ہدایت

9...... حجاب نبوّت

10...... حجاب رفعت

11...... حجاب ہیبت

12...... حجاب شفاعت

جب خالق نے یہ بارہ حجابات خلق فرما لئے تو اپنے نور اوّل سے فرمایا کہ آپ ان حجابات کو بھی اعزاز بخشیں اور ان میں میری تسبیحات کریں تا کہ حجابات نور کو میرا تعارف ہو جائے۔ محبّ حقیقی کی فرمائش پر محبوب اوّل نے 78 ہزار سال میں ان حجابات کو عبور فرمایا اور انہوں نے پہلے حجاب میں بارہ ہزار سال اور دوسرے میں گیارہ ہزار سال اسی طرح ہر حجاب میں ایک ہزار سال کم کرتے گئے اور آخری حجاب میں ایک ہزار سال قیام فرمایا

اس نور اوّل نے عبور حجابات کے بعد اپنے محبّ حقیقی کی اس مہمان نوازی پر بطور شکریہ ایک سجدہ کیا جب انہوں نے سجدے میں جبین رکھی تو ان کے قدموں سے بیس دریائے نور جاری ہوئے جو سارے کے سارے علم ذات اِلٰہی کا حصہ تھے ان کے نام یہ تھے

1...... بحر صبر()2...... بحر خشوع()3......بحر تواضع()4......بحر رضا()

5...... بحر علم()6...... بحر تقویٰ()7...... بحر خشیہ()8...... بحر ھدیٰ()

9...... بحر کبریا()10......بحر صیانت

ان کے اندر مزید دس دریائے نور تھے جب وہ دریا جاری ہوئے تو اللہ جل جلالہ نے

اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا آپ نے حجابات کا ایک طولانی سفر کیا تھک گئے ہوں گے اس لئے مناسب ہوگا کہ غسل فرمالیں اس طرح ایک پنتھ دو کاج والی بات ہوجائے گی آپ کی تھکان اتر جائے گی اور آپ کے جسم اطہر کی لمس کو پاکر یہ دریا میری منفعت حاصل کرلیں گے تو محبوب حقیقی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا بجا ہے غسل کرنے سے تھکان اتر جاتی ہے، جب غسل فرمالیا تو پھر حریم ذات میں مدعو کئے گئے اس وقت اللہ نے فرمایا

☆یا سید رسلی یا اوّل مخلوقی یا آخر رسلی انت شفیعی یوم المحشر

یہاں میں ایک اور بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا ضروری سمجھوں گا کہ آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ ان لاکھوں امری برسوں میں اس نور اقدس نے کھایا کیا تھا؟ وہاں ان کی خوراک کیا تھی؟ اور ان کی زندگی کس قسم کی تھی وہاں ان کا قیام کس چیز پر تھا؟ ان سوالوں کا جواب جو بھی ہو مگر یہ بات ماننا ہوگی کہ ان کی وہاں کی خوراک جیسی بھی تھی، سوتھی مگر ہمارے جیسی نہ تھی، وہاں ان کی زندگی جیسی بھی تھی تھی مگر ہمارے جیسی نہ تھی، وہاں ان کے اجسام وابدان جیسے بھی تھے تھے مگر ہمارے جیسے نہ تھے، وہاں یہ جیسے بھی تھے تھے مگر ہمارے جیسے نہ تھے، اب یہ بات مان لی جائے کہ یہ پاک انوار لاکھوں برس ہمارے جیسے نہ تھے نہ ان کی ہماری جیسی غذا تھی ہے، نہ لباس، نہ رہن سہن، نہ جسم و بدن ہمارے جیسے تھے تو پھر یہاں چند سال آ کر رہنے سے ان کا سب کچھ ہمارے جیسا کیسے ہوگیا ہے؟ وہاں لاکھوں نوری وامری سال رہنے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو یہاں دس بیس سال ارضی رہنے سے ان کا سب کچھ کس کلیے کے تحت تبدیل ہوگیا تھا؟

www.khrooj.com

لٰہذا انہیں نوع بشر کہنے والوں کو تھوڑا سا سوچ لینا چاہئے ویسے وہ اپنے مالک آپ ہیں مگر انہیں اتنی مہربانی تو کرنا چاہئے کہ کسی پر اپنا نظریہ مسلّط تو نہ کریں

آمدم برسر موضوع

جب اللہ جل جلالہ نے دعوت محبوب سے فرصت پائی تو سوچا کہ میں تو ایک لا محدود مخلوق پیدا کرنے والا ہوں اور ابھی میں نے اپنے اسما وصفات کا جامہ بھی زیب قامت موزوں نہیں کیا اور ابھی اپنے مقام الکثرت فی الوحدت کو بھی پسند نہیں کیا تو کیوں نہ پہلے انہی پر یہ کلیات آزما کر دیکھا جائے کہ یہ نور اوّل جو میرا آئینہ دار ہے یہ وحدت فی الکثرت میں کیسا لگتا ہے، یہ سوچ کر اس فعال لما یرید جل جلالہ نے ان کی وحدت کو تین انوار میں تقسیم کیا اس کے بعد دو انوار کی آمیزش سے دو اور انوار ان سے علیحدہ فرمائے، نور اوّل کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا تو اللہ نے فرمایا ایک نبی اور ایک ولی اس وقت امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے نور اقدس نے فرمایا

''صدق اللہ ''اسی لئے امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام فرماتے تھے ہم نے تو اپنے بھائی کی نبوّت کی اس وقت تصدیق فرمائی تھی جب سوائے ان کے اور میرے نور کے کوئی اور چیز پیدا ہی نہیں ہوئی تھی

اس تصدیق کے بعد شہنشاہ معظم حبیب اِلٰہی سرور دو جہاں یعنی نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے مرکزی ذات کا سجدہ کیا، اللہ نے فرمایا اس سجدے کے انعام میں ایک بھائی کو میں نے اپنی عظمت ذات کا مظہر بنایا ہے اور دوسرے بھائی کے نور کو اپنی قدرتِ ذات کا مظہر بنایا یعنی جہاں مجھے اپنی عظمت دکھانا ہوگی

میں وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کروں گا اور جہاں مجھے یہ دکھانا ہوگا کہ میں کتنا صاحب قدرت ہوں تو وہاں میں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو پیش کروں گا کہ ان کی قوت وقدرت ہی کو دیکھ کر سمجھ لو کہ میں کتنا قدرت والا ہوں

جب چہاردہ معصومین علیہم الصلوات والسلام نے علیحدہ علیحدہ تشخص پایا تو اس وقت اللہ نے ان کے مابین عہد و پیمان لئے جو میثاق معصومین علیہم الصلوات والسلام کے نام سے مشہور ہے جس میں انہیں کردار سونپے گئے تھے کہ کس نے کیا کرنا ہے

یہاں میں ایک بات کرتا ہوں کہ اس مقام پر ہمیں جناب ابوالفضل العباس علیہ الصلوات والسلام کے بارے میں بھی ایک روایت ملتی ہے کہ ان سے بھی اسی موقعہ پر عہد لیا گیا تھا کہ امام حسین علیہ الصلوات والسلام کربلا میں شہید ہوں گے اور آپ ان کے علمبردار ہوں گے یعنی یہاں صرف چہاردہ معصومین علیہم الصلوات والسلام سے میثاق لینا محدود نہیں بلکہ سارے پاک خاندان علیہ الصلوات والسلام سے اس وقت میثاق لینا ثابت ہے کہ جب انبیا ورسل کی ارواح بھی خلق نہیں ہوئی تھیں اوراسی بزم اوّل کے شریک ذوات کے بارے میں ہے کہ ''کلنا محمدؐ''

اس کے بعد خلاقِ ازل جل جلالہ نے پھر سے علیحدہ علیحدہ انوار معصومین علیہم الصلوات والسلام کو اپنی خلوتِ حریم ذات میں آئینۂ جمال وجلال اِلٰہی بنا کر دیکھنا شروع کیا، سب سے پہلے اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو آئینۂ ذات قرار دیا اور اس میں اپنے عکس ذات کا مشاہدہ کیا جب دیکھا تو احساس ہوا کہ یہ بننے والا کیسا خوبصورت بن گیا ہے اپنی ذات کی محبت نے دل میں جوش مارا اللہ کو خود پر پیار آ گیا بس مسلسل دیکھنا شروع کیا جوں جوں وقت گزرتا گیا محبت بڑھتی گئی حسن کا احساس بڑھتا گیا،

سوچا اگر میرے ہاتھ ہوتے اور میں نے ان سے انہیں بنایا ہوتا تو اپنے ہاتھ چوم لیتا اگر قلم ہوتا جس سے اس شاہکار کو مرتب کیا ہوتا تو اس کے بعد قلم توڑ دیتا

بس ایک لامتناہی انہماک واستغراق سے دیکھنا شروع کیا آنکھ نہیں کہ جھپکے، نگاہوں کا تسلسل ٹوٹے نظریں بھی عام نظریں نہیں وہ تو اپنے حبیب کو ''عیون اللہ'' سے دیکھ رہا ہے اللہ کی آنکھیں ہیں کہ رخِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھے جاری ہیں

اب یہاں میں پھر عرض کروں گا کہ یہ باتیں ہمارے سوچنے کی نہیں ہیں کہ وہ کن اور کیسی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا وہ اللہ جل جلالہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا یا کسی اور کی آنکھوں میں بیٹھ کر محبوب کو دیکھ رہا تھا یا باقی تیرہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کی نظروں کے جھروکوں میں سے دیکھ رہا تھا کیونکہ ان میں سے بھی ہر فرد ''عین اللہ ناظرہ'' کا مقام رکھتا ہے مگر میں اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہوں گا کہ وہ کیسی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر یاد رہے وہ دیکھ ضرور رہا تھا، یہ بھی ایک فطری بات ہے کہ جب بھی کوئی شریف اور کریم باپ اپنے سعادت مند بیٹے کے چہرے پر مسلسل نگاہ جما دے تو چند منٹ کے بعد شریف وسعید بیٹے کے چہرے پر پسینہ آجاتا ہے

بلا تشبیہ جب اللہ جل جلالہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخِ انور کو مسلسل دیکھنا شروع کیا تو دیکھتا ہی گیا وہ بھی ایک دو منٹ نہیں یہ سلسلہ 30 ہزار سال سے 90 ہزار سال تک جاری رہا محبوب بھی ایسا کہ جو خالق شرم وحیا، بس اس نے محبّ کی گرم نگاہوں کے لمس کا ارتکاز اپنے رخ پر محسوس کیا تو جبین مبین پر پسینہ آنے لگا پیشانی بھیگنے لگی جبین مبین سے پسینے کے قطرات پھسل پھسل کر گرنے لگے اللہ نے ہر بوند کو دامن عالم امر میں وصول کرنا شروع کیا، کیونکہ پسینے کا سب سے پہلا قطرہ ہی اہم تھا

www.khrooj.com

اس سے خالق نے محبوب کا حرم ذات بنایا یعنی اس سے عرش اوّل کو خلق فرمایا کیونکہ عرش دو ہیں اور عرش ثانی کو بعد میں خلق فرمایا گیا تھا

اسی طرح ایک لاکھ تئیس ہزار قطرات جبین مبین سے ٹپکے اور خالق نے انہیں اپنی خلوت میں یادگار کے طور پر محفوظ کرنا چاہا تو اس سے ارواح انبیا و رسل کو خلق فرما دیا، یعنی پسینے کی کسی بوند سے جناب آدم کی روح خلق ہوئی کسی سے جناب نوح کی روح خلق ہوئی کسی قطرے سے جناب ابراہیم علیہ السلام کی روح مکون ہوئی، جب انبیا و رسل علیہم السلام کی ارواح خلق ہو چکیں تو وہ حیران ہوئیں کہ ہم کہاں سے کیسے اور کیوں اور کہاں آ گئی ہیں؟ انہیں نہ اپنے بنانے والے کا علم نہ اس کے نام ونشان کا علم نہ اپنے بننے کی وجہ کا علم تھا وہ سب خاموش و متحیر کھڑی تھیں کہ خالق نے انوار خمسۂ نجبا علیہم الصلوات والسلام سے فرمایا کہ ان بے چاروں سے ہمارا تعارف تو کروا دیں

اس وقت نبی الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے مجمع انبیا و رسل!......قل ھو اللہ احد اے مجمع انبیا کہہ دے اللہ ایک ہے......فوراً نور امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا ''اللہ صمد'' فرمایا وہ بہت بے نیاز بھی ہے اس پر بڑے بیٹے حسن المجتبیٰ علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا ''لم یلد'' دوسرے فرزند امام حسین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا و لم یولد یعنی نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ ہی کوئی اس سے پیدا ہوا ہے ان کے فوراً بعد ملکہ عالمین صلوات اللہ علیہا نے فرمایا ''ولم یکن لہ کفواً احد'' اور اس کا کائنات میں کوئی کفو بھی نہیں ہے وہ کفو میں احد ہے، جب ملکہ عالمین صلوات اللہ علیہا نے اس طرح فرمایا تو اللہ جل جلالہ نے جھوم کر فرمایا میں بھی گواہی دیتا ہوں اگر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نہ ہوتے تو ☆ولم یکن لھا کفواً احد

جب انبیا علیہم السلام کی مقدّس ارواح متعارف ہوچکیں تو انہوں نے فوراً انوار خمسہ علیہم الصلوات والسلام کو قبلۂ اوّل قرار دے کر اس کا پروانہ وار طواف کرنا شروع کر دیا جیسے طواف کعبہ کیا جاتا ہے وہ طواف بھی کر رہے تھے اور یہ تسبیح بھی کر رہے تھے

☆سبحان من هو مالم يجعل سبحان من هو عليهم لا يجعل سبحان من هو غنى لا يفتقر

سال ہا سال وہ ان کے طواف میں مصروف رہے اس کے بعد خالق نے میثاق انبیا علیہم السلام کا پروگرام بنایا اور سب سے پہلے ان سے اپنا تعارف چاہا اور ان سے دریافت فرمایا میں کون ہوں؟

اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور نے فرمایا

☆انت الله لا اله الا انت وحدك لا شريك رب الارباب و ملك الملكوت

اس بات کی دیگر انبیا علیہم السلام نے تصدیق فرمائی اس کے بعد اللہ نے ان سے چہاردہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کی ولایت کا اقرار کروایا اور ان کی نصرت کا اور تصدیق کا وعدہ لیا پھر انہیں کتاب وجودی اور حکمت وجودی سے سرفراز فرمایا

دوستو! تخلیق ارواح انبیا علیہم السلام کے متعلق آپ سن چکے ہیں کہ وہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے سے خلق ہوئے، آپ نے جناب آدم علیہ السلام کا واقعہ تو سنا ہوا ہے اور کلام الٰہی میں بارہا پڑھا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں جناب آدم علیہ السلام کو بنا رہا ہوں جب میں اسے تیار کرلوں تو اس کے بعد میں اس میں اپنی روح ڈالوں گا

☆فنفخت فيه من روحى فقعوا له ساجدين

جب میں اس میں اپنی روح کو داخل کروں تو تم سجدے میں گر جانا، اس میں لفظ روحی میں ''یائے''نسبتی ہے اور''من'' بیانیہ مانیں یا تبعیضیہ دونوں حالتوں میں ایک نئی حقیقت دریافت ہوتی ہے یہاں میں کچھ نہیں کہتا ہوں یہ تو اب آپ کی مرضی ہے، اس روح جناب آدم علیہ السلام کو جزو روح الٰہی مانیں یا اس اللہ کی ارواح قدسیہ میں سے ایک روح مانیں

مگر اتنا میں یاد دِلاؤں گا کہ وہ روح جس کا سجدہ ملکوت نے کیا تھا وہ شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے کی ایک بوند سے تخلیق ہوئی تھی یوں سمجھ لیں وہ پسینے کی ایک بوند تھی جو جناب آدم پر گری تو آدم خاکی کو نوریوں کا مسجود بنا کر رکھ دیا

یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ پسینہ کسی چیز کا جزو بدن نہیں ہوتا بلکہ بدن کا ادنیٰ ترین اور فاضل مواد ہوتا ہے اب اسی بات سے خود سوچیں جن کے جسم اوّلیہ کا ادنیٰ ترین فاضل مواد اتنا مقام رکھتا ہو کہ اللہ کی روح ذات کا جزو قرار پائے تو ان کے اصل جسم اطہر کا کیا مقام ہوگا؟

جب ہزاروں سال اسی طرح گزر گئے تو خالق نے ارادہ فرمایا کہ اب کچھ دوسرا کام بھی کرنا چاہئے یوں جب رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ نے ان انوار خمسۂ مقدّسہ میں اپنے وجدان کو کامل فرما لیا تو اس کے بعد تکوین (تخلیق) کے سلسلے کا آغاز کیا اللہ کے نور ذات اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا

☆فاراد الله بدء الصنعة فتق نوری فخلق منه العرش فنور العرش من نوری و نوری نور الله و انا افضل من العرش...... الخ ......(بحارالانوار)

یہ حدیث طویل ہے اس لئے اس کے خلاصہ پر اکتفیٰ کرتا ہوں فرمایا جب اللہ جل

جلالہ نے تکوین و ایجاد کا ارادہ فرمایا تو اس نے ہمارے نور سے اقتباس کیا اور اس سے عرش اِلٰہی کو ایجاد فرمایا اس لئے نور عرش ہمارے نور اقدس سے ہے اور ہمارا نور اللہ کا نور ہے اس لئے ہمارا نور عرش سے افضل ہے، پھر مکون کائنات نے ہمارے برادر شہنشاہ معظم امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے نور کو (اپنے جلال و جمال کا آئینہ بنانے کے بعد) ان کے نور اقدس سے اقتباس کیا اور اس نور سے ملکوت کی تکوین فرمائی، ملکوت و کروبیاں ہمارے بھائی کے نور سے ہیں اور ان کا نور اللہ کا نور ہے اس لئے وہ ملکوت سے افضل ہیں، اس کے بعد خلاقِ کائنات نے ہماری پاک شہزادی صلوات اللہ علیہا کے نور اقدس سے اقتباس فرمایا اور اس سے ارض و سماوات کو ایجاد فرمایا، اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ہمارے سبط اکبر حسن المجتبیٰ علیہ الصلوات والسلام کے نور سے اقتباس کیا اور اس سے شموس و اقمار و نجوم کو خلق فرمایا، اس کے بعد ذات واجب الوجود نے ہمارے سبط اصغر امام حسین علیہ الصلوات والسلام کے نور اقدس سے اقتباس کیا اور اس سے جنات سبعہ و حور و غلمان وغیرہ کو ایجاد فرمایا، ان کی تخلیق کے جو مراحل ہیں ان کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں جن کا خلاصہ پھر پیش کیا جائے گا بس یوں سمجھ لیں ایک چیز کی تخلیق سے دوسری چیز کی تخلیق تک لاکھوں امری سال کا فاصلہ ہے

جب عرش و کرسی و لوح و قلم وغیرہ خلق ہو گئے تو اس وقت ان سب کو تعارف اِلٰہی کی ضرورت تھی یہ کام بھی انوارِ چہاردہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کو سونپا گیا، ان سے فرمایا گیا کہ انہیں میرا تعارف کروائیں، یہ حکم سن کر ان انوار اوّلیہ علیہم الصلوات والسلام نے عرش کے سامنے تسبیحات کرنا شروع کر دیں جسے سن کر ملکوتِ ارض و سما نے تسبیحات کرنا شروع کر دیں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے تو معصومین علیہم الصلوات والسلام فرماتے ہیں

www.khrooj.com

☆سبحنا سبحة الملائكة و حللنا فحللة الملائكة ......الخ

ہماری تسبیحات ہی سے ملکوت نے تسبیحات وغیرہ سیکھی ہیں

اسی دَور کا واقعہ ہے جب عالم ملک وملکوت کی تخلیق ہورہی تھی تو ملائکہ میں سے سب سے پہلے جناب جبریل علیہ السلام کو خلق فرمایا گیا تھا اوران سے یہ سوال ہوا تھا کہ میں کون ہوں اورتم کون ہوتو وہ متحیر ہوئے کہ کیا جواب دیں تو وہاں امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام نے ان کی رہنمائی فرمائی تھی یہ واقعہ تو سب کو یاد ہے اس لئے صرف یاددہانی کروائی ہے۔

جب یہ ساری چیزیں بن گئیں تو اس کے بعد اللہ نے ☆ثم استویٰ علی العرش کا مظاہرہ فرمانا تھا یعنی وحدانیۃ الکبریٰ صلوات اللہ علیہا نے بجائے الہ العالمین عرش کو زینت بخشنا تھی ۔اس سے قبل وہ اپنے تیرہ انوار کے پردے میں مستور تھیں

مگراب انہوں نے عرش اِلٰہی پر متمکن ہونا تھا بس اس لئے خالق نے ایک تاریکی کو خلق فرمایا اوراس کی تاریک چادر کا پردہ بنایا اوراسے پورے عالمین وعرش وکرسی پر چھا جانے کا حکم فرمایا پھر پورا عالم انوار تاریک ہوگیا اس وقت پردۂ وحدت کے مالک نورذاتیت اِلٰہیت کو عرش میں تشریف لانے کو کہا ملکوت نے اس وقت استدعا کی کہ خالق یہ کیسی تاریکی ہے؟ فرمایا کسی کا پردہ ملحوظ خاطر تھا اس لئے عالم انوار کو بے چراغ کر دیا گیا ہے جب مالک عرش ذات صلوات اللہ علیہا عرش میں جلوہ افروز ہوجائیں تو ان سے عرض کرنا،اس کے بعد ملکوت نے محاذ عرش پر آ کر عرض کیا کہ اپنی عزت وجلال کے صدقے اس تاریکی کو دور فرمائیں

اس وقت ایک سرادقِ عرش پر نورِ احدیت قندیل وحدانیت بن کر چمکا سارا عالم

انوار دوبارہ روشن ہوگیا اور جملہ مخلوق نور نے اس نور کے سجدے میں اپنی جبینیں جھکا دیں

معصومین علیہم الصلوات والسلام فرماتے ہیں ہماری جدۂ طاہرہ صلوات اللہ علیہا کا نام پاک (زہرہ) صلوات اللہ علیہا عالم ملکوت میں اسی دن مشہور ہوا تھا جس کے معنی ہیں تاریکیوں کو جگمگا دینے والی ذات ...... پورا عالم ملکوت (عالم ملک) اس ذات مجوب عن الکائنات صلوات اللہ علیہا کو اسی دن سے پہچانتا ہے اور انہوں نے انہیں اللہ کے نورِ ذات کے حوالے سے پہچانا تھا اسی لئے حدیث کسا میں تعارف کا سلسلہ انہی کی پاک ذات علیہ الصلوات والسلام سے شروع فرمایا گیا تھا کیونکہ تعارف ہمیشہ معروف سے مجہول کی طرف منتقل ہوتا ہے اسی لئے ملکوت کو جب اللہ نے تعارف کروایا تو مرکز اس ذات اِلٰہی صفات کو قرار دیا کہ جنہیں وہ اپنی تخلیق کے لمحہ اوّل سے پہچانتے تھے

اس موضوع پر احادیث کی ایک طویل فہرست پیش کی جا سکتی ہے کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرش وکرسی، لوح وقلم، ملکوت وکروبیاں، ارواح انبیا علیہم السلام اور ارض وسما کی تخلیق وتکوین ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے انوار سے ہوئی ہے اب اگر یہ فرمائیں

☆منا رب العرش و الکرسی و منا رب اللوح و القلم و منا رب الانبیا ومنا رب الملائکۃ و الروح و الحور العین و منا رب السماء و الارض و منا رب الجن والانس و منا رب الحجابات و الصرادقات ......الخ

ہم ہی رب العرش العظیم ہیں تو انکار کیسا؟

یہ فرما دیں کہ کرسی ولوح وقلم کے رب ہم ہیں تو شک کیسا؟

یہ فرما دیں ملکوت وحوران وغلمان وکوثر وہفت جنات کے رب ہم ہیں تو چون و چرا کیوں؟

یہ فرما دیں کہ ارض وسما، جن وانسان کے رب ہم ہیں تو تکرار کیوں؟

یہ فرما دیں کہ انبیا و رسل علیہم الصلوات والسلام کے رب بھی ہم ہیں تو شک و ریب وانکار یا تردید کس لئے؟

سچ ہی تو ہے کہ انہی کے انوار سے جب یہ ساری چیزیں خلق ہوئی ہیں تو ان کی مربی بھی یہی ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام نہیں ہوں گی تو اور کون ہوگا؟

دعا ہے کہ اب ہمارے امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف تمام کائنات کے ظاہراًرب بن کر جلد ظاہر ہوں اور یہ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمؑ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

مقامِ اوّلیت

☆اوّل ما خلق اللہ نوری

خطبہ دوم

اے شناسان دشت عرفان!

ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ جب کچھ بھی نہ تھا وہ ایک تھا جو ایسا ایک تھا کہ اس پر اکائی کا بھی پوری طرح اطلاق نہ ہوتا تھا کیونکہ اکائی یا تو ایک ہوتی ہے یا صفر ہوتی ہے اگر ایک مانیں تو مرکب بالا جزا ماننا پڑے گا اور اگر صفر مانیں گے تو وہ لا شئے ہو جائے گا مگر حقیقت یہ ہے کہ ''وہ'' تھا

اس کے بعد وہ تنہا نہ تھا اس کی خلوتوں کو گرمانے کیلئے یہ انوار ما قبل عالم الامکان ظاہر ہوئے، مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ کتنا عرصہ وہ اللہ جل جلالہ تنہا رہا وہ فرد رہا وہ کئی لاکھوں امری سال تک رہا یا اپنے روز اوّل کے لمحۂ اوّلین کے لاکھویں حصے تک تنہا تھا پھر اس کے اپنے وجدان کی صورت میں یہ انوار متعالیہ ظاہر ہو گئے

جیسا کہ احادیث میں ہے کہ ان کا اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا رشتہ شمس و شعاعِ شمس جیسا ہے یعنی سورج جونہی نکلتا ہے کرنیں اس سے پھوٹ نکلتی ہیں سورج کو کچھ کہنا نہیں پڑتا

www.khrooj.com

بہر حال جو بھی تھا میں نہیں جانتا ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ایک وقت ایسا تھا کہ جب وہ تنہا تھا اور اس کے بعد ان انوار نے اس کی بزم ذات سجائی اور اسے صدر نشین مجلس بنا دیا میں یہ بھی اپنی طرف سے نہیں جانتا بلکہ انہی انوار نے اسی طرح فرمایا ہے اسی لئے میں انہی کے حوالے سے جانتا ہوں

عوالم خمسہ

دوستو! ان پاک انوار الٰہیہ کو جب خالق نے خود سے جدا فرمایا تو پھر انہی کے توسط سے چار عوالم تکوین فرمائے

اب یہاں ایک لفظ بار بار آ رہا ہے وہ ہے ''تکوین'' یہ لفظ بھی وضاحت طلب ہے دیکھئے اللہ کے خلق کرنے کے جو طریقے ہیں وہ بنیادی طور پر دو قسم کے مانے جاتے ہیں

1...... تخلیق

2...... تکوین

تخلیق کا عمل وہ ہے جو بتدریج ہوتا ہے جیسے اللہ نے تخلیق ارض وسما کے ضمن میں فرمایا ہے

☆هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِیْ سِتَّةِ أَيَّامٍ

یعنی تخلیق ارض وسما میں اس نے چھ دن لگائے لیکن تکوین سے جو شئے پیدا کی جاتی ہے اس میں ایک لفظ ''کن'' سے ''فیکون'' ہو جاتا ہے اس میں بالکل وقت نہیں لگتا، بس اسی طرح سے اللہ نے اپنے مظاہر ذات کے وسیلے سے ''کن'' کہلوانا شروع کر

www.khrooj.com

دیا اور اس سے چار عوالم خلق فرمائے اور ایک عالم پہلے سے موجود تھا جس میں اللہ کی ذات فردانیت واحدیت و وحدانیت کی قبا میں ملبوس پہلے سے موجود تھی اس طرح کل عوالم پانچ ہو گئے

اگر ہم پستی سے بلندی کی طرف گننا شروع کریں تو ان کی ترتیب یہ ہے

1...... عالم ناسوت...... 2...... عالم ملک...... 3...... عالم ملکوت

4...... عالم جبروت...... 5...... عالم لاہوت

صاحبانِ تصوف ایک اور عالم لکھتے جسے وہ ہاہوت کا نام دیتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ کمال لاہوت کا نام ہاہوت رکھا گیا ہوگا کیونکہ کمال لاہوت میں ذات اِلٰہی مجرد عن ذات وصفات ہو جاتی ہے، انہیں امہات المراتب بھی کہا جاتا ہے

ان عوالم کے مابین جو جگہ ہے اس میں مقاماتِ حجاب ہوتے ہیں ایسے ہی ایک عالم سے دوسرے عالم تک کئی حجابات ہوتے ہیں

عالم ناسوت

اگر ہم نیچے سے اوپر کی طرف سفر شروع کریں تو سب سے پہلا عالم یہی ہمارا مادّی عالم آتا ہے اور اسی سے بلندی کی طرف آغاز ہوتا ہے اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو بلا کسی تصرف کے دیکھی جاسکتی ہے اس میں موالید اربعہ وغیرہ شامل ہوتے ہیں

عالم ملک

اس میں فرشتوں کی دنیا آباد ہے سارے فرشتے اسی عالم سے تعلق رکھتے ہیں، اس عالم میں داخل ہونے سے عبور کرنے تک کئی حجابات ہیں، کئی صرادقات ہیں، پاک

انوار معصومین علیہم الصلوات والسلام نے بہت سی احادیث وخطبات میں اس کی وضاحت فرمائی ہے

اس موضوع پر بہت سی روایات ہیں میں ان کا خلاصہ پیش کرتا ہوں

جب خالق نے پاک انوار اِلٰہیہ ذاتیہ کو وسیلۂ تکوین قرار دیا تو ان سے پہلے عالم جبروت صادر ہوا......اس کے بعد عالم ملکوت صادر ہوا...... پھر عالم ملک صادر ہوا عالم ملک کے نقطۂ آغاز سے نقطۂ انتہا تک کا جو فاصلہ تھا اس میں اللہ جل جلالہ نے بارہ 12 حجابات کی تکوین فرمائی جن کے نام پاک ذوات متعالیہ نے یہ فرمائے

1......حجاب قدرت...... 2......حجاب عظمت...... 3......حجاب منت

4......حجاب رحمت...... 5......حجاب سعادت...... 6......حجاب کرامت

7......حجاب منزلت...... 8......حجاب ہدایت...... 9......حجاب نبوّت

10......حجاب رفعت...... 11......حجاب ہیبت...... 12......حجاب شفاعت

احادیث میں آیا ہے کہ ان میں سے سات حجابات انتہائی دبیز ہیں ان میں سے ہر حجاب بذات خود ستر ہزار حجابات کا مجموعہ ہے اور ہر حجاب میں ستر ہزار ملکوت کو تکوین کر کے قیام بخشا گیا ان ستر ہزار فرشتوں میں سے ہر فرشتے کی قوت ثقلین کی قوت کے برابر ہے

ان دبیز حجابات کو سمجھانے کیلئے سات نام بیان فرمائے گئے ہیں جو ان کی شباہت کی مناسبت سے ہی ہیں

1......حجابِ نور

2......حجابِ ظلمت

www.khrooj.com

3......حجابِ نار

4......حجابِ دخان

5......حجابِ ابر

6......حجابِ برق ورعد

7......حجابِ جبلی

یعنی ایک نور کی طرح کا حجاب ہے، ایک ظلمت جیسا حجاب ہے، ایک بھڑکتی آگ جیسا حجاب ہے، ایک دھوئیں جیسا حجاب ہے، ایک بادلوں جیسا حجاب ہے، ایک بجلی کی چمک اور گرج جیسا حجاب ہے، جس میں بجلی کی چمک بھی ہے اور گرج بھی ہے، ایک پہاڑوں جیسا حجاب ہے...... ان کے گرد ''الما'' کی نہریں جاری ہیں اور ان حجابات میں سے ایک حجاب سے دوسرے حجاب تک کا فاصلہ ستر ہزار سال کا ہے

''الما'' کے بارے میں عرض کردوں کہ یہ حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اظہار فی العالم ملک ہے اور جب عرش ثانی کی تخلیق ہوئی تھی تو اسے اسی دریائے نور محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قائم کیا گیا تھا اور☆ و خلق من الماء بشراً یعنی دریائے نور کا ذکر ہے

اور اسی چشمۂ الما کے بارے میں عرفا کا بیان کہ جب عاشقانِ ذات دیدار حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیاسے ہوتے ہیں تو خالق ان کی اسی چشمے سے پیاس بجھاتا ہے

سرادقات

جب ان آٹھ لاکھ چالیس ہزار حجابات کو عبور کرلیا جائے تو اس کے بعد ساٹھ سرادقات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے...... سرادق اس شامیانے کو کہتے ہیں جس کے

آگے پردہ آویزاں ہو اس طرح بعض اوقات خیمے یا کمرے کے دروازے کے گرے ہوئے پردے کو بھی سرادق کہہ دیتے ہیں

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ان حجابات کے بعد سرادقات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ان کی ترتیب یہ ہے

1 ...... پہلے ساٹھ سرادقاتِ جلال آتے ہیں

2 ...... پھر ساٹھ سرادقاتِ عزت آتے ہیں

3 ...... پھر ساٹھ سرادقاتِ فخر آتے ہیں

4 ...... پھر ساٹھ سرادقاتِ کبریا آتے ہیں

5 ...... پھر ساٹھ سرادقاتِ قدس آتے ہیں

6 ...... پھر ساٹھ سرادقاتِ جبروت آتے ہیں

7 ...... پھر ساٹھ سرادقاتِ نورالابیض آتے ہیں

8 ...... پھر ساٹھ سرادقاتِ وحدانیت آتے ہیں

جب ان چارسواسی 480 سرادقات بہ روایت دیگر صرف آٹھ سرادقات کو عبور کر لیا جاتا ہے تو پھر اگلا عالم شروع ہوتا ہے

عالم ملکوت

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عالم ملکوت ہی فرشتوں کا عالم ہے کیونکہ اس کے نام سے یہی اشتباہ ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں ملکوت سے مراد فرشتے نہیں ہیں بلکہ وہ ملکات اور قوتیں ہیں کہ جو اللہ کی فعالیت کی مظہر ہیں بہ الفاظ دیگر یہ اللہ کی

انتظامیہ مشینری ہے

ملکات وہ قوتیں ہوتی ہیں جو انسان کے اندر مخفی ہوتی ہیں اور موقعہ و محل کے وقت اظہار پذیر ہوتی ہیں جیسے انسان میں ملکۂ شجاعت ہوتا ہے جو عام طور پر ظاہر نہیں ہوتا مگر جس وقت اس کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے اس کا اظہار ہو جاتا ہے اسی طرح ملکۂ سخاوت ہوتا ہے جب تک کوئی سوال نہ کرے اس کا اظہار نہیں ہوتا جیسے ہی کوئی سوال کرتا ہے اگر انسان کے اندر سخاوت کا ملکہ ہوتا ہے تو فوراً اظہار ہو جاتا ہے بلا تشبیہ اسی طرح اللہ کی رزاقیت کا ملکہ اس کے خزانۂ ملکوت میں مخفی ہوتا ہے جب سوالِ رزق ہوتا ہے تو اس کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ وہ رازق تو ازل سے تھا مگر کوئی مرزوق موجود نہ تھا اس لئے اس کی رزاقیت مخفی رہی جب مرزوق پیدا ہوئے تو اس کا اظہار ہوا بس اسی طرح اس کے ملکات عالم ملکوت میں مذخور رہے تا اینکہ انہیں اظہار کا موقعہ ملا تو ظاہر ہو گئے

یہی عالم تھا جو جناب ابراہیم علیہ السلام کو دکھایا گیا تھا جس کا ذکر کلام اِلٰہی میں ہے، اسی عالم ملکوت کی انتہائی بلندی پر مرتبۂ اسماء اللہ آ جاتا ہے اس میں جملہ اسمائے اِلٰہی کا راج ہوتا ہے اور مرتبۂ اسمائے حسنٰی کے بلند ترین مقام پر امہات الاسماء واقع ہیں جو چار ہیں یعنی اوّل و آخر و ظاہر و باطن ہیں اور ان کے بعد اگلا عالم آتا ہے

عالم جبروت

دوستو عالم جبروت ایک اونچا مقام و عالم ہے اس کے بارے میں عرفا نے لکھا ہے

☆الجبروت ھی عبارۃ عن ذات القدیمیۃ

عالم جبروت ذات قدیمیہ سے عبارت ہے جب کوئی سیر اِلٰہی کا راہی اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس مقام پر وہ بدست جبار ہوتا ہے، ''جبر'' کے معنی بھی یہی ہیں کہ کسی چیز کو اس کی مرضی کے خلاف اچھائی میں بدلنا، اسی لئے انسان جب تزکیات نفس کے بعد عالم جبروت میں وارد ہوتا ہے تو اپنا اختیار رکھو دیتا ہے

عالم ملکوت اور عالم جبروت میں یہی فرق ہوتا ہے کہ جب تک کوئی فرد عالم ملکوت میں رہتا ہے تو اس کی عبادات اختیاری ہوتی ہیں اس میں انسان کو اپنا اختیار حاصل ہوتا ہے مگر عالم جبروت ایک گونا مقام قُرب ہے وہاں عبادت میں ذاتی اختیار نہیں رہتا ہے بلکہ جو جبار چاہتا ہے وہی ہوتا چلا جاتا ہے اور یہاں انسان ☆مَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ کا مصداق بن جاتا ہے

عالم ملک میں فرشتے آ جاتے ہیں اور عالم ملکوت میں اللہ کی فعال قوتیں جو ملکوت اِلٰہی کہلاتی ہیں وہ آتی ہیں لیکن یہ نہ سمجھیں کہ یہاں فرشتے نہیں ہوتے

حقیقت یہ ہے کہ اس میں فرشتے بھی آتے ہیں مگر عالم جبروت میں کروبین اور ملکوت مقربین کے علاوہ کوئی فرشتہ داخل نہیں ہوسکتا

عالم ملکوت اور عالم جبروت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ عالم جبروت صفات اِلٰہیہ سے عبارت ہے یعنی اللہ کا ''مقام صفات'' ہے یا یوں سمجھیں کہ یہ اللہ جل جلالہ کا ''عالم صفات'' ہے اور عالم ملکوت اللہ کا ''عالم اسماء'' ہے وہاں اسماء حسنٰی کی حکومت ہے اور عالم جبروت میں اللہ کی صفات کا راج ہوتا ہے عالم جبروت بلندیوں پر امہات الصفات واقع ہوتے ہیں جنہیں صفات ثبوتیہ بھی کہتے ہیں اور ان کی بلندی پر ام الاسماء الحسنٰی یعنی اسم اعظم کا مرتبہ آ جاتا ہے اور اس کے بعد اگلا عالم شروع ہوتا ہے

عالم لاہوت

دوستو! آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ لفظ ''لاہوت'' کچھ الفاظ کا مخفف یا ابریویشن(Abbreviation) ہے یعنی یہ''لا ھو الا ھو '' کا مخفف ہے، یہ الفاظ دیگر ہویت ذات لاہوت ہے

کیونکہ ''لا'' سے لاتجلی الصفات ہے''ھو''اسم ذات ہے''تا'' مگر تجلی ذات، کیلئے ہے

عالم جبروت اور عالم لاہوت کے مابین یہ فرق ہوتا ہے کہ عالم جبروت اللہ کی صفات کا عالم ہوتا ہے جبکہ عالم لاہوت اللہ کا''عالم ذات'' ہوتا ہے وہاں صفات کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے

اصطلاح سالکین میں عالم جبروت مرتبۂ وحدت ہی ہے جو دراصل حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کا تعلق صفات اِلٰہیہ سے ہے اسی لئے اسے مرتبۂ صفات اللہ بھی کہتے ہیں اور مرتبۂ اسماء اللہ کو عالم ملکوت کہتے ہیں

عرفا نے سالکین کی اس بات سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ مقام جبروت مقام قطب الزمان ہے یا مقام قطب عالم ہے جو عرش عظیم سے تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عالم جبروت عالم تصرف ہے یعنی معجزات وکرامات اور خرقِ عادت کا مظاہرہ اسی مقام پر بیٹھ کر کیا جاسکتا ہے اور جب بھی کوئی نبی معجزہ دکھاتا ہے وہ اسی مقام پر پہنچ کر دکھاتا ہے اگر وہ اس مقام سے نیچے واقع ہو تو اسے اوپر اسی مقام پر آکر خرق عادت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے اور اگر کوئی ذات اس مقام سے اوپر

ہوتو اسے نیچے اتر کر اس مقام پر آنا پڑتا ہے اور یہاں بیٹھ کر وہ نظام قدرت کو بدل سکتی ہے کیونکہ یہی مقام تصرف ہے اسی لئے اسے مقام جبر و کسر بھی کہتے ہیں

عرفا کا کہنا ہے کہ ہر نبی یا ہر ولی عالم جبروت سے آگے نہیں جا سکتا کیونکہ عالم لاہوت مقام فردانیت ہے وہاں اللہ کی یکتائی کا راج ہے وہاں اس کا داخلہ ہوسکتا ہے جو اس کی یکتائی کا جز و لاینفک ہو عالم جبروت کی انتہا پر امہات الصفات کا مرتبہ آتا ہے یہ وہ صفات ہیں جنہیں صفات ثبوتیہ بھی کہا جاتا ہے اور اس مرتبہ کا حاکم ام الاسماالحسنٰی یعنی حضر اسم اعظم ہے

جو ذوات مقام جبروت سے ماورٰی ہوتی ہیں وہ اپنے لئے مقام جبروت کو تنزل تصور کرتے ہیں اور وہ خود کو مقام جبروت کے ''تصرف'' کی ذلّت میں نہیں گرنے دیتیں اور وہ اپنے طور پر تصرف نہیں کرتیں

تصرف

تصرف یہ ہوتا ہے کہ یہ نظام عالم تقدرات اِلٰہی کے ماتحت چلتا ہے جب اس ''رضائے اِلٰہیہ پر چلنے والے نظام میں مداخلت کر کے یا اسے معطل کر کے حسب منشا چلایا جائے''

انبیاعلیہم السلام میں سے جو عالم لاہوت تک رسائی پیدا کر لیتے ہیں وہ بھی ذلّت جبروتی میں گرنا پسند نہیں کرتے اور پاک انوار اِلٰہی علیہم الصلوات والسلام تو ویسے بھی عالم لاہوت کے بلند ترین مقام پر جلوہ آرا ہوتے ہیں اس لئے وہ عالم جبروت کے مقام تصرف کو اپنے لئے ذلّت سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے عمداً کبھی کوئی معجزہ نہیں دکھایا کیونکہ وہ

اسے اپنے لئے کسر شان سمجھتے تھے ان سے جو خوارق و معجزات صادر ہوئے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم تو ان معجزات و خوارق کی ہے جو ان سے صادر تو ہوئے مگر وہ ان کے ارادی نہ تھے بلکہ غیر ارادی طور اس طرح صادر ہوئے کہ کسی مقام و محل پر آپ نے ایسا کلام فرمایا جس سے ان کے ارادے کے لاکھویں حصے کا شمہ ملتا تھا مگر ارادہ نہ تھا پھر بھی عالم جبروت نے اپنے اوپر ان کے تصرف کو لاگو کرلیا

اس کی وضاحت کیلئے آپ کے سامنے چند مثالیں پیش کرتا ہوں

ایک مرتبہ امام صادق علیہ الصلوات والسلام سے ایک شخص نے عرض کیا کہ آقا مومن کا اللہ پر کیا حق ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا مومن کا اللہ پر یہ حق ہے کہ اگر مومن اس سامنے والی دیوار سے کہہ دے کہ سونے کی ہو جا تو وہ سونے کی ہو جائے

اس شخص نے دیکھا تو دیوار سونے کی ہو چکی تھی امام علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا اے دیوار ہم نے تمہیں حکم تو نہیں دیا بلکہ یہ ایک بات کی وضاحت کیلئے فرمایا ہے تو اسی وقت دیوار سے آواز آئی آقا جب ایک مومن کے حکم سے میں سونے کی ہو سکتی ہوں تو کیا آپ کو بھی حکم دینا پڑے گا؟ اس طرح آپ میں اور آپ کے ایک مومن میں کیا فرق رہے گا؟

اسی طرح ایک موقعہ پر ایک درخت کی طرف اشارہ کیا کہ اگر ہم اس درخت کو حکم دیں کہ ''تو ہمارے پاس چل کر آ جا'' تو درخت ہماری طرف چلنا شروع کر دے گا۔ راوی نے دیکھا تو وہ سامنے والا درخت زمین کو چیرتا ہوا امام علیہ الصلوات والسلام کی طرف بڑھ رہا تھا اس وقت آپ نے فرمایا ہم نے حکم تو نہیں دیا کہ تم نے چلنا شروع کر دیا ہے بلکہ یہ ایک مثال کے طور پر فرمایا تھا تم واپس چلے جاؤ

اس طرح ایک اور موقع پر ایک پہاڑ کے بارے میں فرمایا کہ اگر ہم حکم دیں تو یہ پہاڑ ہماری طرف چل پڑے گا۔ راوی نے دیکھا کہ اس پہاڑ نے چلنا شروع کر دیا ایسے لاتعداد واقعات ہیں کہ آپ نے مثال دینے کیلئے کچھ ارشاد فرمایا جس میں مقصود یہ نہ تھا کہ وہ کام ہو مگر وہ کام ہو گیا

ایسے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے زیادہ تر معجزے اسی قسم کے تھے جس میں یہ ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام خود تصرف کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتی تھیں کیونکہ تصرف کا تعلق عالم جبروت سے ہے اور عالم جبروت کی ذلّت میں تنزل فرمانا ان کے شایانِ شان نہ تھا

سورج کے بارے میں ارشاد ہے کہ اس کا طلوع وغروب اللہ کی تقدیر ہے مگر آپ نے سورج کو حکم نہیں دیا تھا کہ واپس آ جاؤ بلکہ آپ نے نماز کی تکبیر کی تو سورج نے یہ محسوس کیا کہ آپ اوّل وقت میں نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس نے تقدیر کی ساری زنجیریں توڑ دیں اور مقام عصر پر آ گیا

ان کے غلاموں کے بارے میں موجود ہے کہ انہوں نے اپنے حکم سے سورج پر تصرف کیا ہے، اور اللہ کی تقدیر کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس میں تصرف فرمایا جیسے جناب یوشع بن نون نے سورج کو حکم سے پلٹایا تھا جناب بلال سلام اللہ علیہ نے رات کو روک لیا، اسی طرح ابو منصور مظفر شاعر نے شام میں سورج کو حکماً روک لیا تھا کہ جب تک میں اپنے آقا کا قصیدہ پڑھتا رہوں تو نے نہیں ڈوبنا اور سورج نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور جب انہوں نے قصیدہ ختم کیا تو ایک دم سورج غروب ہو گیا اور تارے نکل آئے اور لوگوں نے دیکھا کہ ابھی ایک پہر دن کا باقی تھا کہ انہوں نے

www.khrooj.com

منبر چھوڑا۔ منبر سے اترے تو عشاء کا وقت بھی گزرا ہوا پایا

عالم جبروت تو ان کے غلاموں کا مقام ہے جہاں بیٹھ کر وہ تصرف کر سکتے ہیں ورنہ ان کیلئے تو عالم جبروت ایک ذلّت سے کم نہیں ہے

ان پاک ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام کے بعض خوارق و معجزات ان لوگوں کو معجزہ نظر آئے جو انہیں عام بشر سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ ان کے افعال عادی تھے

اس بات کو آپ اس طرح سمجھیں کہ آپ کسی پرندے کو اڑتا ہوا دیکھ کر تعجب نہیں کرتے آخر کیوں؟ اسی طرح ایک مچھلی کو زیرآب رہتے بستے دیکھ کر یہ نہیں سوچتے کہ اس نے آکسیجن (Oxygen) کے سلنڈر (Cylinder) اور ماسک (Mask) کے بغیر یہاں جینا کیسے سیکھ لیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خوارق اور معجزہ وہ ہوتا ہے جو اس کی نوع کے عادی افعال اور اس کے خاصہ ہائے نوعی سے مختلف فعل ہو

جیسے ایک پرندے کا اڑنا عادی فعل ہے اس کی نوع کا ایک خاصہ ہے اسے آپ معجزہ نہیں کہیں گے اگر انسان کسی وسیلے کے بغیر اڑنا شروع کر دے تو وہ اس کیلئے خرقِ عادت (معجزہ یا کرامات) کہلائے گا

مچھلی سمندر میں ساری عمر گزار دے تو یہ اس کیلئے خرق عادت نہیں ہے لیکن انسان آکسیجن کے سلنڈر کے بغیر ایک دن بھی زیرآب گزار لے تو یہ اس کیلئے خرق عادت ہوگا کیونکہ اس کی باقی ساری نوع اس طرح نہیں کر سکتی

اسی طرح معصومین علیہم الصلوات والسلام کے بعض معجزات دنیا کو معجزات لگے حالانکہ وہ ان کے ذاتی خاصوں کا حصہ تھے عرش پر جانا یہ ان لوگوں کیلئے معجزہ قرار پائے گا جو انہیں نوع بشر کا فرد سمجھیں گے کیونکہ ساری نوع بشر ایسا نہیں کر سکتی مگر ان کیلئے یہ بات ایسے ہے

www.khrooj.com

جیسے پرندے کا اڑنا، مچھلی کا پانی میں زندہ رہنا، ان کا آسمان پر جانا معجزہ نہیں ہے
دیکھئے ملکوت کے آسمان پر جانے پر کوئی تعجب نہیں کرتا کیونکہ آسمان پر جانا ان کا خاصہ ہے اسی طرح ان کے خاصوں کو سامنے رکھ کر ان کیلئے معجزے کا تصور متعین کیا جائے گا

اس طرح ان کا وہ فعل معجزہ قرار پائے گا جو ان کی اپنی نوعی صفات کی شریک ذوات علیہم الصلوات والسلام میں نہ پایا جائے نہ کہ نوع انسان میں نہ پایا جائے

تعیناتِ کفر

ایک بات اور بھی عرض کرتا چلوں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہ لکھنے بولنے کی وجہ صوفیاء کرام نے یہ لکھی ہے کہ انہوں نے کبھی بھی ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں بھی کفر نہیں کیا اس لئے ان کے نام پاک کے ساتھ کرم اللہ وجہ لکھا جاتا ہے اور باقی اصحاب کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور انبیاء کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھا جاتا ہے، کئی لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے اسی لئے اسے شایانِ شان نہیں سمجھتے۔
حقیقت یہ ہے کہ اس کفر سے وہ کفر مراد نہیں ہے جو عالم انسان کیلئے کفر کہلاتا ہے بلکہ یہ ایک اور کفر ہے

دیکھئے تصوف کا یہ مسلّمہ ہے کہ جیسے ہی ایک عارف ترقی کر کے عالم ملک تک رسوخ پیدا کر لیتا ہے اس کیلئے عباداتِ عالم ناسوت ایک کفر بن جاتی ہیں
پھر جب وہ اس سے ترقی کرتا ہے اور عالم ملکوت میں داخل ہوتا ہے تو اس کیلئے عالم ملک کی عبادات کفر کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں

اسی طرح جب عارف عالم جبروت میں وارد ہوتا ہے تو اس کیلئے عالم ملکوت کی عبادات کفر کرنے کے مترادف ہوتی ہیں

اسی طرح جب کوئی وہاں سے عالم لاہوت میں ترقی کر جاتا ہے تو اس کیلئے عالم جبروت کے اعمال وعبادات کفر کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں

ایک حدیث کے حوالے سے مزید وضاحت کرتا ہوں اس میں فرمایا

☆''حسنات الابرار سیئات المقربین''

یعنی جو نیک لوگوں کی نیکیاں ہیں وہ صاحبان مقامِ قُرب کیلئے برائیوں کے مترادف ہیں

جیسے جیسے ترقی ہوتی ہے قُرب حاصل ہوتا ہے نیکی کا تصور بدلتا جاتا ہے اور عبادت کی تعریف میں تبدیلی واقع ہوتی جاتی ہے اس طرح ہر عالم پائین (پست) کی نیکیاں عالم بالا کیلئے برائیوں کی حیثیت اختیار کرتی جاتی ہیں اس لئے عالم بالا والوں کو اپنے پست عالم میں کفر ہی کفر نظر آتا ہے

اب اس مسئلے کو سمجھیں کہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو کرم اللہ وجہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک لمحے کیلئے بھی عالم جبروت وملکوت وعالم ملک تو کجا عالم لاہوت کے اعمال کا ارتکاب بھی نہیں کیا ہے اس لئے کہ ان عوالم کی عبادات ان کیلئے کفر کا درجہ رکھتی تھیں اور انہوں نے ایک لمحے کیلئے بھی اس قسم کا کفر نہیں کیا

کیونکہ عالم لاہوت میں جبر وکسر نہیں ہوتے وہاں فردانیت ہوتی ہے اور عالم لاہوت کا جو بلندترین مقام ہے وہ مقام ذاتیت ہے جہاں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام جلوہ آرا تھے یہ وہی مقام ہے کہ جس کے بارے میں انہوں نے خود فرمایا تھا۔

www.khrooj.com

لو کشف الغطا

اب ہم اس مقام پر ہیں کہ اگر ذاتیت ذات کے جملہ حجابات ہٹا بھی لئے جائیں تو ہمارے لئے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے کیونکہ اب کوئی حجاب باقی ہی نہیں ہے

یہ مقام ''نحن ھو'' کا ہے اور اسی مقام کو مقام محمود بھی کہا جاتا ہے اور یہ وہی مقام ہے جہاں اس نور نے انانیت اِلٰہی سے جدا ہونے کے بعد پہلا مقام پایا تھا اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کی حمد کی تھی اور اسی حمد کی وجہ سے یہ مقام محمود کہلایا اور اس مقام پر موجود ہونے کی وجہ سے عالم لاہوت کے افعال واعمال وعبادات ان کیلئے ایک کفر سے کم نہ تھے

عرفائے اِلٰہی کا یہ مسلّمہ ہے کہ جو انبیا و اولیا معجزات میں مشغول رہتے ہیں وہ عالم جبروت تک محدود ہوکر رہ جاتے ہیں اور وہ عالم لاہوت تک رسوخ پیدا نہیں کر سکتے ان کے اور عالم لاہوت کے مابین ان کا تصرف ایک پردہ بن جاتا ہے اور وہ اسی پستی میں پڑے رہتے ہیں لیکن جو اولیا و انبیا و رسل عالم لاہوت میں مقیم ہوتے ہیں وہ اس پستی میں اترنا نہیں چاہتے کیونکہ انہیں عالم جبروت میں کفر ہی کفر نظر آتا ہے

عرفانیات کے طلباء جانتے ہیں کہ کتب عرفان میں یہ بحث آتی ہے کہ کیا اللہ کا جمال افضل ہے یا جلال؟

اس پر دونوں طرح کی آراء موجود ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کا جمال جلال سے افضل ہے کیونکہ جو صاحبانِ قُرب مقام جلال پر فائز ہوتے ہیں وہ بار بار تصرف کرتے ہیں جبکہ جو صاحبانِ قُرب مقامِ جمال پر فائز ہوتے ہیں وہ تصرف کی ذلّت

میں نہیں گرتے کیونکہ وہ مالک حقیقی کی مرضیوں میں مداخلت کو کفر سمجھتے ہیں اور تسلیم و رضا کی آخری منزل پر جلوہ آرا ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جملہ معصومین علیہم الصلوات والسلام ہر دکھ اور مصائب پر فرماتے تھے............☆رضاً بقضائه و تسلیم لامره

یعنی وہ دشمن کے خلاف بھی کوئی تصرف کرنا خلاف رضائے اِلٰہی سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے اللہ کے انوار خالص علیہم الصلوات والسلام معجزات دکھانا پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ وہ عالم جبروت کی ذلّت میں گرنا پسند نہیں فرماتے تھے

عالم لاہوت کے بلند ترین مقام کو عالم ہاہوت کہا جاتا ہے یہ وہ مقام ہے کہ جہاں انانیت اِلٰہی کے بدن پر قبائے ذات بھی نہیں ہوتی وہ ایک مجرد انا کی صورت میں موجود ہوتا ہے اور یہی کمال تنزیہ ہے اسی اعلیٰ ترین مقام پر کہا جاتا ہے

لا اسم له و لا جسم له ولا صفات له ولا ذات له

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهٗ الشريف
وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلٰی آلہٖ اَجمَعِين

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

اوّلیت

☆وَ تَقَلُّبَكَ فِیْ السّٰاجِدِیْنَ ......(سورہ شعرا219)

www.khrooj.com

خطبہ سوم

اے شناسان طریق معرفت!

اوّلیت نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آج ہماری تیسری نشست ہے اور آج کی اس نشست میں ہم ایک اہم موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں لیکن ایک بات پہلے عرض کرنا مناسب ہو گا کہ آج تک جتنے مقررین ہیں وہ اپنا موضوع گفتگو سب سے پہلے بیان فرما دیتے ہیں مگر میں ان کے بالکل برعکس آپ کو سب سے آخر میں بتاؤں گا کہ میرا موضوع گفتگو کیا ہے

اب گذشتہ سے پیوستہ کرنے کیلئے ہمیں پھر اس بات کا اعادہ کرنا لازم ہے کہ امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام نے متعدد خطبات میں فرمایا اور دیگر معصومین علیہم الصلوات والسلام نے بھی اس پر بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے ان سب ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ فرمایا اللہ نے ہمارے نور کو اپنے نور سے اس طرح جدا فرمایا جیسے مؤثر سے اثر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد ہمارے نور نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نور ذات کا طواف کرنا شروع کر

دیا اس طرح نورِ اوّل جو اس وقت جامع انوارِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا، نے اپنا دائرۂ قوسین مکمل کر کے اسی 80 ہزار امری سال کے بعد پھر واپس کمالِ قُربِ ذات میں پہنچا جہاں وہ اللہ مجرد عن صفات و ذات کی صورت میں موجود تھا گویا وہ ایک انائے مجرد تھا

اس مقام ہی سے آپ کا سفر شروع ہوا کیونکہ یہی وہ نقطۂ آغاز ہے جب اللہ نے انہیں نورِ ذات سے اختراع فرمایا تھا اور انہیں اپنی حمد سے سرفراز فرمایا تھا اور اس حمد کے بعد انہیں پاک نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرمایا تھا اور اس خلوت گاہِ ذات کو ''مقامِ محمود'' کا نام دیا تھا کہ جس کے بارے میں کلام مقدّس میں ہے

☆عَسَى أَن يَبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحۡمُوداً

یعنی اسی مقام کا اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں پھر آپ کو یہاں لاؤں گا کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مقامِ قُرب ہے ہی نہیں اس لئے اسے اُمّ المراتب الاعظمٰی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ سب سے اوّل نورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صُلبِ ذات سے نکل کر اسی مقامِ محمود کے بطن میں منتقل ہوا تھا اور اس کے بعد اسی کی صُلب سے یہ نورِ اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمھات المراتب کے ارحام و ابطان میں منتقل ہوا

نورِ اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المراتب العظمٰی کی صُلب سے ام المرتبۂ یعنی عالم لاہوت کے بطن میں جلوہ آرا ہوا، اس لئے ام المراتب العظمٰی کے مقابلے میں عالم لاہوت مقام بطن و رحم کی حیثیت رکھتا ہے

یہ ایک کلیہ ہے کہ ہر عالم بالا کے سامنے عالم پائین یعنی عالم پست بطن و رحم کی حیثیت رکھتا ہے اور عالم بالا عالم پائین کے مقابلے میں صُلب کی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح

ہر حجاب بالا حجاب پست کے مقابلے میں مقام صُلب کا حامل ہوتا ہے اور حجاب پائین (پست) حجاب بالا کے مقابلے میں مقام بطن کا حامل ہوتا ہے

ان امہات و آبا کے اصلاب و ارحام میں منقلب حقیقت یعنی نور اوّل حقیقت نازلہ کا نام پاتی ہے

سفرِ قوسِ نزولی و ہبوطی

() عالم ذاتیہ

جب اللہ جل جلالہ نے مناسب سمجھا کہ انہیں اذن ہبوط و نزول بخشا جائے تو اس نے اپنی صُلب انانیت سے انہیں بطن عالم لاہوت میں منتقل ہونے کیلیئے تیار کیا انہیں لاہوتی لباس سے ملبّس کیا گیا اور جب اس نور اوّل نے جامۂ لاہوتی زیب تن فرما لیا تو اسے بطن عالم ذاتیہ میں منتقل فرمایا، جونہی اس نور اوّل نے بطن عالم ذاتیۂ اِلٰہیہ میں نزول فرمایا اس عالم نے انہیں قبلہ عالم بنا کر ان کا سجدۂ شکر کیا کہ یہ اعزاز اسے بخشا گیا ہے

() مقام محمود

اس کے بعد انہیں صُلب ذاتیۂ اِلٰہیہ سے بطن مقام محمود کیلیئے تیار کیا گیا مگر پہلے انہیں لباس حمد سے ملبّس فرما کر احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنایا گیا، اس کے بعد انہیں بطن مقام محمود یہ میں ہبوط کا اذن بخشا گیا، جونہی اس نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام محمود کو اعزاز بخشا اس نے بھی انہیں اپنا قبلہ قرار دے کر سجدۂ شکر کیا

()مرتبۂ جمالیہ

اس کے بعد لباس جمالیۂ اِلٰہیہ سے ملبّس فرما کر صُلب مقام محمود سے بطن مرتبۂ جمالیہ میں ہبوط فرمانے کا اذن بخشا گیا، جونہی اس نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرتبۂ جمالیہ اِلٰہیہ کو زینت بخشی اس نے بھی اس اعزاز پانے پر اس نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبلہ قرار دے کر سجدۂ شکر ادا کیا

()مرتبۂ جلالیہ

پھر صُلب مرتبۂ جمالیہ سے مرتبۂ جلالیہ میں انتقال فرمانے کا وقت آیا تو اللہ نے اسی نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجلالیت کا جامہ پہنایا اور اذنِ نزول فرمایا، جیسے ہی نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرتبۂ جلال میں جلوہ آرائی فرمائی مرتبۂ جلالیہ نے انہیں اپنا قبلہ قرار دیا اور فوراً سر بہ سجود ہو گیا

()عالم جبروت

یہ نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی عرصہ یہاں قیام پذیر رہا اس کے بعد عالم لاہوت کی حدیں طے کر کے اس نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگلے عالم اور اس کے مراتب و مقامات کیلئے تیار کیا، انہیں جبروتیت کا جامہ پہنایا گیا اور جبر و کسر کے زیورات سے آراستہ کیا گیا، اس کے بعد انہیں عالم پائین میں نزول کا اذن ملا، جونہی یہ نور انور عالم جبروت میں جلوہ کش ہوا امہات الصفات (صفات ثبوتیہ) نے اسے قبلہ قرار دے کر سجدہ کیا اس وقت اس نور نے صُلب مرتبۂ جلالیہ سے بطن امہات الصفات میں

انتقال فرمایا یہاں یہ نور انور جلوہ کش رہا اور ایک ایک کر کے پانچوں امہات الصفات کے ابطان کو زینت بخشتا رہا، اس کے بعد اسے اگلے عالم کیلئے تیار کیا گیا

()عالم ملکوت وام الاسماء

جب اس نور اِلٰہی الصفات کو خالق نے ملکی الذات بنا دیا تو اس نے عالم ملکوت کو اپنا جلوہ دکھایا یہ دیکھ کر سب سے پہلے ام الاسماء یعنی اسم اعظم نے اس نور کو قبلۂ حقیقی قرار دے کر سجدہ کیا عین اس وقت یہ نور عالم جبروت کی صُلب سے ام الاسماء یعنی اسم اعظم کے بطن میں منتقل ہوا

()امہات اسماء

جب اس نور مسمیٰ کو امہات الاسماء یعنی چار اسماء اوّل و آخر و ظاہر و باطن نے اسم اعظم کے بطن میں پر تو فگن دیکھا تو ان امہات الاسماء نے اس نور کو قبلہ قرار دے کر سجدہ کیا اس وقت اس نور کو ام الاسماء کی صُلب سے امہات الاسماء کے ابطان میں منقلب ہونے کا اذن بخشا گیا اور اس نور نے باری باری سارے امہات میں جلوہ آرائی فرمائی

()مرتبۂ اسماء الحسنٰی

جب اس نور مسمیٰ کو مرتبۂ اسماء الحسنٰی نے فروکش دیکھا تو چارسواسی 480 اسماء الحسنٰی نے اسے قبلہ قرار دے کر سجدے میں جبینیں جھکا دیں، اس طرح اسے نور انِ امہات کے بطن میں نزول فرمانے کا اذن ملا اس طرح ایک ایک کر کے سارے

اسمائے حسنیٰ میں انوار مسمیٰ نے جلوہ آرائی فرمائی اس کے بعد اس نور کی قامت پر ملکات اِلٰہیہ کی پوشاک موزوں فرمائی گئی

( ) ملکات فعالیہ

جب ملکات فعالیہ اِلٰہیہ نے نور فعال فی الملکات کا جلوہ دیکھا تو انہیں قبلہ قرار دے کر فوراً اس نور کا سجدہ کیا اس کے بعد اس نور کو صُلب اسماء الحسنٰی سے بطن ملکات فعالیہ میں نزول کا اذن ملا، اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا یعنی یہ نور صُلب ملکات سے بطن مرتبۂ عرشیۃ الثانیہ میں منتقل ہوا

( ) اس کے بعد بطن عرشیہ الثانیہ کی صُلب سے بطن مرتبۂ المایہ میں منتقل ہوا

( ) پھر مرتبۂ المایہ کی صُلب سے بطن عالم ملک میں منتقل ہوا

( ) پھر یہ نور عالم ملک میں سات امھات سرادقات کے بطن میں منتقل ہوا جن کے ساٹھ ساٹھ باطن تھے، ان میں سے ایک ایک کر کے اس نے ساٹھ سرادقات جلال کو زینت بخشی، اس کے بعد ساٹھ سرادقات عزت کو زینت بخشی، اس کے بعد ساٹھ سرادقات فخر کو زینت بخشی، اس کے بعد ساٹھ سرادقات کبریا کو زینت بخشی، اس کے بعد ساٹھ سرادقات قدس کو زینت بخشی، اس کے بعد ساٹھ سرادقات جبروت کو زینت بخشی، اس کے بعد ساٹھ سرادقات نور الابیض کو زینت بخشی

( ) ان کے بعد بارہ امھات الحجاب کے ابطان میں جلوہ آرا ہوئے جن میں سے ہر حجاب کے ستر ہزار باطن تھے گویا آٹھ لاکھ چالیس ہزار بواطن میں یہ منتقل ہوئے اور ہر باطن نے انہیں قبلہ قرار دے کر ان کا سجدہ کیا

ان حجابات کے نام یہ تھے جو میں پہلے بھی بتا چکا ہوں یعنی حجابِ قدرت، حجابِ عظمت، حجابِ منت، حجابِ رحمت، حجابِ سعادت، حجابِ کرامت، حجابِ منزلت، حجابِ ہدایت، حجابِ نبوّت، حجابِ رفعت، حجابِ ہیبت، اور حجابِ شفاعت

( ) ان کے بعد یہ نور امھات السماویۂ سابعہ کے بطن میں منتقل ہوا، یہاں بھی انہیں قبلہ قرار دے کر سجدہ کیا گیا

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ کیا کسی عالم نے انہیں سجدہ نہیں بھی کیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ

☆ وَتَقَلُّبَكَ فِيْ السَّاجِدِيْنَ

یعنی ہم نے آپ کے نور کو ساجدین میں منتقل ہوتے ہوئے خود دیکھا ہے یعنی کوئی بھی عالم ایسا نہیں ہے کہ جس نے آپ کو قبلہ قرار دے کر ہمارا سجدہ نہ کیا ہو

( ) اس کے بعد عالم ناسوت کی باری آئی اس میں سب سے اوّل مقام نسبتیہ وروحیہ کے بطن کو شرف بخشا گیا اس وقت پورے عالم ارواح سے الست بربکم فرمایا اور سب سے عہد و میثاق لئے ایک ایک امت سے علیحدہ علیحدہ میثاق لئے نبوّت اور ولایت کے اقرار کروانے کے بعد لباس انفاخیہ زیب بدن کیا تو جناب آدم کے جسد خاکی نے انہیں قبلہ قرار دے کر ان کا سجدہ کیا جب اس نے سجدہ کیا تو اس نور نے صُلب آدمیہ میں اس طرح نزول فرمایا کہ آدم خاکی کو پورے عالم ملکوت کا مسجود بنا دیا اور اپنے مقام نزول کو سجدہ نہ کرنے والے کو ملعون بنا دیا

یہی وجہ ہے کہ ان کے ہر مقامِ نزول کو مسجد کہا گیا ہے کیونکہ ان کے ظاہری بدن و اجسام ان کی حقیقت کے مقامات نزول ہیں اس لئے انہیں قبلہ قرار دینے میں کوئی

www.khrooj.com

چیز مانع نہیں ہے کیونکہ یہ انوار جب زمین پر نازل ہوئے تو سب سے پہلے انہوں نے کعبہ کو شرف بخشا اس کے بعد اپنے گھروں کو زینت بخشی اس لئے اوّلین جائے نزول کی وجہ سے کعبہ مسجود بنی آدم قرار پایا

یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ ان کے اجسام وابدان اور کعبہ کا موازنہ ہی نہیں ہوسکتا جیسے کہتے ہیں کہ ''چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک''

یہ عالم پاک ہیں اور خاک کعبہ کا ان سے کیا موازنہ ہوسکتا ہے؟

یہی وجہ تھی کہ آپ کا نور جس جبین میں بھی ہوتا تھا اسے کے بارے میں لکھا ہے کہ جانور اور حجر وشجر اس کا سجدہ کرتے تھے

اب یہاں کوئی شخص اعتراض کرسکتا ہے کہ ان تعبیرات اصلاب وارحام کا کوئی ثبوت بھی ہے؟ یا یہ بات کہاں سے اور کیسے ثابت ہوتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عربی میں ارحام قرابت اور رشتے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ☆ صلوا ارحامکم یعنی قرابت داروں سے صلہ (اچھائی) کرو جب یہ لفظ النسا کے ساتھ مرکب ہو تو بطن مادر کے معنی دیتا ہے اور اس کی وجہ بھی قرابت ہی ہوتی ہے اور اصلاب ان زمینوں کو کہا جاتا ہے جو عرصۂ دراز تک جوتی نہ گئی ہوں اور سخت ہوچکی ہوں اس لئے صلابت کے معنی سختی اور پختگی کے بھی ہیں اسی طرح عربی میں کہا جاتا ہے ☆ ھو صُلب فی دینہ یعنی وہ اپنے دین پر سختی سے کار بند ہے اور یہ بھی ہے کہ صُلب کے معنی قوت وطاقت کے بھی ہیں اور اگر یہ خاندان یا افراد سے مرکب ہو تو یہ نسل یا خاندان کے معنی بھی دیتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ ☆ ھو فی صُلب فلان یہاں مراد نسل یا خاندان ہے

اس نور اوّل کے ہبوط ونزول کے بارے میں آغا خمینی نوراللہ مرقدہ اصول کافی کی حدیث☆ ''نور الانوار الذی نورت الانوار'' کی شرح میں لکھتے ہیں

☆وقوله عليه الصلوات والسلام فلم يزالا اِلٰى آخر اشارة اِلٰى ظهور فى العوالم النازلة من صُلب عالم الجبروت اِلٰى بطن عالم الملكوت العليا و من صُلبه اِلٰى بطن عالم الملكوت و من صُلبه اِلٰى بطن عالم الملك ثم ظهر فى خلاصة العوالم و نسختها الجامعه اى الانسان الذى هو ابو البشر و انتقل منه اِلٰى ان يفترق فى اطهر الطاهرين عبد الله عليه الصلوات والسلام و ابى طالب عليه الصلوات والسلام و السر فى التعبير عن كل عالم صاعد بالنسبة اِلٰى الهابط منه بالصُلب و عن كل عالم النازل بالنسبة اِلٰى الصاعد بالبطن ظاهر لايحتاج اِلٰى التفصيل

امام علیہ الصلوات والسلام نے یہ فرمایا ہے اس فرمان میں ''کہ دونور ہمیشہ جاری رہے'' اس کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ انوار عوالم نازلہ یعنی صُلب عالم جبروت سے بطن عالم ملکوت کی طرف اور پھر صُلب عالم ملکوت سے بطن عالم پائین یعنی عالم ملک میں منتقل ہوئے اس کے بعد یہ انوار طاہرہ خلاصۂ عوالم کے نسخۂ جامعہ کہ جسے انسان کہا جاتا ہے یعنی ابوالبشر کے بطن میں منتقل ہوئے تا اینکہ یہ نور اوّل پاکیزہ ترین اطہر الطاہرین ہستیوں یعنی جناب عبداللہ علیہ الصلوات والسلام اور جناب ابی طالب علیہ الصلوات والسلام کی پشتوں پر آکر منقسم ہوگیا اس تعبیر کا راز یہ ہے کہ ہر عالم بالا کو نسبت مقام صُلب ہے اور ہر عالم پائین کو نسبت مقام بطن ہے اور یہ بات محتاج تفصیل نہیں ہے

(مصباح الھدایہ ص136)

www.khrooj.com

اسی لئے صفوان جمال کو امام صادق علیہ الصلوات والسلام نے جو زیارت اربعین تعلیم فرمائی تھی اس میں پورے عالم تشیع کو اس کے اقرار کرنے کا حکم تھا

☆اشهد انك كنت نوراً فى اصلاب الشامخه و الارحام المطهره ولم تنجسك الجاهليه بانجاسها ...... (مفاتیح ص۴۶۸)

فرمایا تم ان ذوات میں سے ایک ایک کے سامنے یہ اقرار کرو ''اے شہنشاہ معظم میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں آپ اصلاب شامخہ امہات المراتب میں ایک نور تھے اور جملہ عوالم نازلہ کے ارحام طاہرہ میں بھی ایک نور تھے اور ان عوالم کے سفر ہبوط میں آپ کو کہیں بھی انکارِ عوالم کی نجاست نے چھوا تک نہیں ہے

یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ جاہلیت اور جہالت میں فرق ہے جہالت علم کی ضد ہے یعنی لاعلمی کو کہا جاتا ہے اور جاہلیت عرفان کی ضد ہے جس کے معنی انکار کے ہیں

یعنی جن جن عوالم میں آپ ہبوط فرماتے رہے ہیں وہاں کہیں بھی آپ کو اپنی ولایت کے انکار کی نجاست کا سامنا نہیں کرنا پڑا، لفظ اصلاب کے ساتھ شامخہ کی ترکیب بنائی گئی ہے اور شامخہ شمخ وغیرہ کے معنی ہیں بلندیاں، پہاڑ کی چوٹیاں، اونچائیاں، اسی سے اونچی ذات ونسب والے کو بھی کہتے ہیں، اس طرح جبل شامخ بہت بلند پہاڑ کو کہتے ہیں اور یہاں ان اصلاب کو بلندترین اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جہاں جہاں سے آپ منتقل ہوئے ہیں وہ عوالم عالم ناسوت سے ماوریٰ و بلند ہیں زیارت کے یہی فقرے ہی میرا اصل موضوع تھا کیونکہ اس حقیقت کے ادراک سے قبل میں جب بھی زیارت پڑھتا تھا تو ان فقروں کو ادا کرتے ہوئے ایک جھجک سی

محسوس ہوتی تھی کہ یہ تو شایانِ شان ہی نہیں مگر انہیں ادا اس لئے کرتا رہتا تھا کہ خود پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کا فرمان ہے کہ اسی طرح کہنا ہے تو ٹھیک ہے اور یہ بھی کہتا تھا کہ شاید اس میں کوئی راز ہو یا اس کے حقیقی معنی کچھ اور ہوں اور جو تبادر ہوتا ہے وہ حقیقی نہ ہو بس اس طرح من کو مطمئن کر دیتا تھا

مگر جب اس راز کو مالک زمانہ میرے منعم حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف نے مجھ پر منکشف فرمایا تو زیارت پڑھنے کا مزا دو بالا ہو گیا

ہم تو اس کریم ازل عجل اللہ فرجہ الشریف کو دعا کے سوا کچھ پیش کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں ہماری تو یہی دعا ہے کہ ان کا اس دنیا پر ایسا راج ہو جیسا ان کا آسمانوں پر راج ہے، ان کے اجداد طاہرین علیہم الصلوات والسلام کا جلدی انتقام ہو اور پاک گھر میں جو سوگ کی فضا بنی ہوئی ہے اس کا جلدی خاتمہ ہو اور پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کی ابدی مسرتوں کا ظہور رہو

[آمین اس دعا پہ ازل اور ابد کہیں]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہِ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

اوّلیت

☆وَتَقَلُّبَكَ فِى السَّاجِدِيْنَ ......(سورہ شعرا219)

خطبہ چہارم

اے معراجیانِ عرشِ معرفت!

میں نے اپنے گذشتہ بیان میں قوس ہبوطی ونزولی اورقوس صعودی وعروجی کا ذکر کیا تھا یعنی یہ بتایا تھا کہ نوراوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مقام انانیہ سے مقام ذاتیہ پر ہبوط و نزول فرمایا تو وہاں اس نور نے اسی 80 ہزار سال تک انانیۃ الاوّلیہ کا طواف کیا اور اس قدر حمد کی کہ نام ہی احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن گیا

اس نقطۂ کمال قُرب سے اس نوراوّل نے جوسفرعوالم پائین کی طرف کیا اور امہات المراتب کے ارحام واصلاب میں انتقال وانقلاب فرمایا اس نزولی سفر کے راستے کو قوس ہبوطی ونزولی کہتے ہیں اس کے بعد اس نوراوّل نے اپنی پستی کے نقطۂ کمال یعنی جامۂ بشری سے جوسفر بلندی کی طرف کیا اور واپس اپنے مقام محمود پر جس راستے سے پہنچا اسے قوس صعودی وعروجی کہتے ہیں

آپ ایک دائرہ بنائیں پھراس میں ایک ایسا خط عمودی لگائیں جومرکز سے گزر کر پار

ہو جائے تو آپ دیکھیں گے کہ ایک دائرہ جب دو نصف میں تقسیم ہو گا تو دو قوسین (کمانیں) بن جائیں گی اور درمیانہ لکیر ایک ''زہ'' یعنی کمان کے اس دھاگے کی طرح نظر آئے گی جس میں تیر جوڑ کر چلایا جاتا ہے

ان دونوں کمانوں کے اوپر والے ملاپ کی جگہ ہبوطی سفر کا نقطۂ آغاز بھی ہوگی اور قوس صعودی وعروجی کا نقطۂ اختتام کمال بھی ہوگی کیونکہ دائرے میں جب پرکار گھومتی ہے تو دائرے کی تکمیل وہاں جا کر ہوتی ہے جہاں سے اس کا آغاز ہوتا ہے

اسی نقطۂ کمال کا نام مقام محمود ہے جس کے بارے میں ارشاد قدرت ہے

☆فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً......(الاسراء 79)

انہی قوسین اور ایک قاب کا ذکر کلام پاک میں اس طرح فرمایا گیا ہے

☆وَقَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ

یعنی انانیۃ الاوّلیہ سے آپ کا فاصلہ دو کمانوں اور ایک ''زہ'' (قاب) سے بھی کم رہ گیا تھا......عموماً جو اس آیت سے تبادر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ نور اس قدر بلند ہوا کہ اللہ سبحانہ اور ان کے مابین دو کمانوں اور ایک قاب کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا

اگر ہم ایک کمان کو ایک میٹر کی فرض کر لیں تو درمیانہ فاصلہ تقریباً تین میٹر کا بنتا ہے اور اس قدیم تصور کے مطابق یہ تین میٹر ایسے ثابت ہوتے ہیں کہ جن کے ایک طرف اللہ سبحانہ تعالیٰ تھا اور دوسری طرف یہ نور اوّل تھا اور وہ درمیانہ تین میٹر کا ایریا(Area) ایسا تھا کہ جہاں نہ اللہ سبحانہ تعالیٰ تھا اور نہ یہ نور اوّل تھا اب آپ سوچیں کسی جگہ کا تین میٹر ایریا(Area) اللہ کی ذات سے خالی فرض کیا جا سکتا ہے؟ اگر بالفرض تین میٹر ایریا(Area) کو اللہ سے خالی مان بھی لیا جائے تو جو وہاں موجود

نہیں وہ اللہ ہوسکتا ہے؟ کیونکہ اللہ سے تو ایک ذرے کے برابر جگہ کو بھی خالی نہیں مانا جا سکتا وہ تو ہمہ وقت ہر جگہ موجود ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہی قوسین وقاب ہیں یعنی قوس ہبوطی ونزولی اور قوس صعودی وعروجی کہ یہ سفر امھات المراتب ہے اور اس کے سفر مستقیمی ہبوط ونزول کو سفر قابی کہا جاتا ہے

جب نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اسفار کا آغاز فرمایا تو آپ نے جتنے مقامات کو اپنی منزل قرار دیا ان مقامات کو عالم پائین کا قبلہ قرار دیا، اور ان مقامات کا عالم پائین نے سجدہ کیا کیونکہ جن عوالم ومراتب کے اصلاب وارحام وابطان کو آپ نے منزل یعنی جائے نزول قرار دیا انہیں عالم پائین نے سجدہ کیا تھا اس لئے اللہ نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا☆ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ کہ ہم نے آپ کو ساجدین ہی میں منقلب ہوتے ہوئے پایا یعنی جب تک عالم پائین (پست و زیریں) نے ان کے مقام ومنزل اعلیٰ کا سجدہ نہیں کیا اس نور نے اس عالم زیریں کے بطن میں ہبوط نہیں فرمایا

اس آیت کے مصداق اوّل وہ عوالم انوار وامھات المراتب ہیں لیکن یہ بات وہاں تک محدود نہیں رہ جاتی بلکہ جناب آدم کو بھی مسجود بنا کر آگے بڑھ جاتی ہے

دوستو!

اس نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عوالم خمسہ (پانچ عوالم) کے کسی ایک مقام کو اپنی منزل قرار دیا اور وہاں سے اس عالم کے اہل عالم کو اپنے نور کی زیارت کروائی یا یوں سمجھ لیں کہ اس خاص مقام پر قیام فرمایا اور وہاں سے انہوں نے اس عالم کے جملہ متعلقات کو جلوہ دکھایا، ہوا یہ کہ جس عالم کے جس مقام کو آپ نے مقام اظہار وبروز

www.khrooj.com

قرار دیا اللہ جل سبحانہ تعالیٰ نے اس مقام کو اس عالم کے باشندگان و ساکنین کیلئے قبلہ بنا دیا اور ہمیشہ کیلئے اس عالم کے ساکنین کیلئے اسے مسجود بنا دیا

قبلۂ عالم لاہوت

انہوں نے جب عالم لاہوت کو زینت بخشی تو اجساد نوری و اشباح ظلّی میں ان کے نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار فرمایا اور وہاں سے اپنا جلوہ دکھایا تو اللہ نے ان اجساد نورانیہ کو وہاں محفوظ فرما لیا اور جب انہوں نے عالم جبروت میں ہبوط فرمایا تو ان اجساد نوری کا جامہ وہاں رکھ کر لباس جبروتی زیب تن کیا تب ہبوط و نزول فرمایا کیونکہ عالم جبروت میں ان کے انوار لاہوتی کو برداشت کرنے کی طاقت ہی نہیں تھی اس لئے ان کی قوت برداشت کے عین مطابق لباس انوار زیب بدن کیا تب وہ ان کی زیارت سے مشرف ہو سکے ورنہ وہ ساکنین عالم جبروت ان کے نور کی ایک ہی جھلک دیکھ کر فنا ہو جاتے، اس لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کے اجساد نورانیہ کو جامۂ لاہوتی بخشا تھا، جیسا کہ احادیث معراجیہ میں آپ دیکھتے ہیں شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب ہم معراج پر گئے تو وہاں اپنے بھائی کی ایک شبیہ دیکھی کہیں فرماتے ہیں ہم نے دوران سفر معراج اپنے سارے اوصیا علیہم الصلوات والسلام کو وہاں براجمان پایا، اسی طرح فرمایا کہ ہمارے آخری لخت جگر کو قائم عجل اللہ فرجہ الشریف اس لئے کہا جاتا ہے کہ باقی اوصیا علیہم الصلوات والسلام کو وہاں ہم نے کراسی کرامت پر جلوہ افروز پایا تھا مگر اس لخت جگر کو تلوار لئے ان کے درمیان میں کھڑا ہوا دیکھا تو دریافت فرمایا

☆من هذا القائم عجل الله فرجه الشريف؟

رب ذوالجلال والاکرام نے فرمایا یہ آپ کے آخری وصی ہیں یہ آپ کے اور جملہ مظلومین کے منتقم ہیں اور یہ آپ کے اور میرے دشمنوں سے انتقام لینے والے ہیں اسی طرح کی احادیث سے کتب چھلک رہی ہیں مگر میں یہ عرض کرر ہا تھا کہ جن کا ذکر شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا وہ ان کے اجساد نورانیہ کے جامہ ہائے لاہوتی تھے جو اسی طرح عین حقیقت تھے جیسے یہ اس دنیا میں حقیقی وجود کے ساتھ موجود تھے اللہ نے پورے عالم لاہوت کیلئے ان کے اجساد نورانیہ کو قبلہ قرار دے دیا اور عالم لاہوت کے ساکنین کی عبادت انہی کے اجساد نورانیہ وظلیہ واشباحیہ کے سامنے سربہ سجود ہونا ہے

پھر انہوں نے عالم جبروت کو زینت بخشی تو جامۂ جبروتی زیب بدن فرما کر مقام عرش ثانی کو اپنی منزل قرار دیا اور وہاں سے اہل جبروت کو اپنے جلووں کی زیارت سے مشرف فرمایا، اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اہل جبروت کیلئے عرش الٰہیہ کو قبلۂ جبروتیان قرار دیا اور انہیں حکم ہوا کہ اب ہمیشہ کیلئے تمہاری عبادت یہ ہے کہ اس مقامِ اظہارِ نورِ الٰہی کو سجدے کرتے رہو یہی اللہ کا سجدہ شمار ہوگا

اس کے بعد انہوں نے جامۂ ملکوتی زیب تن کیا اور عالم ملکوت میں سماء رابعہ پر قیام فرمایا اور وہاں جس مقام کو زینت بخشی اسے ''مقام صراح'' کا نام بخشا گیا انہوں نے ''مقام صراح'' سے عالم ملکات وملکوت کو اپنا جلوہ دکھا کر اپنی زیارت سے مشرف فرمایا اللہ نے اس مقام کو عالم ملکات وملکوت کا قبلہ قرار دیا اور انہیں حکم ہوا کہ اب تمہاری عبادت یہ ہے کہ تمہارا اس ''مقام صراح'' ہی کو سجدہ کرنا اللہ جل جلالہ کی عبادت ہوگا کیونکہ کوئی بھی مخلوق بلا واسطہ انانیت اِلٰہیہ کا سجدہ نہیں کرسکتی

www.khrooj.com

سوائے ان انوار کے کہ جن کے بارے میں آ غاخمینیؒ فرماتے ہیں کہ ان پر لفظ مخلوق کا استعمال بھی جائز نہیں ہے

اس کے بعد اس جامع انوار نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم ملکوت سے ہبوط فرمایا اور عالم ملک کو زینت بخشی ، یہ عالم ملک مراتب السماویہ میں سماء الدنیا کہلاتا ہے یعنی اس زمین کا قریب ترین آسمان یہی عالم ملک ہے جو جملہ فرشتوں کی دنیا ہے

جب یہاں یہ نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچا تو یہاں اس نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''بیت المعمور'' کو اپنی منزل قرار دیا اور یہاں سے عالم فرشتگان کو اپنا جلوہ دکھایا اس وقت سارے عالم ملک نے ان کا سجدہ کیا اللہ نے ان کی اس جلوہ گاہ (بیت المعمور) کو قبلۂ فرشتگان قرار دیا، جب اس نور نے عالم ملکوت سے عالم ناسوت میں ہبوط فرمانا چاہا تو اللہ جل سبحانہ نے خلاصۂ عالم ناسوت یعنی جناب آدمؑ کی جبین مبین کو ان کی جلوہ گاہ قرار دیا تو سارے ملکوت اور پورے عالم ناسوت نے جناب آدم علیہ السلام کا سجدہ کیا

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ سجدے کا حکم صرف ملکوت کو تھا نہ کہ پورے عالم موجود کو اس کا جواب یہ ہے کہ پورے عالم موجود کو ان کے سجدے کا حکم تھا اگر صرف ملکوت ہی کو سجدے کا حکم تھا تو پھر ابلیس کیوں راندہ درگاہ ہوا؟ کیا وہ فرشتہ تھا؟ جب وہ فرشتہ نہیں تھا اسے ملعون کیوں قرار دیا گیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ پورے عالم موجود کو سجدے کا حکم تھا اس میں قوم جنات بھی شامل تھی سب نے سجدہ کیا مگر یہ ملعون اَڑ گیا جناب آدم کو مسجود عالم موجود قرار دے کر اس نور نے اطہر الطاہرین جبینوں میں منقلب ہونا شروع کیا، اس طرح جن جن جبینوں کو آپ نے اپنی منزل قرار دیا

انہیں بھی اللہ نے قبلۂ موجودات قرار دیا اگرچہ یہ نور اپنے قیام کے بعد آگے ہی کیوں نہ بڑھ گیا مگر جہاں بھی انہوں نے (چند لمحات ہی کا سہی) قیام فرمایا ان شخصیات کو مسجود موجودات بنا کر آگے تشریف لے گئے

آپ جناب ابراہیم علیہ السلام سے لے کر جناب عبد المطلب علیہ الصلوات والسلام تک کی کتب سیرت کا مطالعہ کریں جن جن ذوات علیہ السلام کی جبینوں کو اس نور نے زینت بخشی ہے وہ شخصیات جہاں جہاں سے بھی گزرتی تھیں انہیں دیکھ کر درخت سجدہ ریز ہو جاتے تھے، پہاڑ اور ان کے پتھر سجدے میں گر جاتے تھے، جس جانور کی ان پر نگاہ پڑتی تھی وہ سجدے میں گر جاتا تھا، پرندے ان کے سرہائے اقدس کے اوپر سے پرواز نہ کرتے تھے، اور آ کر ان کے روبرو سر بہ سجود ہو جاتے تھے یہ صرف اسی لئے تھا کہ اللہ نے ان کی ہر منزل کو مسجود موجودات اور قبلۂ ممکنات قرار دیا اور ان کی ہر منزل کے سجدے کو ان کیلئے سجدۂ تعظیم قرار دیا اور وہی سجدہ خالق کیلئے سجدۂ عبادتی قرار پاتا تھا بہ الفاظ دیگر ان کی تعظیم ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت شمار ہو جاتی تھی

اب کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ یہ تو ہم مان لیتے ہیں کہ جب تک یہ نور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی جبین مبین میں موجود تھا تب تو حجر و شجر کا انہیں سجدہ کرنا ثابت ہے مگر جب یہ نور اپنی اگلی منزل کی طرف سفر کر جاتا تھا تو پھر ان کی گذشتہ منزل کو سجدہ کرنا کہاں ثابت ہے؟

اس کا جواب واقعۂ اصحاب فیل میں دیکھیں جب تبع یمن ابرہہ ملعون کا سونے سے تیار کردہ کعبہ وہاں جلایا گیا تو اس کا الزام متولیان کعبۂ توحید پر لگایا گیا اور وہ اپنے کعبے کے جلنے کا انتقام لینے مکۂ مکرمہ پر حملہ آور ہوا یہاں اس وقت جناب عبد

المطلب علیہ الصلوات والسلام حرم شریف کے وارث تھے اس ملعون نے آ کر آنجناب علیہ الصلوات والسلام کے اونٹ پکڑ لئے جن کی تعداد بہ اختلاف روایات 90 تھی ، جب انہیں اطلاع ملی تو جناب عبد المطلب علیہم الصلوات والسلام نے اس کے پاس جانے کا ارادہ فرمایا اور وہاں تشریف لے گئے

اس ملعون کے ساتھ چند ہاتھی تھے جن میں سے ایک ہاتھی سب سے اعلیٰ نسل کا سفید ہاتھی تھا جس کا نام ''محمود'' تھا جب یہ جناب علیہم الصلوات والسلام وہاں تشریف لے گئے تو سارے ہاتھیوں نے جونہی آپ کی زیارت کی فوراً سجدے میں گر گئے

(آگے کا واقعہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ترک کرتا ہوں)

یہ بات اکثر سیرت نگاروں نے لکھی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جب ان ہاتھیوں نے جناب عبد المطلب علیہم الصلوات والسلام کی جبین مبین میں نور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ کیا تو سجدے میں گر گئے

اب آپ ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھیں یہ واقعہ پہلی عام الفیل کا ہے اور اسی حملے کے دن سے ہی عام الفیل شمار ہوا۔ ادھر جناب سرور دو جہاں اللہ کے نور اوّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد بھی اسی ایک عام الفیل کی ہے، یعنی جس سال میں یہ حملہ ہوا اسی سال آپ کا ظہور پُر نور ہوا اور ان کی آمد کا مہینہ ربیع الاوّل ہے تاریخ میں اختلاف ہے مگر مہینے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور زمانۂ قدیم کے لحاظ سے یہ پہلا مہینہ شمار ہوتا تھا اور ہجری سال کا یہ تیسرا مہینہ ہے اور اگر اسے تیسرا ہی مان لیں تو بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑتا

اب آپ دیکھیں اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور انور کس کی جبین مبین میں ہونا

چاہئے ؟ اگر پہلا مہینہ مانیں تو اس وقت ان کا یا تو ظہور ہو چکا ہو گا یا پھر کئی دن بعد ہوا ہو گا اگر تیسرا مہینہ مانیں تو بھی ابرہہ کے حملے کے دو ماہ بعد آپ کا ظہور پر نور ماننا ہو گا ان دونوں صورتوں میں اس وقت آپ کا نور انور دادا پاک کی جبین مبین تو کجا بابا پاک کی جبین میں بھی موجود ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس وقت یہ نور اپنی والدہ پاک صلواۃ اللہ والسلام اللہ علیہا کی جبین اقدس میں ہونا ثابت ہو گا نہ کہ جناب عبدالمطلب علیہم الصلوات والسلام کی جبین میں ، اگر کوئی بہت زیادہ کھینچا تانی کرے بھی تو یہی ثابت کر سکے گا کہ اس وقت یہ نور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بابا پاک علیہ الصلوات والسلام کی جبین میں تھا دادا پاک علیہ الصلوات والسلام کے بارے میں تو کوئی کہہ بھی نہیں سکتا

دوسری طرف دیکھیں ہاتھی جناب عبدالمطلب علیہ الصلوات والسلام کو سجدہ کر رہے ہیں جبکہ اس وقت وہ نور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین نہیں تھے تو ثابت ہوا یہ جو جانور سجدہ کر رہے تھے وہ خالصتاً انہی کی ذات اِلٰہی صفات کا سجدہ تھا جو ان کیلئے تو سجدۂ تعظیم تھا اور اللہ جل جلالہ کی عبادت شمار ہو رہا تھا

اسی طرح جب اس نور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم بشریت کی ہدایت اور استفادے کیلئے جامۂ بشری زیب تن کر کے عالم شہود کو زینت بخشی تو ان کا نزول مکہ میں ہوا تو ان کے بیت اطہر کو خود بیت اللہ نے سجدہ کیا اس سجدے کے بدلے میں اسی نور کے نصف دیگر یعنی امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے بیت اللہ کو زینت بخشی اور جب انہوں نے ظہور فرمایا تو ظاہراً خانۂ کعبہ کو شرف بخشا اور انہی کی منزل قرار پانے کی وجہ سے وہ بت خانہ قبلۂ عالمِ بشریت قرار پایا

کسی شخص نے جب امام علی ابن الموسیٰ الرضا علیہما الصلوات والسلام سے کعبۂ محترم کے بارے میں

دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ نے چاہا کہ اس کی عبادت کی جائے تو اس نے عرش ثانی کے بالمقابل فلک چہارم پر ایک بیت بنایا جس کا نام اس نے ''صراح'' رکھا پھر اس ''صراح'' کے بالمقابل اس نے فلک الارض پر ایک بیت بنایا جس کا نام ''بیت المعمور'' رکھا پھر اس ''بیت المعمور'' کے بالمقابل ایک بیت بنایا جس کا نام ''کعبہ'' رکھا اور اسی کے طواف کا حکم فرمایا

امام صادق آل محمد علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا کعبے کو کعبہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک تو یہ عرش کے محاذ پر ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ چوکور ہے، عربی میں ایک کھیل ہوا کرتا تھا جو اِس دور کی ''لڈو'' کی طرح کا ہوتا تھا اسے ایک پانسے (لڈو کی ڈائی) سے کھیلا جاتا تھا وہ لڈو کی ڈائی کی طرح چھ اطراف سے ایک جیسے سائز کا مہرہ ہوتا تھا یعنی وہ مکعب میں ہوتا تھا اسے بھی کعبہ کہا جاتا تھا

کیونکہ کعبۂ مکرم کی چاروں دیواروں کی لمبائی برابر تھی اور ایک دیوار کی لمبائی کے برابر اونچائی تھی تو یہ بھی چھ اطراف سے برابر ہو جاتا تھا اور اسی لئے اسے کعبۂ محترم کہا گیا

قبلہ کے معنی ہیں سمت و جانب کے یا اس سمت کے جس کی طرف رخ کیا جائے خصوصاً آگے والی سمت کو قبلہ اور پیچھے والی سمت کو دبرہ کہا جاتا ہے جیسا کہ عربی محاورہ ہے

☆ما له فی هذاالامر قبلة ولا دبرة

اس کیلئے اسے آگے پیچھے ہاتھ مارنے کی ضرورت نہیں ہے

اس بات کے بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جملہ عالمین کو اللہ نے قبلہ عطا فرمایا اور

وہاں کے ساکنین کو ان کے سجدے کا حکم دیا اور اسی سجدے کو اپنے لئے عبادت قرار دیا مگر اس نے ان مقامات کو قبلہ و مساجد قرار دیا کہ جن مقامات عالیہ کو اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور نے اپنی منزل وجلوہ گاہ قرار دیا

مسجد کے اوّلین معنی اس چیز کے ہیں کہ جسے سجدہ کیا جائے جیسے کعبۂ مکرم کو مسجد الحرام کہا جاتا ہے اور اس سے مراد پوری مسجد نہیں بلکہ صرف کعبہ ہے مگر اس کی نسبت سے اس کے سارے حرم کو مسجد الحرام کہا جاتا ہے کیونکہ باہر کی دنیا کیلئے یہ پورا حرم مسجود بن جاتا ہے اور مسجد کے ثانوی معانی ہیں کہ جو مقام سجدہ ہو یعنی جہاں سجدہ کیا جاسکے

دوستو یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ سجدے کے معنی کیا ہیں؟

سجدہ کے معنی ہیں اپنے جسم و وجود کے اعلیٰ ترین اور بلند ترین مقامات کو عجز اور خاکساری کے اظہار کیلئے پست ترین مقام پر رکھ دینا کیونکہ انسان کیلئے اس کی پیشانی سر اور ناک ہی صاحب عزت اعضا ہیں اس لئے انہیں اظہارِ عجز و خاکساری کیلئے زمین پر رکھ دینے کا نام سجدہ ہے

☆ ''وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَداً ''......(سورہ جن 18)

کی تفسیر میں آئمۂ معصومین علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا ہے کہ ''مساجد اللہ'' سے مراد اوصیاو آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام ہیں ......(البرہان ج4 ص395)

☆ وَأَقِيمُواْ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ......(اعراف آیہ 29)

کی تفسیر میں امام صادق آل محمد علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا

اقیموا وجوهكم عند كل مسجد قال يعنى الائمة علیہم الصلوات والسلام

(بحار الانوار تفسیر عیاشی وغیرہ)

www.khrooj.com

فرمایا جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ تو اپنا رخ سبھی مساجد یعنی سبھی آئمۂ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام میں سے کسی ایک امام علیہ الصلوات والسلام کی طرف کر لیا کرو

اس کی وجہ وہی ہے جو پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جس جس مقام کو انوار مطاہرہ اِلٰہیہ نے منزل قرار دیا ہے اللہ نے انہیں قبلۂ مسجود قرار دیا ہے کیونکہ ان انوار نے جو جامہ ہائے بشری زیب تن کئے وہ بھی ان کی حقیقت اوّلیہ کیلئے ایک منزل کی طرح ہے اور سفر قوس نزولی و ہبوطی میں عالم بشریت کیلئے ایک جلوہ گاہ کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے عالم بشر کیلئے سجدہ واجب ہے

دوستو! اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا کہ بیت اللہ مسجد جسمانی ہے کیونکہ وہ ایک مادّی و جماداتی جسم رکھتا ہے اور انسان کا جسم بحیثیت جسم جماداتی صفات کا حامل ہے کیونکہ جمادات کی صفات ہیں طول، عرض، حجم، عُمق، جنہیں ابعاد اربعہ کہا جاتا ہے اور انسان کا جسم بھی یہی صفات رکھتا ہے اس لئے اس کے جسم کیلئے مسجود جمادی مقرر ہوا ہے مگر انسان کی روح جمادی صفات سے ماوریٰ ہے وہ امری جسم رکھتی ہے اس لئے اس کیلئے امری قبلہ مقرر ہونا لازم ہے اور ان پاک انوار کے ظاہری ابدان و جسم ہائے اطہر بظاہر بشری لباس سے ملبّس تھے مگر حقیقتاً اجسام امری تھے اس لئے قبلۂ روحی ان انوار اِلٰہیہ علیہم الصلوات والسلام کے جسم ہائے اطہر تھے

آپ سوچیں گے کہ کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے کہ کبھی کسی نے ایسا عمل کیا اور آئمۂ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام نے اسے نہ روکا ہو؟ آیئے آپ کو ذرا ماضی میں لے چلتا ہوں

393 ہجری 17 ماہ رمضان منگل اور بدھ کی درمیانہ رات 20 اور 21 جولائی کی درمیانہ رات سن 1003 عیسوی جمگران کا علاقہ ہے

جناب حسن بن مثلہ جمگرانی اعلی اللہ مقامہ سے روایت ہے انہیں امام زمانناعجل اللہ فرجہ الشریف نے یاد فرمایا (یہ ایک طویل واقعہ ہے جو اکثر کتب غیبت نے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ) جب جناب حسن بن مثلہ اعلی اللہ مقامہ بارگاہ امام زمانناعجل اللہ فرجہ الشریف میں حاضر ہوئے تو انہوں دیکھا کہ جہاں آج مسجد جمگران ہے اسی مقام پر ایک بہت بڑا عبقری قالین آراستہ ہے اس پر ایک مسند آراستہ ہے اس پر ایک تکیہ موزوں کیا ہوا ہے اس کے سہارے ایک تیس سال کے عین جوان شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف فرما ہیں اور ان کے سامنے جناب خضر علیہ السلام یک کتاب اور قلم ہاتھ میں لئے کچھ لکھ رہے ہیں اور امام علیہ الصلوات والسلام خود لکھوا رہے ہیں اسی واقعہ کے ضمن میں وہ بیان کرتے ہیں جسے بحارالانوار جلد 53 صفحہ 230 پر بھی بیان کیا گیا ہے

☆و حوله اكثر من ستين رجلا يصلون فی تلك البقعة

(میں نے دیکھا کہ) ساٹھ سے زیادہ صالحین واصحاب امام علیہ الصلوات والسلام کے چاروں طرف ہالہ بنائے مصروف نماز ہیں، حسن بن مسلم کاشتکار کے پاس اور شیخ جعفر کاشانی کے پاس جانے کے واقعات ترک کرتا ہوں، اس واقعہ میں آپ اسی فقرے پر غور کریں کہ جو لوگ امام علیہ الصلوات والسلام کے چاروں طرف نماز پڑھ رہے تھے تو کیا یہ سوچا جا سکتا ہے کہ کسی نے ان کی طرف پشت کی ہوئی ہوگی؟

حقیقت یہ ہے کہ خاصان الٰہی سلام اللہ علیہم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو قبلۂ حقیقی قرار دے کر مصروف نماز تھے، اسی لئے جناب آغا خمینیؒ نے پرواز در ملکوت میں قبلہ کے بیان میں فرمایا ہے کہ یہ انوار مطہرہ قبلہ قرار پانے کے زیادہ مستحق تھے مگر نو مسلمین کے اعتراضات کی وجہ سے انہوں نے خود کو قبلہ قرار نہ دیا پھر فرماتے ہیں قبلہ قرار پانے

کے تو بیت اللہ سے بھی زیادہ مستحق وہ مقامات ہیں کہ جن مقامات کو ان پاک انوار علیہم الصلوات والسلام نے آخری آرامگاہ قرار دیا ہے مثلاً کربلا معلیٰ و نجف الاشرف وغیرہ (خلاصہ)

ممکن ہے کوئی شخص جناب آغا خمینیؒ کے فرمودات پر شک یا اعتراض کرے اس کیلئے عرض کروں گا کہ اس دور میں جزائر خضرا (Barmuda Triangle) برمودا ٹرائی اینگل کے وجود کو تمام دنیا کے سائنسدانوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے، اب اسی کے حوالے سے ایک بات عرض کرتا ہوں کہ اس میں رہنے والے سارے لوگ مالی طور پر متمول اور امیر لوگ ہیں اور وہاں غربت نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے جس کا ذکر جناب علی بن فاضل مازندرانیؒ اور جدید دنیا کے سائنس دانوں نے بھی کیا ہے

اب کلام مقدس میں ایک آیت ہے

☆وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ الله غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ ......(آل عمران آیہ 97)

یہی وہ آیت ہے جو حج کو واجب مشروط بہ شرط استطاعت کرتی ہے یعنی جو صاحب مال ہے یعنی اس کے پاس حج کا خرچ موجود ہو تو اس پر حج واجب ہے اور استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والے کو کافر بھی کہا گیا ہے اور اس سے اللہ نے اعلان بیزاری بھی کیا ہے

اب کوئی شخص یہ بتائے کہ کیا کبھی کوئی کاروانِ حجاج ان جزائر سے بھی آیا ہے؟

اگر نہیں آیا تو کیا ان لوگوں پر حج واجب نہیں ہے حالانکہ وہ صاحب استطاعت ہیں؟

www.khrooj.com

اگران پر حج واجب بھی ہے اور صاحب استطاعت بھی ہیں تو پھر وہ حج کہاں ادا کرتے ہیں جبکہ دنیا میں بیت اللہ ایک ہی مانا جاتا ہے

میں تو صرف یہی بات عرض کرسکتا تھا اب جو شخص جناب آغا خمینیؒ پر اعتراض کرتا ہے وہ اس مسئلے کو حل فرمالے تو اس کا ان پر وارد اعتراض خود بخود رفع ہو جائے گا

اب یہاں کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اہالیان جزائر خضرا امام زمانا عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت کر کے مناسک حج ادا فرما لیتے ہوں گے تو یہ بات بھی قرین قیاس نہیں ہے

اس کا جواب یہ کہ ہمارے مناظرین وعلمائے کرام اپنے مناظروں کے درمیان ایک ایسی آیت پیش کرتے ہیں کہ جس سے وہ کئی سو متنازعہ مسائل پر استدلال کرتے رہے ہیں یعنی مسئلۂ خلافت سے لے کر مسئلۂ بنات تک اس سے استدلال کرتے رہے ہیں ہم بھی اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے

☆إِنَّا أَرۡسَلۡنَا إِلَيۡكُمۡ رَسُولاً شَاهِداً عَلَيۡكُمۡ كَمَا أَرۡسَلۡنَا إِلَى فِرۡعَوۡنَ رَسُولاً...... (سورہ مزمل 15)

اس آیت میں شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیا گیا ہے اور اس امت کو جناب موسیٰ علیہ السلام کی امت یعنی بنی اسرائیل کی مثال قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں امتوں میں اتنی زیادہ مطابقت کا ذکر ہوا ہے کہ

☆حذوا النعل بالنعل

جیسے ایک پاؤں کا جوتا دوسرے پاؤں کے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے اسی طرح یہ دونوں امتیں ایک دوسرے کی مشابہ ہیں اور یہاں تک فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل کا کوئی ایک شخص کسی چیونٹی کے بل میں گھسا تھا تو اس امت کا بھی کوئی شخص چیونٹی کی

www.khrooj.com

بل میں ضرور گھسے گا جب اتنی قوی مماثلت ہے تو اس مسئلے پر بھی ہمیں استدلال کرنے کا حق ہے

تبیان الکل شیٍ کی مصداق کتاب میں ہے

☆وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتاً وَاجْعَلُواْ بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ...... (یونس آیہ 87)

ہم نے جناب موسیٰ و جناب ہارون علیہما السلام کو وحی فرمائی کہ آپ ان کیلئے شہر میں گھر بنوائیں اور اپنے گھروں کو اس قوم کیلئے قبلہ قرار دیں اور نماز کو قائم کریں اور مومنین کو بشارت دیں

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ماضی میں حجت دوراں اور ان کے اوصیا کے گھروں کو قبلہ قرار دیا جاتا تھا اور انہی کا سجدہ اللہ کا سجدہ قرار پاتا تھا کیونکہ یہ امت بھی بنی اسرائیل کی مشابہ امت ہے اس لئے اس دور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اوصیائے برحق علیہم الصلوات والسلام کے گھروں کو قبلہ قرار دیا جا سکتا ہے اور وہاں مناسک ادا کیئے جا سکتے ہیں

اس قرآنی ثبوت کے بعد اب کسی کو آغا خمینیؒ کے فرمان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا اور انہیں مان لینا چاہئے کہ ان پاک انوار علیہم الصلوات والسلام کے گھروں کا سجدہ ان کی تعظیم قرار پاتا ہے اور ان کے گھروں کا سجدہ اللہ کیلئے سجدۂ عبادت قرار پاتا ہے

اب میں یہ بات کھل کر کہنے کی پوزیشن میں ہوں کہ جب ہمارے شہنشاہ معظم سرکار حجت القائم عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور اجلال ہوگا تو اس وقت کے مومنین اسی پاک ذات کے سامنے سر عبودیت خم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے سرفراز ہوں گے اور

اس وقت کوئی ایسا فرد موجود ہی نہیں ہوگا کہ جو ایسے عوامل کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ سکے کیونکہ اس وقت تو تمام ظالمین مع ظلم، تمام فاسقین مع فسق، تمام مشرکین مع شرک اور تمام منافقین مع اپنی منافقت کے نیست و نابود ہو چکے ہوں گے اور تمام دنیا پر ہی نہیں بلکہ تمام کائنات پر ایک ہی دین ''اسلام'' رائج و نافذ ہوگا

دعا ہے کہ وہ دن ابھی ابھی آ جائے کہ جب یہ زمین ظلم اور ظالمین سے مکمل طور پر پاک ہو جائے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمٌ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہٗ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

ظاہر و باطن

اے پروازیان افق عرفان !

پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا

☆قال ابو عبدالله علیه الصلوات والسلام یا میثم التمیمی انّ قوماً آمنوا بظاهر و کفروا بالباطن فلم ینفعهم شیئاً و جاء قوم من بعدهم فآمنوا بالباطن و کفروا بالظاهر فلم ینفعهم ذالك شیئا و لا ایمان بظاهر الا بباطن و لا بباطن الا بظاهر ...... (بحارالانوار ج24 ص302 طبع بیروت)

فرمایا کہ ایک قوم ہوگی جو ہمارے ظاہر پر ایمان لائے گی لیکن وہ ہمارے باطن سے کفر کرے گی اس کفر کی وجہ سے اسے اس ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس کے بعد ایک اور قوم ہوگی جو ہمارے باطن پر ایمان لائے گی لیکن وہ ہمارے ظاہر سے کفر کرے گی اس کفر کی وجہ سے اسے اس ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا فرمایا ظاہر پر ایمان لانا باطن پر ایمان کے بغیر کوئی نفع نہ دے گا اور باطن پر ایمان لانا ظاہر پر ایمان لانے کے بغیر کوئی فائدہ نہ دے گا یعنی نہ ہی اکیلا ظاہر پر ایمان کافی ہے اور نہ ہی اکیلا باطن پر ایمان کافی ہے...... آیئے ذرا اس حدیث کے اسرار کو حتیٰ المقدور

www.khrooj.com

سمجھنے کی کوشش کریں

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جتنے بھی ادیان و مذاہب ہوتے ہیں ان کے دو پہلو ہوتے ہیں یعنی کوئی مذہب ایسا نہیں ہے کہ جس کے یہ دو پہلو نہ ہوں

نمبرایک ......عملی پہلو ہوتا ہے اور نمبر دو......نظری پہلو ہوتا ہے

عملی پہلو میں اعمال وفرائض دینی اور عبادات واخلاقیات وغیرہ آ جاتے ہیں اس میں فرد کے فرد سے تعلقات ،فرد سے ہم مذہب جماعت کے مابین تعلقات ،فرد کے سوسائٹی (Society) ومعاشرے کے تعلقات ،فرد کے دیگر مذاہب کے لوگوں سے رویے کے راستے متعین ہوتے ہیں یعنی انسان کے معاشرے میں رہنے کے انداز اور رویوں کی حد بندی کی جاتی ہے اوراس کے اصولِ معاشرت بیان ہوتے ہیں اورساتھ ہی فرد کا خالق سے کیا رویّہ ہونا چاہئے یہ بھی اسی عملی پہلوئے مذہب میں بیان کیا جاتا ہے

نظری پہلو میں عقائد ونظریات کی فہرست فراہم کی جاتی ہے یعنی عالم ماوریٰ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا ہے اور اس میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اللہ اوراس کی صفات اوراس کے فرشتوں ،انبیا ،حیات بعد الموت ،حشر وقیامت ،اس کے جملہ نمائندوں سے لے کرمرشد وراہنما تک سب کے بارے میں جوعقائد رکھنا ہوتے ہیں اس کی تفصیل ہوتی ہے

بلاتشبیہ معصومین علیہم الصلوات والسلام بھی دین مجسم ہیں اس لئے ان کے بھی دو پہلو ہیں ایک عملی اوردوسرانظری ......ان ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام کا جوعملی پہلو ہے وہ ان کا ظاہر شمار ہوتا ہے اور جونظری پہلو ہے وہ باطن شمار ہوتا ہے اس لئے ایک متوازن نظریہ وہی

ہو گا جو ان کے ظاہر اور باطن دونوں کو سامنے رکھ کر اختیار کیا جائے گا اور جب بھی ان دونوں میں سے کسی میں افراط وتفریط پیدا ہو گی نظریہ غیر متوازن ہو جائے گا اور انسان کی فکر میں اور عقیدے اور عمل میں بیلنس(Balance) نہ رہے گا اس لئے فرمایا گیا ہے کہ ان میں سے کسی ایک پر ایمان کامل ہونے کے باوجود یہ ایمان نفع بخش نہ ہو گا

اگر ہم اس کے عواقب پر غور کریں تو ہمیں یکطرفہ ایمان کے مفاسد فوراً نظر آ جاتے ہیں مثلاً اگر ہمارا اکیلا ظاہر پر ایمان ہو گا تو اس سے ہم روحانی رابطے سے محروم ہو جائیں گے، ان کے فضائل سے انکار ہونا شروع ہو جائے گا اور ان کا مقام ایک مولوی یا مجتہد سے زیادہ باقی نہ رہے گا اور یہ تقصیر کی حد میں داخل ہونے کے مترادف ہے

جب انسان ان کے ظاہر پر شدت سے عقیدہ رکھے گا تو پھر ایک حد ایسی بھی آ جائے گی جسے کفر کہنا ناگزیر ہو گا کیونکہ صرف ظاہر سے رابطہ اور ظاہر بینی کفّار نے کی تھی اور انہوں نے باطن سے کفر کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ ظاہر کا رابطہ کافی نہیں ہوتا بلکہ انوار اِلٰہی سے باطنی رابطہ ہی روحانیت اور دین و ہدایت کے ابواب کھول سکتا ہے

ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام سے ہم دو طرح سے استفادہ کر سکتے ہیں ایک استفادۂ جسمانی وظاہری ہوتا ہے اور دوسرا استفادۂ معنوی وروحانی ہوسکتا ہے

استفادۂ معنوی ظاہر سے نہیں ہوتا وہ باطن سے ہوتا ہے اس میں شرط بھی نہیں ہے کہ جو بھی کر لے اسی طرح استفادۂ جسمانی ان کے ظاہر سے ہوتا ہے مگر وہ مشروط ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا رویّہ یا معاملہ ہمیشہ ظاہر سے متعلق ہوتا ہے اور عقیدہ اورعرفان باطن سے متعلق ہوتا ہے، دین میں تنہا نظری پہلو محرومی ہی محرومی ہے اور تنہا عملی پہلو گمراہی ہی گمراہی ہے، بدبختی ہی بدبختی ہے

آپ سوچیں گے کہ میں نے ایسا کیوں کہا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کا صرف ظاہر پر عقیدہ ہوتا ہے تو گمراہ کر دیتا ہے جیسا کہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا جب ابلیس انسان کی برائی سے ناامید ہو جاتا ہے تو اسے بے معرفت عبادات میں لگا دیتا ہے

اس طرح انسان معنوی اور روحانی لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور روکھی پھیکی عبادات پر انحصار کر لیتا ہے اور عمل کا ہو کر رہ جاتا ہے اور خالق اور مخلوق کے مابین اللہ سبحانہ نے جنہیں وسیلہ قرار دیا ہے ان سے منہ موڑ لیتا ہے اور خود عبادت کے بل بوتے پر نجات کا حصول چاہتا ہے۔

آپ خوارج کے حالات پڑھ کر دیکھیں ان کے نوجوانوں کی راتیں مصلیٰ پر گریہ و زاری میں گزرتی تھیں اور رات بھر تڑپ تڑپ کر روتے تھے اور دن کو سارے روزہ دار ہوتے تھے، مگر نتیجہ کیا نکلا؟ انہیں گمراہی اور بدبختی کے سوا کیا ملا؟

سچ تو یہ ہے کہ ظاہری اور عملی پہلو فروعات سے تعلق رکھتا ہے اور نظری پہلو اصول دین وعقیدے سے تعلق رکھتا ہے اور جب تک اصول درست نہ ہوں عمل بیکار ہوتا ہے، جب ہم عملی پہلو کی افادیت کا جائزہ لیتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ عملی پہلو ہی جزا کو متعین کرتا ہے اور اس کا مستحق بناتا ہے، جزا چاہے مال دنیا کی شکل میں ہو یا عقبیٰ کی شکل میں، یا دعائے تعجیل کی اجابت کی شکل میں، اس کا استحقاق بنتا ہے کیونکہ دعا اور

انتظار بھی ایک عمل ہی ہے اور اس کی جزا کا استحقاق ہی استجابت وقبولیت کی شکل میں ملتا ہے۔

میں نے یہ بھی کہا ہے کہ صرف باطن پر ایمان محرومی ہی محرومی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم فرض کرلیں اگر کوئی شخص معصومین علیہم الصلوات والسلام کو اللہ مان لے تو پھر وہ ساری ابدی سعادتوں سے محروم ہو جائے گا لیکن انہیں اللہ ماننا ناممکنات میں سے ہے

میں نے اس بات کو ناممکن کیوں کہا ہے؟ میں نے اللہ ماننے والے عقیدے کو ناممکن اس لئے کہا ہے کہ بے یقینی سے حق الیقین تک کئی درجات ہیں سب سے پہلے ظن یعنی گمان کے درجات آتے ہیں۔

ریب، شک، احتمال، ظن، اس کے بعد ظن غالب، پھر ظن اطمینان کی منزل آتی ہے انہی ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا ہے کہ ''امرنا صعب او مستصعب''

یعنی ہمارا امر مشکل ترین ہے اس کا متحمل نہ کوئی ملک مقرب ہوسکتا ہے، نہ کوئی نبی مرسل، نہ مومن ممتحن، بلکہ وہی ہوسکتا ہے جسے ہم چاہیں

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے راز ظنی نہیں بلکہ عملی ہیں یہ کہنا کون سا مشکل ہے کہ یہ اللہ ہیں انسان بتوں کو بھی خدا کہہ دیتا ہے لیکن یہ صرف ''بیانِ کیفیت'' تک محدود بات ہے جو کسی طرح مؤثر نہیں ہے اصل بات تو ''حصولِ کیفیت'' ہے اور ''حصولِ کیفیت'' تو امام وحجت کا وزن اٹھانے کے برابر ہے جو کسی کے بھی بس کا روگ نہیں ہے۔

اس کیلئے آپ کو ایک واقعہ یاد دلاتا ہوں آپ کے سامنے میں نے بیان کیا تھا کہ ایک جماعت شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ آقا ہمیں اپنے اسرار میں سے کچھ عطا فرمائیں آپ نے ان سے فرمایا آپ اس کے

www.khrooj.com

متحمل نہ ہوسکیں گے جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا تم اپنی جماعت میں سے ایک شخص کو منتخب کرو جو تم میں سے زیادہ برداشت کا حامل ہو اسے یہاں رہنے دو باقی باہر چلے جاؤ، انہوں نے امر کی تعمیل کی اور صحت مند نوجوان کو بارگاہ میں پیش کیا اور باقی سب لوگ باہر چلے گئے، تھوڑی دیر بعد ان سب کو یاد فرمایا جب وہ لوگ واپس آئے تو اس نوجوان کو نہ پہچان سکے کہ جسے امام علیہ الصلوات والسلام نے اپنا ایک راز بتایا تھا کیونکہ اس راز کے حصول سے قبل وہ جوان تھا جب اس پر راز کا وزن پڑا تو ضعیف ہو گیا سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے اور اس کی کمر جھک چکی تھی اور وہ بات جو آپ نے فرمائی تھی وہ بھی بھول چکا تھا اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اس میں بھی اسی کی خیر ہوئی ہے کہ اسے ہماری بات یاد نہیں رہی ورنہ یہ مر جاتا۔

ثابت ہوا کہ انہیں اللہ ماننا تو کجا حقیقی معنی میں حجت ماننا بھی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے، آپ خود غور کریں کہ ہم کہتے ہیں ''وہ حاضر ہیں'' حقیقت میں یہ ہمارا ظن اطمینان ہے کیونکہ ظن کے کئی درجات ہیں جن کا آخری درجہ ظن اطمینان ہے اور ظن اطمینان کے بعد یقین کے درجات شروع ہوتے ہیں۔

یقین کا پہلا درجہ ''علم الیقین'' ہے اور علم الیقین سمعی ہوتا ہے یعنی انسان کسی سے سنتا ہے کہ یہ بات ہے اور اس کہنے والے کی بات پر یقین کر لیتا ہے اس کا نہ خود مشاہدہ کرتا ہے اور نہ ہی اس کی آپ بیتی ہوتی ہے......اس کے بعد ''عین الیقین'' کا درجہ آتا ہے یعنی اس نے ایک کام کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس پر یقین ہو گیا اس کے بعد ''حق الیقین'' کی منزل آتی ہے، اس بات کو میں ایک اور طرح سے بیان کرتا ہوں مثلاً

آپ نے سنا کوئی پندرہ فٹ کی دیوار سے گر جائے تو اس کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے اور آپ کو یقین آ گیا یہ یقین علم الیقین ہے

پھر آپ نے دیکھا ایک شخص اس دیوار سے گرا اور اس کی ٹانگ ٹوٹی اور آپ نے اس کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز بھی سنی اور یقین پختہ ہو گیا یہ عین الیقین ہے

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ اس دیوار سے گرے اور ٹانگ ٹوٹ گئی اس واقعے سے جو یقین آپ کو حاصل ہو گا وہ حق الیقین ہو گا

حقیقت یہ ہے کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے حاضر و موجود ہونے کے بارے میں ہمارا یقین علم الیقین کی حد تک بھی نہیں پہنچا بلکہ ابھی تک ظن اطمینان تک پہنچا ہے

ہمیں بچھو کے کاٹنے کا علم الیقین ہے کیونکہ یا تو اس نے کبھی ہمیں کاٹا ہے یا ہم نے اسے کسی شخص کو کاٹتے دیکھا ہے اس لئے ہم اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں لیکن جس طرح ہم اس کے ضرر سے خود کو بچاتے ہیں اس طرح دینی مضرات سے نہیں بچتے کیونکہ ہمارا یہ صرف اور صرف ظن ہی ہے اس لئے اس کے نقصان سے نہیں ڈرتے۔ میں اپنے مقصد کی طرف واپس آتا ہوں

تو دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام کے ظاہر سے کفر و انکار ایک لامتناہی محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں ''باطنیہ'' سکول آف تھاٹ (School of thought) ہی کے خلاف ہوں جبکہ ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ظاہر کو ایک دم نظرانداز کر دینے سے انسان لاکھوں ابدی سعادتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

www.khrooj.com

باطنیہ

باطنیہ مسلک کے لوگوں کے بارے میں عرض کروں گا کہ یہ لوگ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے باطنی مقامات عالیہ ہی پر اکتفیٰ کرتے ہیں اوران کی ظاہری حیات طیبہ سے بالکل منکر ہوتے ہیں جبکہ میں یہ عرض کرر ہا تھا کہ ان کے ظاہر سے انکار کرنے سے انہیں تو کچھ نہ ہوگا مگر ہم محروم ہو جائیں گے۔

دیکھئے دوستو! ہم ماتم کرتے ہیں، عزاداری کرتے ہیں، گریہ وزاری کرتے ہیں، قمہ زنی، شمشیرزنی، زنجیرزنی کرتے ہیں اپنے جسموں سے خون بہاتے ہیں کبھی آپ نے سوچا ہے کہ یہ ہم کیوں کرتے ہیں؟

یہ سب کچھ ہم ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے ظاہر پر ایمان کی وجہ سے کرتے ہیں اگر ہم انہیں اللہ جیسی ذوات مان کر اسی پر اکتفیٰ کرلیں گے تو ہم ان مراسم عزا سے حاصل ہونے والی جملہ سعادتوں سے محروم ہو جائیں گے۔

کیونکہ جب ہم نے انہیں بشری احتیاجوں کے ماتحت فرض کیا تو تبھی عزاداری کر رہے ہیں اورعزاداری کے فوائد سے مستفید ہو رہے ہیں ورنہ ہم عزاداری نہ کرتے اوراس میں ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کا تو کوئی نقصان نہ ہوتا مگر ہم ابدی سعادتوں سے محروم ہو جاتے، اس لئے ان کا ظاہر ہمیں ابدی سعادتیں عطا فرمانے کیلئے ہے ان کے ظاہر سے اگر ہم منقطع ہو جائیں تو پھر ہم ان کی ذات سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے

تصورِ ولادت

جیسا کہ میں کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں کہ یہ اللہ کے ازلی انوار ہیں اور یہی عالم ممکنات

میں اوّل موجود ہیں، ان سے قبل اللہ جل سبحانہ کے علاوہ کوئی نہ تھا، انہوں نے جامۂ بشری پہنا اور ایک بچہ بن کر دنیا میں ظہور فرمایا۔ اب آپ ان کے اس ظاہری روپ کی افادیت کا اندازہ لگائیں کہ جن آغوش ہائے عاطفت کو انہوں نے عالم طفلی میں زینت بخشی، جن جن کنیزوں نے گود میں اٹھایا، جن جن غلاموں نے پیار کیا، جن لوگوں نے گہوارہ جنبانی کی، جن گلیوں میں کھیلے، جن جن لوگوں کو بچپن کا دوست بنایا، جن گھروں کو زینت بخشی، ان سب چیزوں کو کتنی ابدی سعادتوں سے نوازا ہے، اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ یوں سمجھ لیں کہ ان کا بچپن ایک جاری سمندر کی طرح ہے کہ جس سے لاکھوں چیزیں حیاتِ ابدی سے سیراب ہو رہی ہیں

بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ ان کی ساری حیاتِ ظاہری رحمت کا ایک بہتا ہوا دریا نظر آتی ہے بلکہ آبِ حیات کا لبالب بہتا ہوا دریا لگتا ہے جو ساری دنیا کو حیاتِ جاوید عطا فرما رہا ہو، ان کی ایک ایک خدمت کی عظمت کا اندازہ لگائیں کہ ملکوت بھی ان کی گہوارہ جنبانی کر کے استفادہ کر رہے ہیں، جنات بھی استفادہ کر رہے ہیں، حالانکہ ملکوت جانتے ہیں کہ یہ تو ازلی انوار مقدّسہ ہیں، انہیں کسی خدمت کی ضرورت نہیں ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ انہوں نے یہ روپ عالمین کے استفادے کیلئے اختیار کیا ہے اس لئے انہوں نے بھی استفادہ کرنے کیلئے آ کر گہوارہ جنبانی کی حتیٰ کہ سید الملائکہ جناب جبریلؑ بھی آ کر اس سعادت کو حاصل کر کے فخر کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان کے بچپن سے جتنا استفادہ کر سکتے ہو کر لو کیونکہ یہ تو آئے ہی ہمیں فائدہ پہنچانے ہیں ورنہ یہ تو انوار اِلٰہی ہیں جو نہ بچہ ہوتا ہے، نہ بوڑھا، بلکہ ہمیشہ جوان رہتا ہے بلکہ جوان کی ذات کے قُرب

www.khrooj.com

میں آ جاتا ہے اس پر بھی یہ باتیں اثر انداز نہیں ہوتیں

شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو خاصے فریقین نے لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے جب بھی کسی جانور کے بچے کو سواری کا شرف بخشا تو وہ فوراً جوان ہو گیا اور پھر کبھی بھی بوڑھا نہیں ہوا جیسا کہ شہزادہ علی اکبر علیہ الصلوات والسلام کا رہوار عقال (عقاب) تھا یہ دراصل شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رہوار تھا انہوں نے اسے شرف بخشا تو یہ جوان ہو گیا اور کربلا تک یہ بوڑھا نہیں ہوا حالانکہ اس کی عمر کربلا میں ایک سو دس سال تھی جبکہ عام گھوڑا تیس پینتیس سال سے زیادہ عمر نہیں پاتا، اسی بات سے آپ اندازہ کریں کہ ان کے ظاہر سے ملکوت سے لے کر حیوانات تک نے ابدی سعادتوں کو پایا ہے

تصور تقاضہ ہائے بشریت

اگر انہیں بشری تقاضوں سے ماوریٰ سمجھا جائے تو اگرچہ حق ہے مگر اس سے ان کا کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ الٹا ہمارا ہی نقصان ہوگا مثلاً اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ انہیں پیاس نہیں لگتی تو خود دیکھیں اس عقیدے سے کس کا نقصان ہوتا ہے؟

انہوں نے بارہا اپنے اصحاب سے فرمایا ''یا قنبرؓ اسقینی من الما'' اے قنبرؓ اے حبیبؓ ہمیں پانی پلائیں اگر وہ عرض کرتے کہ آپ تو اللہ کا نور ہیں آپ کو پیاس ہی نہیں لگتی یا یہ عرض کرتے کہ آپ جناب موسیٰ کی طرح اپنے قریبی پتھر سے پانی نکال سکتے ہیں تو ہمیں تکلیف کیوں دیتے ہیں یا یہ کہتے کہ آپ تو پتھروں میں سے پانی کے چشمے جاری فرما سکتے ہیں اپنے دہن مبارک ہی میں چشمۂ آب جاری فرمالیں تو

سوچیں اس جواب سے کس کا نقصان ہوتا؟ وہ ذات تو واقعی بھوک اور پیاس سے بے نیاز تھی مگر وہ ایک جام پیش کرنے کے بدلے میں جو کچھ ہمیں عطا فرمانا چاہتے تھے ہم ہی اس سے محروم ہو جاتے، ان کا کیا نقصان ہوتا؟

نتیجہ ءِ کلام یہ ہے کہ ہم ان کے ظاہر سے فائدہ تبھی اٹھا سکتے ہیں جب ان کے باطن کے ساتھ ان کے ظاہر پر بھی ہمارا ایمان کامل ہوگا ورنہ ہم ہی محروم ہوں گے

آپ خود دیکھیں وہ کتنے خوش نصیب ہیں جنہیں ازلی وابدی سعادتیں صرف اسی لئے ملی ہیں کہ ان کا ان کے ظاہر پر کامل ایمان تھا واقعۂ کربلا میں دیکھیں وہ کتنے ازلی سعید تھے جنہوں نے ان کی تشنگی کو سامنے رکھ کر اپنی جانیں نچھاور کی ہیں اور ابدی سعادتوں سے اپنی جھولیاں بھرلی ہیں

شب عاشور جناب بریر ہمدانی کے ساتھ کئی جوان پانی لینے جاتے ہیں اور نہر کے کنارے شہید ہو جاتے ہیں اور سعادتِ ابدی سے سرفراز ہوتے ہیں روز عاشور کتنے جوان ہیں جو اس ظاہری پیاس پر قُربان ہوتے ہیں کیا نعوذ باللہ انہیں ہم مقصر کہہ سکتے ہیں؟

اگر کوئی یہ بات کہنے کی جسارت کر بھی لے تو اسے یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جتنے بھی آئمۂ معصومین علیھم الصلوات والسلام نے شہدائے کربلا کی کربلا میں زیارت کی ہے انہوں نے ان سے مخاطب ہو کر یہ فقرہ ضرور فرمایا ہے☆ بابی انت و امی کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قُربان ہوں آپ نے تو فوز عظیم (عظیم کامیابی) کو پالیا ہے

اور یہ بات بھی نہیں بھولنا ہوگی کہ آئمۂ معصومین علیھم الصلوات والسلام کسی کے تقصیر یہ فعل پر اس طرح نہیں فرما سکتے، اب پھر اسی بات کا اعادہ کروں گا کہ ان کا ظاہر ہمیں نوازنے

www.khrooj.com

کیلئے ہے ہماری جھولی میں کچھ ڈالنے کیلئے انہوں نے ظاہر کو اختیار فرمایا ہے اور اس پر ایمان لانا اتنا ضروری ہے کہ ہمیں ہر زیارت میں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ

☆امنت بسرکم و اعلانیتکم و بظاھرکم و باطنکم

ہم آپ کے اسرار و اعلان پر بھی ایمان لائے ہیں اور آپ کے ظاہر و باطن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

عارف قزوینی کا قول ہے وہ فرماتے ہیں ''میری زبان جلے جو میں آپ کو پیاسا کہوں مگر پیاسا اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ نے جو فرمایا جب بھی ٹھنڈا پانی پیو تو ہماری پیاس کو یاد کرو'' یعنی آپ نے خود کو پیاسا فرمایا ہے اسی لئے آپ کو پیاسا کہہ رہا ہوں ۔اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ظاہر پر ایمان اتنا ہی ضروری ہے جتنا ان کے باطن پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن ہمیں ان کے ظاہر پر نگاہ کر کے ان کے باطن کو اکدم بھول بھی نہیں جانا چاہئے ورنہ ہم (اللہ نہ کرے) تقصیر کے مرتکب ہو جائیں گے

پیاس اور باطن

جب ہم مصائب میں ان کی پیاس کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے اعلیٰ مراتب قدرت کو بھول جاتے ہیں اور انہیں ایک مجبور و بے بس اپنی طرح کا (نعوذ باللہ) ایک بشر تصور کر لیتے ہیں یہ باتیں ان کے باطن سے انکار کے مترادف ہوتی ہیں اور اس طرح ہمارا رویّہ ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں غیر متوازن ہو جاتا ہے اس لئے ہمیں مصائب کے واقعات میں ان کے باطنی مقامات عالیہ کو نہیں بھولنا چاہئے

www.khrooj.com

اس کیلئے ہمارے سامنے بہت سا تاریخی مواد موجود ہے جس سے ہم ایک متوازن عقیدہ قائم کر سکتے ہیں جیسا کہ ضامن غربا امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ الصلوات والسلام کا ایک واقعہ ہے جسے بہت سی کتب نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ نے مامون ملعون کے حکم سے مدینہ سے ایران کا سفر اختیار فرمایا تو راستے میں ایک مقام آتا ہے جس کا نام ''قریۃ الجمرا'' ہے، جب آپ کا کارواں وہاں پہنچا تو آپ نے وہاں فرمایا ہمیں پیاس لگی ہے پانی لاؤ۔

سارے لوگ پریشان ہو گئے کہ یہاں تو دور دور تک پانی کا نام ونشان تک نہیں ہے لیکن لوگوں نے پھر بھی اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر پانی نہ ملا تو آکر عرض کیا کہ مولا یہاں تو پانی نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے اس پر امام علیہ الصلوات والسلام نے ایک پتھر سے پانی کا چشمہ جاری فرمایا جو آج بھی اسی طرح جاری ہے اور زائرین تبرکاً اس کا پانی نوش کرتے ہیں ......(خلاصہ)

اسی طرح ابراہیم بن ادھم کا ایک واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابراہیم نے سفر حج اختیار کیا راستے میں اس نے شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات والسلام کی دستار کے وارث امام زین العابدین علیہ الصلوات والسلام کی زیارت کی اور دیکھا کہ آپ پیدل سفر حج میں مصروف ہیں اور سامان خورد ونوش آپ کے ساتھ نہیں ہے وہ بہت حیران ہوئے، المختصر انہوں نے ایک منزل پر دیکھا صحرا سے ایک جوان آئے اور انہوں نے آکر سامان خورد ونوش پیش کیا جب انہوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ جناب خضر علیہ السلام تھے

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ دوران حج امام زین العابدین علیہ الصلوات والسلام کو ایک شخص نے بے سروسامانی کے عالم میں مصروف سفر پایا اور ایک منزل پر دیکھا کہ

آپ نے صحرا کی ریت اٹھائی اوراپنے کاسے میں ڈالی اوراس میں پانی ملا کرنوش فرمایا تو راوی نے عرض کیا کہ آپ نے کیا نوش فرمایا ہے؟ جواباً فرمایا ہم نے ستو نوش فرمائے ہیں راوی نے عرض کیا اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہمیں بھی اس نعمت سے مستفید فرمائیں تو آپ نے اسے اس میں سے کچھ عطا فرمایا وہ راوی کہتا ہے کہ اس جیسی لذیذ چیز میں نے پہلے نہیں کھائی تھی اوراس کا اثر یہ ہوا کہ میں نے پورا سفر حج کیا اور مجھے پھر نہ بھوک لگی اور نہ پیاس محسوس ہوئی حالانکہ وہ گرمی کا موسم تھا یہ تو ان کے بیت اطہر کے پاک افراد علیہم الصلوات والسلام کے واقعات تھے حقیقت یہ ہے کہ ایسے واقعات اس در اطہر کی کنیزوں کے بھی مشہور ہیں جیسا کہ جناب بیبی ام ایمن سلام اللہ علیہا کا ایک واقعہ ہے کہ وہ یمن سے حج کیلئے روانہ ہوئیں راستے میں سامان خوردو نوش ختم ہوگیا اور شدید گرمی میں لو چلنے لگی تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور عرض کیا خالق تو کیسا میزبان ہے جس نے ہمیں اپنے گھر بلایا ہے اور جب ہم صحرا میں پھنس گئے تو سامان خوردونوش سے بھی محروم کردیا ہے اورصورت حال یہ ہے کہ ہم نہ واپس گھر جا سکتے ہیں اور نہ تیرے گھر آ سکتے ہیں حالانکہ تو جانتا ہے کہ میں ملکۂ عالمین بی بی صلوات اللہ علیہا کی کنیز ہوں اب ان کی کنیزی کے حوالے سے تو ہی کچھ انتظام فرما ابھی یہ بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ایک مائدہ یا ایک جام ستو سے لبریز سامنے آیا انہوں نے نوش فرمایا اور شکر کیا

اس واقعہ کی اہم بات یہ ہے کہ یہ بی بی سلام اللہ علیہا اس واقعہ کے بعد سات سال بروایت دیگر بائیس سال زندہ رہیں ان بائیس برسوں میں نہ انہیں پھر کبھی بھوک لگی اور نہ کبھی پیاس محسوس ہوئی اور نہ ہی گرمی لگی نہ سردی، جبکہ اہل خانہ انہیں آزمانے کیلئے شدید

گرمی کے موسم میں دھوپ میں کام پر لگاتے تھے کہ مبادہ انہیں پیاس محسوس ہو مگر پیاس لگنا تو کجا کبھی پانی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتی تھیں اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وہ ان بشری احتیاجوں سے بے نیاز ہوگئی تھیں

نتیجہ

اب ان واقعات سے خود اندازہ کریں کہ جب ان کی کنیزیں بھی چاہتی ہیں تو ایسے اسبابِ خورد ونوش حاصل کر لیتی ہیں کہ جنہیں ایک بار استعمال کرنے سے پوری زندگی کیلئے خورد ونوش سے بے نیاز ہوسکتی ہیں تو کیا ان کنیزوں اور غلاموں کے مالک مجبور محض اور ہماری طرح بے بس ولاچار ہوسکتے ہیں؟

اسی بات کو امام محمد باقر علیہ الصلوات والسلام نے واضح فرمایا کہ امام کے سامنے یہ کائنات ایک اخروٹ کی مثال ہے، جیسے اس کا جی چاہے اس میں تصرف فرما سکتا ہے پھر فرمایا یہ ساری کائنات امام کے سامنے ایک دسترخوان کی طرح ہے اس کائنات کے جس گوشے سے جو چیز اٹھانا چاہے ایسے اٹھا سکتا ہے جیسے آپ لوگ دسترخوان سے کوئی چیز اٹھا لیتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجبور ولاچار نہ تھے بلکہ ان کی بھوک اور پیاس اختیاری تھی اس حقیقت کو سمجھانے کیلئے ایک مثال دیتا ہوں

ایک آدمی صحرا میں جا رہا ہے سامان خورد ونوش ختم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی طرف سے ساری کوششوں کے باوجود پانی حاصل نہیں کر سکتا اور پیاسا مر جاتا ہے یہ ایک علیحدہ کیفیت ہے لیکن ایک شخص گھر میں موجود ہے اس کے سامنے دسترخوان لگا ہوا ہے

بیسیوں اقسام کے کھانے اورمشروبات اس کے سامنے ہیں اور اسے بھوک اور پیاس بھی لگی ہوئی ہے مگر کھاتا پیتا نہیں ہے کیونکہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے اور ابھی افطار کے وقت میں کچھ دیر باقی ہے اور وہ اس کا انتظار کر رہا ہے یہ ایک علیحدہ کیفیت ہے

ان ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام کی کیفیت اس پہلے شخص والی نہیں ہے کہ وہ مجبوراً بھوکا پیاسا بیٹھا ہوا ہے بلکہ ان کی مثال اس دوسرے شخص والی ہے کہ جس کا روزہ ہے اس حقیقت کو بس اس طرح سمجھیں کہ ان ذوات متعالیہ نے رضائے اِلٰہی کا روزہ رکھا ہوا تھا اس لئے پیاسے تھے اور بھوکے بھی تھے مگر ہمیں ان کے اس ظاہر پر ایمان لانا ضروری ہوگا اور ان کے باطن سے انکار بھی ہمیں گمراہی کی طرف لے جائے گا

اس لئے ایک متوازن عقیدہ تب بن سکتا ہے جب ان کے باطن اور ظاہر دونوں کو ملا کر بنایا جائے ، ان کی ظاہری بھوک اور پیاس پر جانیں نثار کرنے والوں نے ابدی سعادتیں پائیں پھر ان کے اکیلے ظاہر پر نگاہ کر کے اور باطن سے انکار کر کے دشمنان توحید نے ابدی ہلاکتوں کو گلے سے لگایا ہے

ان کے ظاہر پر ایمان لانے کی وجہ سے ہزاروں لوگوں نے اشک بہا کر اپنی نجات کو یقینی بنایا ہے اور ان کے اکیلے ظاہر پر نگاہ کر کے ان کی بھوک اور پیاس سے خوش ہونے والوں نے ابدی جہنم میں اپنے مقامات سافلہ خریدے ہیں اس لئے ان کے ظاہر و باطن دونوں پر جب تک ایک متوازن عقیدہ نہ ہوگا انسان ہلاکت اخروی کے قریب ہوگا

اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے ظاہر و باطن دونوں پر بیک وقت ایمان رکھیں اور

چونکہ اس دنیا میں ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام نے اپنا باطن ظاہر نہیں فرمایا اس لئے ہم ان کے ظاہر کے ساتھ جو رویہ رکھیں گے وہی رویہ ان کے باطن کے ساتھ شمار ہوگا قرآن کریم میں سورہ تکاثر کی آخری آیہ مبارکہ میں ارشاد رب العزت ہے کہ

☆ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ

ترجمہ...... پھر البتہ تم سے اس دن ''النعیم'' کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی

تفسیر صافی صفحہ 536 پر تفسیر عیاشی کے حوالہ سے درج ہے کہ شہنشاہ معظم سرکار امام جعفر الصادق علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا کہ النعیم سے مراد محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام ہیں یعنی قیامت کے دن ہر انسان سے یہی پوچھا جائے گا کہ تمہارا اپنے زمانہ کے امام کے ساتھ رویہ کیسا تھا......اجنبیوں والا، غیر جانبداروں والا، دشمنوں والا یا پھر مخلص دوستوں والا اور واضح رہے کہ اسی رویہ کی بنیاد پر ہی انسان کے جملہ اعمال کو پرکھا جائے گا اور جزا و سزا کی اساس بھی اسی رویہ پر ہی رکھی جائے گی یعنی آخرت میں ہمارا یہی رویہ ہی ہمارے لئے مقیاس الاعمال ہوگا

اب وہ وقت انشاء اللہ انتہائی قریب ہے کہ جب یہ پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام اس دنیا میں تشریف لے آئیں گے اور اپنے باطن کو ظاہر فرمانویں گے تب دنیا کو ان کی حقیقت باطنیہ معلوم ہوگی

سارے مل کر دعا کریں کہ ان رازوں سے کما حقہٗ پردہ ہٹانے والی ذات یعنی ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور اجلال جلدی ہو اور دشمن دین اللہ اپنے انجام کو پہنچیں

﴿آمین یا رب العالمین﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِم عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهٗ الشريف وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلىٰ آلِهٖ اَجمَعِين

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

ظاہر و باطن

اے ہم نشینانِ ہودج عرفان!

ہم نے کل آپ کے سامنے ایک حدیث بیان کی تھی کہ پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام نے فرمایا ہے کہ

☆قال ابو عبداللہ علیه الصلوات والسلام یا میثم التمیمی انّ قوماً آمنوا بظاھر و کفروا بالباطن فلم ینفعھم شیئاً و جاء قوم من بعدھم فآمنوا بالباطن و کفروا بالظاھر فلم ینفعھم ذالك شیئا و لا ایمان بظاھر الا بباطن و لا بباطن الا بظاھر ...... (بحارالانوار ج24 ص302 طبع بیروت)

ایک جماعت ہوگی جو ہمارے ظاہر پر ایمان لائے گی مگر ہمارے باطن سے کفر کرے گی انہیں اس ایمان سے کوئی نفع نہ ہوگا

اسی طرح ایک جماعت ہوگی جو ہمارے باطن پر ایمان تو لائے گی مگر ہمارے ظاہر سے کفر کرے گی انہیں بھی باطن پر ایمان لانا نفع نہ دے گا پھر (یاد رکھو) ظاہر پر ایمان لانا باطن پر ایمان لائے بناں بے سود ہے اور باطن پر ایمان لانا ظاہر پر ایمان لانے کے بغیر بے سود ہے

اس حدیث کے ضمن میں کل بھی گذارش کی تھی کہ ان ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام پر

اکیلا ظاہر پر ایمان بھی کافی نہیں ہے اور اسی طرح اکیلا باطن پر بھی ایمان کافی نہیں بلکہ ان کے ظاہر اور باطن دونوں پر ایمان کامل ہی ایک متوازن عقیدہ ہے، ان دونوں میں سے جس کا پلڑا بھی بھاری ہوگا عقیدہ غیر متوازن ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا رابطہ اور رویّہ ان کے ظاہر کے ساتھ ہوسکتا ہے نہ کہ باطن کے ساتھ۔

آپ اس پر غور کریں اگر کوئی آپ کی روح پر ایمان لائے اور آپ کے جسم کو بے سود اور اس کا غیر سمجھے اور اس کی عزت نہ کرے تو کیا اس کا آپ کے بارے میں رویّہ درست ہوسکتا ہے؟ یعنی آپ کسی کے سامنے آئیں اور وہ آپ کا احترام نہ کرے اور کہے کہ میں تو آپ کی روح کی عزت کرتا ہوں مگر اس جسم فانی کی میری نظر میں کوئی عزت نہیں ہے اور وہ آپ کے جسم کو وہ عزت نہ دے جو آپ چاہتے ہیں تو کیا آپ اسے دوست سمجھیں گے؟ یا اسے عقل مند بھی سمجھیں گے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ افراد کا رابطہ ہو یا رویّہ یا معاملہ وہ اس کے ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ باطن کے ساتھ، حقیقت یہ ہے کہ انسان جو رویّہ ظاہر کے ساتھ رکھتا ہے وہی اصل باطن کے ساتھ شمار ہوتا ہے اور یہ ظاہر اس باطن کے ساتھ تعلق اور رویوں کیلئے ایک وسیلہ ہوتا ہے اور اس کے بغیر باطن کے ساتھ نہ ہم حسن سلوک کر سکتے ہیں اور نہ اس کے ساتھ برے پیش آ سکتے ہیں اس لئے دوست کی دوستی اور دشمن کی دشمنی کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے

جو شخص خاندان پاک کے مقدّس افراد علیہم الصلوات والسلام کے صرف باطن پر یقین رکھتا ہے اور ان کے ظاہر کو (نعوذ باللہ) بے سود سمجھتا ہے وہ ان کے فیوض و برکات اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے ملنے والی ابدی سعادتوں سے محروم ہی رہتا ہے، ان

ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام نے یہ ظاہر اسی لئے پسند فرمایا ہے کہ ہماری جھولی میں ابدی سعادتیں ڈالیں اگر ہم اس ظاہر سے انکار کریں گے تو ان کا کچھ نہیں بگڑے گا خدا نہ کرے نقصان ہمارا ہی ہوگا، یہ دنیا میں تشریف لائے ظاہراً احتیاجات بشریہ کا اظہار کیا تو اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہ ہمیں کچھ عطا فرمانا چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ ان کی خدمت کرنے سے کیا کچھ ہمیں ملتا ہے ورنہ یہ تو خدمت سے بے نیاز ہیں اور ان کی خدمت کیلئے ارض وسما کے ملکوت ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور ان کی خدمت کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں

دیکھئے انہوں نے کہیں جانے کا ارادہ فرمایا ہمیں حکم دیا کہ ذرا گھوڑا لاؤ جواباً ہم عرض کریں کہ آپ کو گھوڑے کی کیا ضرورت ہے آپ تو آن واحد میں ارض سما کے فاصلے ناپ سکتے ہیں اگر چہ یہ ایک حقیقت ہے مگر وہ ہم سے جو خدمت لے کر ہمیں جو کچھ دینا چاہتے ہیں ہم اس سے محروم ہو جائیں گے کیونکہ ان کی نصرت اور خدمت میں ایک ایک سانس لینا لاکھوں کروڑں نمازوں سے ہزاروں سال کے روزوں اور لاکھوں کروڑوں حج اور عمرے سے بہتر ہے لاکھوں کروڑوں برس کی عبادات سے افضل ہے اب اگر ہم ان کی خدمت نہیں کریں گے تو یہ خزائن کیسے پائیں گے؟ اس میں ان کا تو کچھ نہیں جاتا نقصان کس کا ہوگا؟

جب آدمی یہ مان لیتا ہے کہ انہیں گرمی، سردی، بھوک، پیاس لگتی ہے زخمی ہو سکتے ہیں، اداس اور (نصیب دشمناں) غمزدہ ہو سکتے ہیں، غرض جس طرح ایک عام انسان کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے (نصیب دشمناں) انہیں بھی پہنچ سکتا ہے تو پھر وہ ان کی نصرت اور خدمت میں جو تگ و دو کرتا ہے وہی اسے ان کا دوست اور محبّ

ثابت کرتی ہے، اس ظاہر پر ایمان لانے سے آدمی جو نصرت یا خدمت یا قُربانی پیش کر کے جو سعادتیں پا سکتا ہے وہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتا

غور کریں ہماری عزاداری، یہ ماتم داری، زنجیر زنی، مجالس اور گریہ و بکا کیا ہے؟ یہ بھی ظاہر پر عقیدے کی بنیاد پر قائم ہیں اور اس سے کوئی شیعہ انکار نہیں کر سکتا کہ عزاداری کے فضائل سے کتابیں چھلک رہی ہیں اگر ہمارا اس ظاہر پر ایمان نہ ہوگا تو اس سے ملنے والی سعادتیں کیسے حاصل کر سکیں گے؟ اگر کسی کا ایسا عقیدہ ہو جو ان کے ظاہر سے انکار کی صورت میں ہو تو اس کا نقصان بھی کسی اور کا نہیں ہے خود اسی انسان ہی کا اپنا نقصان ہے

اسی طرح دعائے تعجیل فرج اور انتظار و گریہ و زاری بھی ظاہر کے ایمان ہی پر قائم ہیں فرض کریں یہ مان لیں کہ وہ تو اللہ کی طرح ہمیشہ سے حکومت فرما رہے ہیں اور ان کی حکومت اور راج جاری و ساری ہے تو پھر دعا و انتظار کا تصور بیکار ہو جائے گا، اور اس طرح نقصان کس کا ہوگا؟ ...... سچ تو یہ ہے کہ اکیلے باطن پر ایمان بے عملی، بیکاری، کام چوری بن جاتا ہے اس طرح انسان تزکیات نفس اور ریاضات اور معنوی مقامات کے حصول سے محروم ہو جاتا ہے یہ سارا نظام عمل ظاہر ہی پر ایمان لانے پر منحصر ہے ورنہ انسان کیلئے اعمال خیر باقی رہتے ہی نہیں ہیں اور نہ ان کا کوئی جواز رہتا ہے

اسی طرح احترام و ادب و مؤدت بھی ایمان علی الظاہر ہی پر قائم ہیں ورنہ کوئی یہ کہہ دے کہ ان کا ظاہر نعوذ باللہ بے سود ہے صرف باطن سے محبت کرنا ہے اور اسی کا احترام و ادب ہے تو یہ ناممکن و محال کے حصول کی کوشش ہے

www.khrooj.com

بعض فضائل کا بیان اس وقت ہوسکتا ہے جب ان کے ظاہر کو مانا جائے جیسے جنگوں میں شجاعت ہے یعنی خیبر، خندق، احد، بدر وغیرہ کے واقعات کو منظوم کر کے کتنے شعرا نے ابدی سعادتوں کو پایا ہے جیسے جناب اسماعیل حمیری اور جناب خلیعی کا واقعہ ہے۔

جناب خلیعی کا نام آیا ہے تو یہاں ان کا ذرا سا ذکر کر دینا آپ کیلئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، یہ اپنے زمانے کے بہت بڑے مداحِ امام حسین علیہ الصلوات والسلام تھے اور کثیر الکلام شاعر تھے، ان کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن انہوں نے ایک عجیب منت مانی انہوں نے یہ نذر مانی اے خالق تو مجھے ایک بیٹا عطا فرما میں منت مانتی ہوں جب وہ جوان ہوگا تو شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات والسلام کے زائرین کے قافلوں کو لوٹے گا

ان کے ہاں جناب خلیعی کی ولادت ہوئی جب یہ جوان ہوئے تو ان کی والدہ نے ایک دن ان کے سامنے اپنی نذر کا ذکر کیا اور کہا بیٹا اب تم جوان ہو اور میری نذر پوری کرنے کا یہ اوّل وقت ہے اب تم تلوار لے کر اس راستے پر بیٹھ جاؤ جہاں سے زائرین کے قافلے گزرتے ہیں جو قافلہ تمہیں کمزور لگے اسے لوٹ لینا اس طرح ہماری نذر پوری ہو جائے گی

انہوں نے والدہ کے حکم کی تعمیل کی اور زائرین کے راستے پر جا کر بیٹھ گئے تا کہ کوئی قافلہ آئے اور یہ اسے غارت کریں انہوں نے کافی دیر انتظار کیا مگر کوئی قافلہ نہ آیا، انہوں نے سوچا کہ چلو میں ذرا کمر سیدھی کرلوں تھوڑی دیر آرام کرلوں جب قافلہ آئے گا تو ان کی آوازوں سے ویسے بھی آنکھ کھل جائے گی اور میں انہیں لوٹ لوں گا، جب یہ سوئے تو سوتے ہی رہ گئے اور قافلہ ان سے بے خبر گزر گیا مگر انہوں نے

وہاں ایک خواب دیکھا۔

یہ دیکھتے ہیں کہ میدان قیامت ہے، سب کا حساب ہو رہا ہے اور ان کی باری جب آئی تو حکم ملا کہ انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے، موکلان جہنم نے انہیں زنجیروں میں جکڑا اور جا کر اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا مگر وہاں یہ ہوا کہ جونہی انہیں جہنم میں ڈالا گیا جہنم کی آگ بجھ گئی، فرشتوں نے آتش جہنم سے سوال کیا کہ تو کیوں خاموش ہوگئی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کے جسم پر امام مظلوم علیہ الصلوات والسلام کے زائرین کے قدموں کی خاک موجود ہے اس لئے اسے میں نہیں جلاسکتی، انہیں فرشتوں نے وہاں سے اٹھا لیا اور پتہ نہیں کہاں جا کر انہیں غسل دیا اور جسم سے ساری خاک صاف کر کے پھر انہیں جہنم میں ڈال دیا لیکن پھر بھی وہی کچھ ہوا یعنی انہیں جہنم کی آگ نے نہ جلایا۔

اس پر پھر فرشتوں نے سوال کیا کہ اب کیا وجہ ہے کہ تو نے انہیں نہیں جلایا؟ تو آتش جہنم سے آواز آئی کہ تم نے اس کا اوپر والا بدن تو صاف کر دیا ہے مگر جو خاک اور دھول اس کی سانسوں کے ساتھ مل کر اس کے اندر چلی گئی ہے وہ تو باقی ہے جب تک زائرین کے قدموں کی خاک کا ایک بھی ذرہ اس کے اندر موجود ہے میں اسے نہیں جلاسکتی۔

جب انہوں نے یہ سنا تو ان کی آنکھ کھل گئی اور دیکھا تو واقعی زائرین کا قافلہ جا چکا تھا انہوں نے وہیں بیٹھ کر امام مظلوم علیہ الصلوات والسلام کا ایک قصیدہ لکھا جس کا مضمون ہی یہی تھا یہ وہ جناب ہیں کہ جن کے زائرین کے قدموں کی خاک بھی اگر انسان پر پڑ جائے تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔

انہی کے دور میں سید الشعرا جناب اسماعیل حمیری تھے جو یمنی قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے ان کی آپس میں شاعرانہ نوک جھونک لگی رہتی تھی ایک دن جناب اسماعیل حمیری اور جناب خلیعی میں یہ بات طے پائی کہ ہم دونوں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا ایک ایک قصیدہ لکھتے ہیں اور اس کے حکم (منصف) خود امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو بناتے ہیں ہم اپنے اپنے قصائد لکھ کر امام علیہ الصلوات والسلام کی ضریح مقدّس میں رکھ دیں گے آگے جو فیصلہ ہوگا وہی کریں گے انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے اپنے قصائد لکھ کر روضۂ اطہر میں رکھ دئے جب صبح ہوئی دونوں نے جا کر دیکھا تو دونوں قصائد پر لکھا تھا ''احسنت'' یعنی بہت خوب مگر جناب اسماعیل کے قصیدے پر روپہلی رنگ کے حروف میں احسنت لکھا ہوا تھا اور جناب خلیعی کے قصیدے پر سنہری حروف میں لکھا ہوا تھا......احسنت

اس پر جناب خلیعی کے حق میں فیصلہ سمجھا گیا جب یہ بات ہوئی تو جناب اسماعیل کچھ مایوس ہوئے کہ ہم پرانے مداح تھے یہ کل کا بچہ ہے اور مالک نے فیصلہ اس کے حق میں دے دیا چلو جو فیصلہ انہوں نے فرمایا ہے حق ہے اور ان کا فیصلہ تو عدل کے عین مطابق ہی ہوگا۔

اسی رات انہیں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے زیارت بھی کروائی اور فرمایا تم مایوس ہوئے ہو حقیقت یہ تھی کہ قصیدہ تمہارا بہتر تھا مگر وہ نو وارد تھا اس کی حوصلہ افزائی ضروری تھی اب کل تم ہمارے پاس آنا اور جناب خلیعی کو بھی ساتھ لانا اور ہمارے مشہد اقدس کے پاس کھڑے ہو کر وہ قصیدہ پڑھنا جو تم نے فلاں دن لکھا تھا۔

انہوں نے حکم کی تعمیل کی اس قصیدے کا موضوع یہ تھا کہ جس نے درِ خیبر کو اکھاڑا تھا

وہ کون ہے؟ جس نے مرحب کو فی النار کیا تھا وہ کون ہے؟ اس کے آخر میں وہ کون ہے کی قید لگی ہوئی تھی جب انہوں نے وہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا تو جیسے ہی ہر شعر کے آخر میں آتا کہ وہ کون ہے؟ تو فوراً مشہد اقدس سے آواز آتی ''اَنا اَنا'' ہم ہیں، ہم ہیں۔

اب یہاں میں عرض کروں گا کہ اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کی قدرت کاملہ ان کے ید قدرت میں ہے تو پھر ہم فتح خیبر اور خندق کو بطور فضائل نقل یا منظوم کرنا مناسب نہ سمجھتے اس لئے جب بھی ان کی فتوحات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے ظاہر کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے اگر جناب خلیعی یا اسماعیل حمیری ان کے ظاہر سے منکر ہو جاتے تو انہیں یہ سعادتیں کہاں سے میسر آتیں جو انہیں ان فتوحات پر مبنی قصائد لکھ کر حاصل ہوئی ہیں۔

نصرت

ان کی نصرت سے حاصل ہونے والی سعادتیں بھی تبھی حاصل ہوسکتی ہیں کہ انسان کا ان کے ظاہر پر کامل ایمان ہو واقعۂ کربلا میں آپ دیکھیں جناب ابو ثمامہ صیداوی اور جناب سعید علیہما السلام نے جو عظمتیں پائی ہیں وہ اسی ظاہر پر ایمان ہی کی وجہ سے پائی ہیں۔

کربلا میں نماز ظہر کا وقت ہے جناب ابو ثمامہ صیداوی عرض کرتے ہیں آقا جی چاہتا ہے ایک نماز اور آپ کی اقتدا میں ادا کرلیں اور یہ نماز کا اوّل وقت ہے، امام علیہ الصلوات والسلام فرماتے ہیں اللہ تمہیں کل مصلین میں محشور فرمائے تم نے ٹھیک وقت پر نماز

یاد دلائی ہے مگر تمہارا ایمان جناب اویس کے برابر نہیں ہے

فوراً نماز خوف کی صف موزوں ہوتی ہے ادھر دشمن کی طرف سے تیروں کی بارش ہو جاتی ہے، جناب ابو تمامہ صیداوی فوراً نماز چھوڑ کر امام علیہ الصلوات والسلام کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں تا کہ کوئی تیر ہمارے امام علیہ الصلوات والسلام کو زخمی نہ کرے وہ ہر آتے ہوئے تیر کو اپنے جسم پر وصول کرتے ہیں اور آتے ہوئے تیروں کے سامنے بڑھ بڑھ کر سینہ پیش کرتے ہیں اور آخری تیر لگتا ہے تو جناب سعید کو بلاتے ہیں کہ نماز چھوڑو اور اپنے آقا کی حفاظت کرو یہ فرما کر وہ گر جاتے ہیں مگر فوراً جناب سعید آ جاتے ہیں اور وہ اسی طرح اپنے امام علیہ الصلوات والسلام کی حفاظت کرتے ہیں اس طرح یہ دونوں جوان اعلیٰ علیین کے اعلیٰ ترین مقام کو پا لیتے ہیں۔ خلاصہ

اگر یہ وہاں یہ سوچتے کہ یہ امام علیہ الصلوات والسلام تو اللہ کا نور ہیں اور انہیں تو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اس لئے نعوذ باللہ ہمیں اپنی جانیں گنوانے کی کیا ضرورت ہے تو اس طرح نقصان کس کا تھا؟

ابدی و ازلی سعادتوں سے کون محروم ہوتا؟ ہم تو ان عظمتوں کا تصور ہی نہیں کر سکتے جو انہوں نے پائی تھیں یہاں تک کہ امام علیہ الصلوات والسلام نے ان کے سر اپنی گود میں رکھ کر فرمایا☆ بابی انت و امی یا اولیا الله

اے اولیاء اللہ میرے ماں اور باپ آپ پر قُربان ہوں۔ اب اس مرتبۂ عظیم کو کون سمجھ سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا مرتبہ ہے؟ آپ خود امام علیہ الصلوات والسلام کے بابا پاک علیہ الصلوات والسلام پر نگاہ فرمائیں پھر ان کی والدہ پاک صلوات اللہ علیہا پر نگاہ فرمائیں پھر اس فقرے کا جائزہ لیں اور خود سوچیں کہ ظاہر پر ایمان نے ان سعیدانِ ازلی کو کتنا کچھ دیا ہے

خدمت

انسان جس کی بھی خدمت کرنا چاہے تو اس کے باطن کی خدمت نہیں کرسکتا بلکہ خدمت کا تعلق اس کے ظاہر ہی سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کسی کی روح ونفس کی خدمت کرنا چاہے بھی تو نہیں کرسکتا، پانی پلانا، کھانا کھلانا، چارپائی ڈال دینا، بستر بچھا دینا، غرض ساری خدمات ظاہر ہی سے تعلق رکھتی ہیں کوئی بھی شخص روح یا باطن کی خدمت نہیں کرسکتا

بلاتشبیہ ان کا ظاہر بھی ہمیں اپنی خدمت کا موقعہ فراہم کرنے ہی کیلئے ہے تا کہ ہم ان کی خدمت کر کے ابدی سعادتیں حاصل کرسکیں، کسی کو کیا معلوم کہ ان کی خدمت میں کیا کچھ ہے؟ یا کیا کچھ ملتا ہے؟

معظّمہ کونین صلوات اللہ علیہا جناب فضہ پاک صلوات اللہ علیہا کو نوازنے کیلئے چکی چلانے کا حکم عطا فرماتی ہیں، یہ پاک کنیز سلام اللہ علیہا جانتی ہیں کہ یہ حکم اس لئے نہیں ہے کہ کھانے کیلئے انہیں آٹے کی ضرورت ہے کیونکہ ضرورت پڑے تو یہ کنیز سلام اللہ علیہا بھی جنت سے کھانے منگوا لیتی ہیں وہ جانتی ہیں اگر انہیں واقعی کھانے کی ضرورت ہوتی تو جنت تو ان کیلئے کھانے بھیجنے کیلئے ہمیشہ مشتاق رہتی ہے اس لئے وہ اس پر کوئی اعتراض وارد کرنے کی بجائے چکی چلانا شروع فرما دیتی ہیں سب کچھ سمجھتے ہوئے آٹا پیس رہی ہیں، یہ آٹا پیس رہی ہوتی ہیں کہ اچانک جناب جبریل علیہ السلام آجاتے ہیں وہ جناب فضہ سلام اللہ علیہا کو آٹا پیستا دیکھ کر مسکراتے ہیں تو یہ پاک کنیز سلام اللہ علیہا انہیں فرماتی ہیں ارے بھائی تو کیوں ہنس رہا ہے ''چلو ادھر آؤ'' وہ آجاتے ہیں تو یہ انہیں چکی چلانے پر لگا دیتی

ہیں ،اب یہ جناب ہیں جو گھنٹوں چکی چلاتے ہیں اور پانچ دس کلو آٹا پیس لیتے ہیں پھر یہ پاک کنیز سلام اللہ علیہا کر انہیں واپس جانے کی اجازت دیتی ہیں

اس واقعہ میں آپ دیکھیں جناب جبریل علیہ السلام وہ ہیں جو دشت لوط کو آسمان پر اٹھا لیتے ہیں پورے قطعۂ لوطؑ کو اتنا اونچا لے جاتے ہیں کہ اس قطعہ پر رہنے والے مرغوں کی آوازیں اہل آسمان سنتے ہیں اور جناب جبریل علیہ السلام میں اتنی طاقت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اس دنیا کو ایک چٹکی میں مسل کر رکھ دیں مگر حالت یہ ہے کہ پانچ کلو گندم پر کئی گھنٹے لگا دیتے ہیں آخر کیوں؟

کیونکہ پاک کنیز سلام اللہ علیہا جانتی ہیں کہ اگر یہ معظمۂ کونین صلوات اللہ علیہا چاہیں تو پوری کائنات کو ایک لمحے کے لاکھویں کروڑویں حصے میں آٹے میں بدل سکتی ہیں یہ سب کچھ سمجھتے ہوئے وہ چکی سے کھیل رہی ہیں انہیں معلوم ہے کہ ملکۂ عالمین صلوات اللہ علیہا کا مقصد آٹا پسوانا نہیں بلکہ ہمیں کچھ عطا فرمانا ہے بس یہی سوچ کر چکی چلانا شروع کر دیتی ہیں جب یہ دیکھ کر جناب جبریل علیہ السلام ہنستے ہیں تو پاک کنیز سلام اللہ علیہا انہیں چکی چلانے پر لگا دیتی ہیں کہ تو کیوں ہنس رہا ہے تو بھی + اس ڈرامے میں شامل ہو جا

یہ بات سید الملائکہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان کا ظاہر ہمارے استفادے کیلئے ہے پھر اس ظاہر سے صرف انسان ہی کیوں فائدہ اٹھائیں ملکوت کیوں نہ اس سے استفادہ کریں بس یہی سوچ کر وہ گھنٹوں لگا دیتے ہیں کہ جتنا وقت یہاں لگے گا اس سے ہمیں ہی کچھ ملے گا اس لئے وہ سیکنڈوں کا کام گھنٹوں میں کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ دیر تک ان کی خدمت کر کے ابدی سعادتوں کو پایا جائے

دوستو! آپ تاریخ کے اوراق کا اس حوالے سے مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ ان

www.khrooj.com

پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کو بشری احتیاجوں کے ماتحت سمجھ کر لوگوں نے کتنے اونچے اونچے مقامات کو پایا ہے؟ ان پاک ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام کے ظاہر پر ایمان کے ساتھ اگر کمال محبت بھی شامل ہو جائے تو انسان اپنی سعادتوں کی جس معراج کو پا سکتا ہے اسے کسی اور صورت میں نہیں پایا جا سکتا۔

تاریخ میں ایک شخص کا ذکر ہے جن کا نام نامی جناب ابو رافع سلام اللہ علیہ ہے ان کا ایک واقعہ ہے کہ جس نے ان کے مقدّر کو عرش کی بلندیوں سے ہمکنار کر دیا

ہوا یہ کہ ایک دن شہنشاہ معظم سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کمرے میں استراحت پذیر تھے اور یہ جناب ابو رافع سلام اللہ علیہ ان کے ساتھ کمرے میں جاگ رہے تھے اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک کونے سے ایک سانپ نکلا۔

انہوں نے محسوس کیا کہ یہ سانپ (نصیب دشمناں) ہمارے شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچائے انہوں نے اسے مارنے کا ارادہ کیا پھر خیال آیا کہ اسے مارنے سے جو آواز ہو گی اس سے شہنشاہ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام میں خلل واقع ہو گا یہ سوچ کر انہوں نے سانپ کو تو نہ مارا مگر جس طرف سانپ بیٹھا ہوا تھا اسی طرف آ کر خود سو گئے کہ اگر یہ کوئی نقصان کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر ہمارے آقا کی بجائے مجھے ہی نقصان پہنچائے، اب سانپ نے کمرے میں گھومنا شروع کر دیا اور انہوں نے بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا شروع کر دیا جس طرف سانپ جاتا ہے یہ اسی جانب سے آ کر شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سو جاتے ہیں

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ابو رافع ان کے پہلو میں سویا ہوا ہے اور اس کی پشت سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے، اور زمین پر کہنی ٹیکے ہتھیلی

www.khrooj.com

پرٹھوڑی رکھے دوسری طرف دیکھ رہا ہے

انہوں نے فرمایا اے ابورافعؑ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے سانپ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ دیکھیں یہ موذی یہاں موجود ہے یہ سن کر سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو ہمارا زائر ہے زیارت کرنے آیا تھا اسے کچھ مت کہنا

اس کے بعد سیدھے مسجد میں تشریف لائے اور اصحاب کو جمع فرمایا اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو آج اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ابورافعؑ کے پاس امانت رکھی تھی اور ابورافع اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کی امانت کے صحیح امین ثابت ہوئے ہیں آج سے انہیں نام لے کر کوئی نہ پکارے بلکہ انہیں ''امین جانِ رسول'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ کر پکارا جائے

اب آپ اس شخص کے عقیدے کا اندازہ لگائیں کہ یہ بالکل واجبی سا عقیدہ رکھتا ہے یعنی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے نور کو سانپ بھی نقصان پہنچا سکتا ہے اور میں ان کے بدلے میں جانے کیلئے تیار ہوں یہی واجبی سا عقیدہ اور اس میں کمالِ محبت اور اس پر عمل کرنے سے اسے کتنا اونچا مقام ملا ہے کوئی سوچ سکتا ہے؟

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی عرض کر دوں کیونکہ یہ جناب ابورافع سلام اللہ علیہ اور نہیں تو مسلمان تو تھے مگر تاریخ میں ایک یہودی کا واقعہ ہے کہ اسے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی اور یہ اظہار نبوت سے پہلے ان کا بھائی بنا ہوا تھا اور ان کا شیدائی تھا جب آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس نے کلمہ تو نہ پڑھا مگر بھائی کہہ کر ویسے ہی پکارتا رہا جیسے پہلے پکارتا تھا لوگوں نے اسے کہا کہ ان کا دین اور ہے تو انہیں بھائی کیوں کہتا ہے تو اس نے کہا دیکھو ان کا دین ان کے ساتھ میرا دین

میرے ساتھ مگر میں ان کی محبت سے دست کش نہیں ہوسکتا

تا اینکہ جنگ بدر کا زمانہ آ گیا ابو سفیان اور عقبہ بن ربیع اور ابو جہل وغیرہ نے لشکر تیار کیا اور بدر کی طرف روانہ ہو گئے، جب یہ لشکر تیار ہو رہا تھا تو یہ یہودی مکہ میں موجود نہ تھا بلکہ کہیں باہر گیا ہوا تھا جب یہ واپس آیا تو اسے لوگوں نے بتایا کہ ابو سفیان تو تمہارے بھائی پر لشکر کشی کرنے گیا ہے اور انہیں ضرور نقصان پہنچائے گا

یہ سن کر یہ یہودی سیدھا گھر گیا اور وہاں سے سامان جنگ اٹھایا اور وہاں سے گھوڑا دوڑایا اور سیدھا مقام بدر پر پہنچا جب یہ وہاں پہنچا تو جنگ شروع ہو چکی تھی اس نے اپنی پگڑی سے منہ ڈھانپا ہوا تھا اور جب آتش جنگ کو بھڑکتے دیکھا تو ایک نعرہ بلند کیا اور ابو سفیان کے لشکر پر حملہ کر دیا اس نے خوب جنگ کی اور اسی جنگ میں شہید ہو گیا

جب جنگ ختم ہوئی تو شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگو دورانِ جنگ ہم نے اپنے بھائی کی آواز سنی تھی ذرا اسے تو ڈھونڈ کر لاؤ، چند اصحاب گئے اور ان کی لاش کو اٹھا لائے، جب ان کی لاش سامنے آئی تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، کسی صحابی نے عرض کیا آقا یہ تو آپ کا بھائی بنا ہوا تھا اس کی موت پر آپ ہنس رہے ہیں؟ تو اس وقت آپؐ نے فرمایا کہ ہم تو اس کی خوش نصیبی اور خوش بختی پر ہنس رہے ہیں کیونکہ یہ وہ شہید ہے جس نے نہ تو کلمہ پڑھا ہے اور نہ کوئی نماز پڑھی ہے اور نہ اللہ کی وحدانیت کی گواہی دی ہے مگر اسے جنت میں جانے سے کوئی روک بھی نہیں سکتا

دوستو! آپ نے دیکھا جب واجبی سا عقیدہ ہو اور اس کے ساتھ ان پاک ذوات

متعالیہ علیہم الصلوات والسلام کی محبت بھی شامل ہو جائے تو انسان سعادت کے جملہ معارج خود بخود طے کر لیتا ہے اور ان بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں ظاہر پر ایمان لائے بغیر کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا اسی لئے پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام نے فرمایا تھا ظاہر پر ایمان لائے بغیر انسان باطن پر لائے ہوئے ایمان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا

اسی وجہ سے میں نے کہا تھا کہ اکیلا باطن پر ایمان محرومی ہی محرومی ہے ان باتوں سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم ان پاک ذوات متعالیات کے باطن پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان کے ظاہر پر بھی ایمانِ کامل رکھیں اور ان کی محبت کو اپنے دل میں بسائیں اور ان کی محبت کا ہمارے عمل سے بھی اظہار ہونا لازم ہے کیونکہ فطرتِ انسانی ہے کہ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اپنے عمل سے اس کا اظہار ضرور کرتا ہے محبّ کو اپنے محبوب کے ذکر سے محبت ہوتی ہے اس کی یاد سے اسے قلبی سکون ملتا ہے اگر کوئی دوسرا شخص اس کے سامنے اس کے محبوب کا ذکر کرے تو محبّ کو اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اس کا اظہار الفاظ میں کیا ہی نہیں جا سکتا یہ محبت کا خاصہ ہے اور یہ تو ایک عام انسان کی محبت کے تقاضے ہیں

اب اسی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ہم ذرا اپنا تجزیہ کریں کہ کیا ہمیں اپنے مولا اور مالک کے ساتھ جو محبت کا دعویٰ ہے تو اس دعوے کا معیار عام انسانی محبت کے تقاضوں کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟ حالانکہ اس پاک ذاتِ اقدس کا حق تو جان، مال، اولاد، عزت و ناموس سے بھی کروڑوں درجے اولیٰ اور اعلیٰ ہے۔

مقامِ خم غدیر پر شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے طویل ترین خطبہ کے اختتام پر جو دعا فرمائی تھی اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ ''پالنے والے تو محبت فرما ان لوگوں سے

جوان سے محبت کریں‘‘ اوراس تاریخی واقعہ کا مقصد ہی ان کی محبت اور وِلا کا اقرار لینا ہی تھا۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے مولا اور مالک حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف کے حق عظیم کا پہچانیں اور ان کی محبت کا عملی ثبوت اس طرح دیں کہ ہم سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جس سے یہ رشتہ (خدا نہ کرے) منقطع ہو جائے اور ہمہ وقت اس نازک رشتہ کو استوار رکھنے میں کوشاں رہیں کیونکہ بقول مرزا اسداللہ خان غالب مرحوم ......ع

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانہ میں تو گاڑو کعبہ میں برہمن کو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہِ اَجمَعِین

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

نبوّت

لَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنَاتِ وَأَنزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتَابَ وَالۡمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ

اے محرمان خیمہ عرفان!

ذات صمد و بے نیاز کا ارشاد ہے کہ ہم نے انبیا کو مخلوق کی ہدایت کیلئے بینات کے ساتھ ارسال فرمایا ہے اور ان کی معیّت میں کتاب اور میزان کو بھی نازل فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو قسط پر قائم کریں

دوستو! جب بھی کوئی قرارداد پیش کی جاتی ہے اس پر بحث کرنے کا اصول یہ ہوتا ہے کہ پہلے اس کے ہر لفظ کے معنی متعین کئے جاتے ہیں اس کے بعد کوئی فیصلہ ہوتا ہے یعنی قرارداد رد کی جاتی ہے یا منظور کی جاتی ہے

ہم بھی اسی اصول کو اپناتے ہوئے اس آیت کے ایک ایک لفظ پر بحث کریں گے تاکہ اس کی ساری صورتیں ہمارے سامنے آسکیں

ارسال

رب آل محمد علیہم الصلوات والسلام فرمارہا ہے لقد ارسلنا کہ میں نے ''ارسال'' کیا ہے اب

www.khrooj.com

پہلا لفظ ہے ارسال کرنا اوّلین اسی کے معانی ومفاہیم کو دیکھ لیں تا کہ ہم کسی منزل پر پہنچ سکیں، اس کے معانی ومفہوم کو سمجھنے کیلئے میں ایک بات پیش کرتا ہوں

ایک دن میں نے ایک دوست کو خط لکھنا چاہا، میں نے لیٹر پیڈ لیا، قلم لیا، اور خط تحریر کیا جب خط لکھ چکا تو میں نے ایک لفافہ لیا اس پر اپنے دوست کا پتہ لکھا اور خط ''ارسال'' کر دیا۔ اسی لئے جب بھی ارسال کا لفظ سامنے آتا ہے ذہن میں خط کا تصور ابھرتا ہے ارسال کو سمجھنا ہو تو خط کے مختلف مراحل پر غور کریں جب کوئی شخص کسی کو خط لکھتا ہے تو سب سے پہلے اس کا مفہوم اس کے علم میں آتا ہے پھر وہ مفہوم الفاظ وحروف کا لباس پہنتا ہے پھر وہ ایک مربوط عبارت کی شکل اختیار کرتا ہے اور پھر کاغذی پیرہن اوڑھ کر لفافے کی قبا میں چھپ جاتا ہے لیکن پھر بھی ارسال کی نوبت نہیں آتی ایک مخصوص وقت تک وہ لکھنے والے کے پاس رہتا ہے اور جب ارسال کیا جاتا ہے تو کئی مراحل سے گزر کر جس کی طرف لکھا جائے پہنچتا ہے خط کا مفہوم ایسے ہی دماغ سے یا بند لفافہ سے نکل کر مکتوب اِلٰہیہ تک نہیں پہنچ جاتا

یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو ارسال کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے انبیا علیہم السلام کا وجود علم اِلٰہی میں آیا، یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ خالق اور مخلوق کے علم میں فرق ہے مخلوق کے علم میں جو کچھ آتا ہے اس سے قبل ان کے علم میں وہ بات نہیں ہوتی ذہن خالی ہوتا ہے اور نئی نئی باتیں اس میں وارد ہوتی ہیں لیکن علم اِلٰہی ایسا نہیں ہے جبکہ جب سے اللہ ہے تب سے اس کا علم ہے، اس کے علم میں کوئی نئی چیز وارد ہو نہیں سکتی کیونکہ اس کا علم قدیم ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ اسے پہلے کوئی چیز معلوم نہیں تھی بعد میں معلوم ہوئی۔

www.khrooj.com

اس طرح ماننا پڑے گا کہ جب سے اللہ ہے تب سے اس کا علم ہے جب سے علم ہے تب سے اللہ کے علم میں یہ انوار معصومین علیہم الصلوات والسلام موجود ہیں گویا اللہ بھی قدیم ہے اور ان کا وجود ذہنی بھی قدیم ہے یوں ثابت ہوگا کہ جب سے اللہ ہے ان انوار ازلیہ علیہم الصلوات والسلام کا اصل بھی تب سے ہے ان کی اصلیت اللہ کے علم میں قدیم ہے
اسی لئے امیر کائنات کی زیارت میں یہ الفاظ گواہی دلاتے ہیں

☆السلام علیٰ الاصل القدیم و الفرع الکریم یعنی سلام ان پر کہ جو قدیم الاصل اور کریم الفرع ہیں یہ فقرہ ایک علیحدہ تقریر چاہتا ہے اس پر پھر کبھی بحث ہوگی یہاں تو لفظ ارسال کی وضاحت کر رہا ہوں

دیکھئے مفہوم کے بعد خط الفاظ وحروف کا لباس موزوں کرتا ہے، بلا تشبیہ نور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب علم اِلٰہی سے نکل کر نور لطیف میں ڈھلا تو عالم لا شئے جگمگا اٹھا اسی لئے تفسیر البرہان میں امام صادق علیہ الصلوات والسلام کا فرمان ہے

☆ان اللہ تبارک و تعالیٰ خلق نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من نورہ أِخترعہ من نور عظمتہ و جلالہ

یعنی ایک نور ضمیر علم اِلٰہی میں قدیم سے موجود تھا اور عظمت وجلال کے عنوان سے موجود تھا، اسی نور سے نور سرور کونین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق فرمایا گیا

اب لباسِ حروف والفاظ وعبارت پہنانے کے بعد ہر خط لکھنے والا اپنے لکھے ہوئے خط کو دوبارہ پڑھتا ہے

بلا تشبیہ اللہ نے ارسال کرنے سے قبل نور سرور کونین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خلوت کدہ ذات میں پڑھنا شروع کیا تو دیکھتا ہی رہ گیا، وہاں جو کچھ ہوا وہ کسی دوسری تقریر

میں عرض کروں گا، اب امید ہے کچھ نہ کچھ لفظ ارسلنا کا مفہوم سمجھ میں آ گیا ہوگا اس میں ایک پوائنٹ (Point) ہے جسے میں عمداً چھوڑ رہا ہوں وہ ہے ارسلنا میں ''نا'' کا استعمال کیونکہ یہ جمع کیلئے ہوتا ہے

دوستو! آپ نے دیکھا کہ خط ارسال کرنے سے قبل اس خط کو کتنے مراحل سے گزرنا پڑا ہے؟ ان مراحل سے گزرنے کے باوجود وہ خط مکمل تو تھا مگر میں نے ارسال نہیں کیا تھا خط جملہ مراحل طے کرنے کے بعد بھی میرے پاس تھا اور میں نے بعد میں اسے ارسال کیا

اب ہم اس آیت میں دیکھتے ہیں کہ رب ذوالجلال والاکرام فرماتا ہے کہ میں نے انبیا علیہم السلام کو دنیا میں ارسال فرمایا ہے یعنی پیدا نہیں کیا اور نہ ہی یہ پیدا ہوتے ہیں بلکہ پہلے یہ اپنے خالق و باری جل جلالہ کے حضور قدس میں موجود ہوتے ہیں اور پھر انہیں ارسال کیا جاتا ہے

اب یہاں سوال ہوتا ہے کہ یہ اس دنیا میں آنے سے قبل کہاں تھے؟ تو اس کا جواب گذشتہ اوراق میں پیش کیا جا چکا ہے کہ انبیا علیہم السلام کس طرح پیدا ہوئے اور کہاں رہے یہ ایک طویل موضوع ہے جس پر پھر کبھی بات ہوگی

دوستو! آپ کلام اِلٰہی میں دیکھتے ہیں کہ بار بار تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا ہے اذقال...... اذقال...... اذقال اس میں لفظ ''اِذ'' اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یاد کرو وہ وقت جب کہا...... یاد کرو وہ وقت جب کہا

جیسے دو دوست مدت کے بعد ملیں تو ماضی کو یاد کرتے ہیں کہ تمہیں یاد ہے کہ وہاں کیا ہوا تھا یاد کرو وہ دن جب فلاں واقعہ ہوا تھا اللہ جل جلالہ بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

یاد دلا رہا ہے

☆وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الْأَرْضِ خَلِيْفَةً

یاد کرو وہ وقت کہ جب تمہارے دوست تمہارے مربی نے ملکوت سے فرمایا تھا کہ میں زمین کا خلیفہ بنانے والا ہوں

یعنی ابوالبشر کی تخلیق سے قبل ابھی اس کی تخلیق کے مشورے ہو رہے تھے مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں اس محفل مشاورت میں موجود تھے کیونکہ یاد اسے دلایا جاتا ہے جو کسی واقعہ میں موجود ہو گویا آنے والا تو ابوالبشر سے قبل اللہ کے مشوروں میں شامل تھا اب ہمیں بھی پوچھنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے کہ بشریت کے باپ سے بھی ''جو'' پہلے تھا وہ بشر کیسے ہوسکتا ہے؟

بینات

اس عنوانیہ آیت میں دوسرا لفظ ہے ''بینات'' یعنی اللہ جل جلالہ انبیا علیہم السلام کو پیدا نہیں کرتا بھیجتا ہے اور تنہا بھی نہیں بھیجتا بلکہ ''بینات کے ساتھ'' ارسال فرماتا ہے

اب یہاں سوال ہوتا ہے کہ یہ ''بینات'' کیا ہیں؟

علمائے متقدمین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ بینات کی چار اقسام ہوتی ہیں ان اقسام کا وہ اس حدیث سے استخراج فرماتے ہیں کہ تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

☆النبی یسمع کلام الله و یری الملائکه و یعلم المغیبات و تطیعه مادة الکائنات

() نبی وہ ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے

( ) نبی وہ ہے جو اللہ کے ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے

( ) نبی وہ ہے جو علم غیب کا حامل ہوتا ہے

( ) نبی وہ ہے کہ کائنات کا مادّہ تخلیق جس کی اطاعت کرے

محترم سامعین پہلی بات ہے

☆النبی یسمع کلام اللہ

یعنی نبی وہ ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے

کیا نبی اللہ کا کلام کسی مولوی یا عالم یا فاضل وقاضی وقاری ومفتی سے سنتا ہے؟

سماعت کلام کو دیکھیں کوئی کسی کا کلام تب سنتا ہے جب وہ بولتا ہے سننا تو بعد میں ہوتا ہے پہلے تو ہے کلام کرنا ......اب دیکھتے ہیں کہ اللہ کس طرح کلام کرتا ہے

رب العزت تبیان الکل شئی کی مصداق کتاب میں ارشاد فرماتا ہے

☆وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ......(سورہ شوریٰ 51)

یعنی اللہ کسی ''بشر'' ایک بار پھر سنیں ''بشر'' سے کلام نہیں کرتا مگر تین طرح سے

1...... وحی سے

2...... پس حجاب کلام کرتا ہے

3...... کسی فرشتے کو بھیج کر کلام کرتا ہے

یعنی بلا واسطہ کسی سے گفتگو نہیں کرتا اس کے کلام کرنے کا کوئی چوتھا طریقہ ہے ہی نہیں۔

غور سے سنیں نجدی اشجار کے سایوں میں بیٹھ کر ستانے والے احمق غور سے سنیں کہ

www.khrooj.com

اللہ کسی سے بلا واسطہ گفتگو نہیں کرتا بلکہ تین طریقے سے کلام کرتا ہے گویا جہاں بھی اور جس سے بھی بلا واسطہ گفتگو کرلے اس کلیم کو جو بھی کہیں کہیں مگر ''بشر'' نہیں کہہ سکتے۔

شیعہ وسنی کتب میں ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت بدل جاتی تھی انہیں سردی محسوس ہونے لگتی تھی جسم میں کپکپی طاری ہوجاتی تھی جسم پسینے سے شرابور ہوجاتا تھا اور وہ اپنے اصحاب اور اقارب سے فرماتے تھے۔

☆زملونی زملونی دثرونی دثرونی

مجھ پر اونی شال لپیٹ دو مجھ پر کالی کملی ڈال دو

کبھی آپ نے سوچا ہے کہ کیا یہ کیفیت ہر نزول وحی پر ہوتی تھی؟

ایسا نہیں ہے بلکہ صرف اس وقت یہ کیفیت ہوتی تھی جب تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرصت کے اوقات میں مجمعۂ اصحاب میں موجود ہوتے تھے ورنہ کبھی نہ سردی محسوس ہوتی تھی اور نہ جسم میں کپکپی پیدا ہوتی تھی، کئی مرتبہ دوران جہاد وحی کا نزول ہوتا تھا مگر یہ کیفیت نہ ہوتی تھی کبھی نماز کی حالت میں نزول وحی ہوتا تھا مگر یہ کیفیت نہ ہوتی تھی بلکہ صرف فرصت کے اوقات میں ہی یہ کیفیت ہوتی تھی آخر کیوں؟

نماز کا ذکر ہوا ہے تو ایک بات کرتا چلوں نماز ذوالقبلتین کو دیکھیں عین حالت نماز میں وحی نازل ہوئی تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام میں ہیں، قدرت خاموش ہے رکوع میں آئے وحدت کچھ نہیں فرماتی پہلا سجدہ مکمل ہوا خالق خاموش ہے دوسرے سجدے کا ارادہ کیا جبریلؑ نے شانہ ہلایا......(سورہ البقرہ 144)

☆فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ...... جناب دوسرا سجدہ ادھر فرمالیں

لیکن یہاں سردی محسوس نہیں ہوئی نہ کیفیت بدلی غور طلب بات یہ ہے کہ ایک طرف وحی کا یہ عالم کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر وانور وحی کا متحمل نہ ہو، دوسری طرف ناقہ قصویٰ کو دیکھیں یہاں وضاحت کردوں بوقت نزول وحی اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسری سواری پر سوار ہوتے تھے وہ سواری بیٹھ جاتی تھی وحی کا وزن نہ اٹھا سکتی تھی مگر ناقہ قصویٰ کی برداشت کا یہ عالم تھا کہ چاہے ایک سو پچاس آیات کی وحی ہی کیوں نہ ہوتی تھی مگر اس کی رفتار میں ذرّہ بھر کمی واقع نہ ہوتی تھی اسی سے اب آپ خود سوچیں کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم انور ناقۂ قصویٰ کے برابر بھی نہیں تھا؟

دوستو! آپ کو آیات کا وزن بھی بتا دوں ...... کیا کبھی آپ نے سوچا ہے کہ آیات کا بھی وزن ہوتا ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ایک آیت کا کتنا وزن ہوتا ہے؟

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا آیات کا بھی وزن ہوتا ہے؟ ہاں دوستو آیات کا وزن ضرور ہوتا ہے ذرا ماضی کے غرفوں میں جھانک لیں مصر کا بازار ہے ایک نبی بِک رہا ہے عزیز مصر خریدار ہے طے ہوا کہ اتنے زر و جواہر دیئے جائیں جتنا اس نبی کا وزن ہے یعنی ترازو میں ایک طرف جناب یوسف علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں دوسری طرف زر و جواہر ڈالے جا رہے ہیں خزانے ختم ہونے کو ہیں جناب یوسف علیہ السلام کا پلڑا نہیں اٹھ رہا، سب حیران ہیں کہ کیا ماجرا ہے تو آخر میں جناب یوسف علیہ السلام نے خود بتایا کہ انبیا ورسل زر و جواہر سے نہیں تل سکتے، خود اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کاغذ کو دوسرے پلڑے میں ڈال دیا جونہی ایک آیت دوسرے پلڑے میں آئی نبی کا پلڑا برابر ہو گیا۔

خود سوچئے ایک آیت کا وزن ایک نبی کے برابر ہوا کہ نہیں؟

یہاں ایک بات آپ کو یاد دلانا چاہوں گا یہ بات آپ کے بچوں کو بھی یاد ہے کہ اللہ عزوجل نے ایک بار ایک بیوپار کیا تھا

15 روٹیاں لے کر 30 آیات دے ڈالی تھیں

جناب معظّمہ کونین صلوات اللہ علیہا اوران کی پاک کنیز سلام اللہ علیہا کے ہاتھوں کی روٹیوں کو اللہ نے جب اپنے میزان عدل میں تولا تھا تو ایک روٹی دو آیات کے برابر اتری تھی بہ الفاظ دیگر ایک روٹی دونبیوں کے برابر ٹھہری اوریہی سورہ دھر کی شان نزول ہے۔

واقعہ یہ تھا کہ پہلے دن پاک کنیز سلام اللہ علیہا نے 5 روٹیاں تیارکیں در پر سائل نے صدا دی میں مسکین ہوں روٹیاں عطا ہوئیں دوسرے دن معظمہٴ کونین صلوات اللہ علیہا نے روٹیاں تیارکیں سائل نے صدادی میں ایک یتیم ہوں تو روٹیاں عطا ہوئیں۔

تیسرے دن جناب فضہ سلام اللہ علیہا نے 5 روٹیاں تیارکیں سائل نے صدا دی تو 5 روٹیاں عطا ہوئیں اب اس سائل نے دعا کی اورشکرادا کیا تو پاک کنیز سلام اللہ علیہا نے چیں بہ جبیں ہوکرفرمایا کیسا شکریہ کیسی جزااورکیسی دعا؟ فرمایا

☆إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاء وَلَا شُكُوراً ......(دھرآیہ9)

یہ تو ہم تم جیسوں کو وجہ اللہ کا صدقہ عطا کرتے ہیں نہ ہمیں تمہاری جزا کی ضرورت ہےاورنہ تمہارے شکریے کی۔

خالق نے پاک کنیز سلام اللہ علیہا کے یہی فقرے قرآن بنادئے، اللہ نے دراطہرپرکنیز کے تیور دیکھے ان میں معصومیت کے ساتھ غصہ اور بے نیازی کا عنصر اتنا خوبصورت محسوس ہوا کہ فرمایا او معظّمہ کونین صلوات اللہ علیہا کی پاک کنیز تو مخلوق کے شکریے سے تو بے نیاز ہی ہے چلو مجھ خالق کا شکریہ تو قبول کرلو۔

☆وکان سعیکم مشکورا
میں اللہ تمہاری محنت کا شکر گزار ہوں ...... یوں اللہ عزوجل نے ایک روٹی کے بدلے دو آیات دے دیں گویا ایک روٹی کا وزن دو نبیوں کے برابر تھا جن کی ایک روٹی دو نبیوں پر بھاری ہے جانے خود ان کی کیا شان ہوگی؟
میں عرض کرتا ہوں خالق جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں آواز آئی بولو عرض کیا خالق تیرا فرمان ہے☆وَلَا تَشْتَرُواْ بِآيَاتِيُ ثَمَناً قَلِيُلاً
تم آیات کو کم قیمت پر نہ بیچو ادھر خود اس کے خلاف کر رہا ہے ایک روٹی کے بدلے میں دو آیات جو دو یوسف یعنی دو نبیوں کے برابر ہیں وہ دے رہا ہے
آواز آئی ذرا آہستہ بولو ممکن ہے یہ پاک سن لیں اور اگر انہوں نے سن لیا تو یہ دو آیات پر بھی راضی نہیں ہوں گے میں عرض کرتا ہوں خالق تو خود فرماتا ہے
☆مَن جَاء بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا
کوئی ایک نیکی لاتا ہے تو اس کی مثل دس دیتا ہوں تو بھی ایک روٹی کی دس مثلیں دے دے مگر آیات کو تو یوں نیلام نہ کر۔
آواز آئی تو ہے نہ احمق بھلا میں ان روٹیوں کی دس مثلیں کہاں سے لاؤں اگر میں ان پندرہ روٹیوں کے عوض ڈیڑھ سو روٹیاں بھیج دیتا تو معاملہ الجھ جاتا ہے یہ پاک فرماتے خالق ہم نے تو تیری رضا کیلئے یہ روٹیاں دی تھیں اور تو اب حساب پر اتر آیا ہے اگر واقعی حساب ہے تو پھر حساب ہی کیوں نہ کر لیں۔
یہ روٹیاں صدیقۂ کونین صلوات اللہ علیہا نے تیار کی ہیں اب اگر تو ہمیں روٹیاں دینا چاہتا ہے تو پھر ایسے ہی ہاتھ کی روٹیاں دے۔

www.khrooj.com

حقیقت یہ ہے میرے پاس صرف ایک بتولؑ ہے جناب مریم سلام اللہ علیہا اور وہ بھی بمشکل ان کی کنیز فضہ کے مرتبے کو چھوسکتی ہے بلکہ ناقہ کی مہار تھام کر جنت میں لے جانے کی یہ کنیز بھی اجازت دے دے تو ان کیلئے باعث فخر ہے۔

میں نے عرض کیا خالق آیات کو نیلام میں بھی نہیں ہونے دوں گا تو خالق ہے قادر ہے قدیر ہے معظّمہ کونین صلوات اللہ علیہا جیسی اور شہزادی بنا کر ان کے ہاتھ کی روٹیاں دے دے۔

آواز آئی الٹی کھوپڑی کیسی باتیں کر رہے ہو اگر میں ایک بتول بناؤں تو اس سے پہلے اپنا ایک حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بناؤں پھر ایک امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام بناؤں پھر چہاردہ معصومین علیہم الصلوات والسلام بناؤں اور تب ان کے ہاتھ کی روٹیاں بھیجوں۔

میں نے عرض کیا تو کیا ہرج ہے ایسا کرہی دے تو تو قادر مطلق ہے عاجز تھوڑی ہے، آواز آئی اگر ایسا کر بھی لوں اور روٹیاں بھیج بھی دوں تو یہ کہیں گے اچھا خالق اب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے تو ذرا یہ بھی تو سوچ جب ہم بنے تھے کچھ نہ تھا لا شئے ہی لا شئے تھی اب یہ بن رہے ہیں تخلیق کائنات کے بعد جو بعد میں بنے گا وہ پہلے والے جیسا کیسے ہوسکتا ہے؟

عرض کیا خالق آیات کو میں بھی نیلام نہیں ہونے دوں گا پہلے تو تنہا تھا کچھ نہ تھا اور تو تھا تب بھی تو نے پنجتن پاک بنا لئے اب پوری خدائی تیرے ساتھ ہے اب کیوں نہیں بناتا؟

فرمایا یہی خدائی تو دوسری تخلیق میں مانع ہے ایک خدائی سے قبل بنا ایک خدائی کے بعد بنا بعد والے پہلے جیسے ہو نہیں سکتے معجزہ معجز نما کیلئے دہرانا مشکل نہیں ہوتا غیر کیلئے

ناممکن ہوتا ہے مگر یہ میرا وہ معجزہ ہیں کہ جسے میں خود بھی نہیں دہرا سکتا ہوں یہ بھی انہیں کی مہربانی ہے کہ ایک روٹی کے بدلے میں دو آیات لے کر چپ رہے اور مجھے بھی معلوم تھا یہ شریف خاندان ہے تھوڑے کو بہت سمجھیں گے اسی لئے میں نے شکریے میں ٹال دیا ہے کہ یہ شکریے کو ہی کافی سمجھیں گے اور آیات پر حساب کی نوبت نہ آئے گی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے وہ سائل کون تھا؟

وہ کوئی عام بھکاری نہ تھا وہ عام آدمی نہ تھا بلکہ وہ جناب میقائیلؑ تھے

یہ بات 73 فرقے کے لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ جناب میقائیلؑ اٹھارہ ہزار عوالم کے روزی رساں ہیں۔

دوستو! حقیقت یہ کہ جناب میقائیلؑ پاک کنیز سلام اللہ علیہا سے بھیک لے لے کر کائنات کے روزی رساں بنے ہیں۔

اب جناب میقائیلؑ سے کہہ دو جب کائنات بھوک سے دم توڑ رہی ہو تو آ کر اس پاک کنیز سلام اللہ علیہا کے سامنے سوال کریں اگر انگلی ہلا کر کائنات کو "پُر باش" نہ کر دیں تو فضہ سلام اللہ علیہا نام نہیں۔

لوگ تو امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام کے رزق تقسیم کرنے کو نہیں مانتے یہاں ایک کنیز انہی کا صدقہ رزق تقسیم کر رہی ہے۔

بات کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے ہم بات کر رہے تھے کہ نزول آیات کے وقت جو شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیفیت طاری ہوتی تھی کیا وہ آیات کے وزن کا اثر ہوتا تھا یا کوئی دیگر وجہ تھی؟

www.khrooj.com

اس کا جواب یہ تھا کہ آیات کا وزن نہ تھا کوئی اور وجہ تھی۔
یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کے جسم انور میں وحی کے نزول کے وقت یہ کپکپی کیوں طاری ہو جاتی تھی؟
اکمال الدین میں شیخ صدوق لکھتے ہیں روایت ہے عمرو ابن ثابت سے کہ امام صادق علیہ الصلوات والسلام سے کسی نے عرض کیا
☆سئل عن الغشية التى كان تاخذ النبى صلى الله عليه و آله وسلم كانت عند هبوط جبريل
کیا کپکپی جو تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر طاری ہو جاتی تھی اس کی وجہ ہبوط جبریل تھا یعنی جبریل کی آمد کے اثر سے جسم اطہر پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا؟
☆قال لا قال ان جبريل اذا اتى النبى لم يدخل عليه حتىٰ يستاذن
فرمایا جناب جبریل تو بغیر اجازت کے خانۂ اطہر میں قدم بھی نہیں رکھ سکتے تھے اور جب تک آپ اجازت عطا نہ فرماتے تھے وہ تشریف فرما نہیں ہوتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ
انما ذالك كانت عند مخاطبة الله عزوجل واياه بغير واسطة و ترجمان
جب اللہ عز وجل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا واسطہ اور بلا ترجمان کلام فرماتا تھا تو کپکپی طاری ہو جاتی تھی، یعنی محبوب جب اپنے محبّ کو حجاب ذات سے باہر دیکھتا اور اس کا کلام سنتا تھا تو جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔
کتاب التوحید میں زرارہ بن اعین شیبانی سے روایت ہے کہ اس نے صادق آل محمد علیہ الصلوات والسلام کی بارگاہ قدس آداب میں عرض کیا کہ جسم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آثار

وحی میں ہے کہ لرزہ طاری ہو جاتا تھا بدن پر کپکپی طاری ہوتی تھی کیا یہ جبریل کی آمد کی وجہ سے تھا؟ اس پر فرمایا

☆ذاك اذا یكن بین اللـه و عبده ذالك كل لعظمت تجلیة العلویة القدسیه و عدم التحمل للباس الذی تلبسه لتلك التجلیات

ذرا رہ اپنا معیار معرفت بلند کرو اصل وجہ یہ تھی کہ جب اللہ عزوجل اور اس کا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روبرو ہوتے تھے تو تجلیات علویہ وقدسیہ کا ظہور ہوتا تھا لیکن دیکھو اس میں قصور نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے نہ ان کے جسم کا بلکہ اصل کمزوری اس لباس کی ہے جو بشری لباس زیب تن تھا اور یہ لباس بشریت ہی انوار الٰہیہ کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا قصور لباس کا تھا

اب دیکھیں سردی کے موسم میں کوئی ململ کا لباس پہن کر باہر چلے پھرے اور سردی محسوس ہو تو قصور جسم کا نہیں لباس کا ہے، اسی لئے تو تفسیر کبیر میں فخرالدین رازی لکھتے ہیں

☆فلما عرج رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم اِلیٰ مقام اوادنیٰ و هو مقامه الاصلی وتجلیٰ له بغیر حجاب

کہ جب رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر پہنچے مقام اوادنی پر ٹھہرے جو ان کا اصلی وطن ہے اس پر تجلیات ذات کو بے حجاب دیکھا یعنی وحدت اپنے حجاب ذات سے باہر آ کر محبوب سے ہم کلام ہوئی ایک لطیف ارشاد ہے

☆ثم دنیٰ فتدلیٰ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر آئے تو دنیٰ کی ضمیر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف

راجع ہے فتدلٰی کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یعنی ایک طرف سے وحدت بڑھی اللہ کی ذات وجود بے وجودی کے ساتھ آگے بڑھی ادھر سے حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑھے اور کلام کا انداز یہ ہے کہ نہ واسطہ ہے نہ ترجمان ہے بلا واسطہ کلام ہو رہا ہے اب اس آیت کی طرف آتے ہیں کہ جس میں اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ وہ کسی بشر سے بلا واسطہ کلام فرماتا ہی نہیں ہے اب صورت حال یہ ہے کہ خدا کسی بشر سے بلا واسطہ کلام کرتا نہیں اب ہمارے مہربانوں کے پاس دو ہی صورتیں ہیں یا نعوذ باللہ قرآن کریم کو جھٹلا دیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہنا چھوڑ دیں

ہمارا اصل موضوع تھا نبی وہ ہوتا ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے

☆النبی یسمع کلام اللہ

نبی وہ ہوتا ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے مگر بلا واسطہ

یہ تھی بینات کی پہلی شق اب دوسری شِق پر بھی روشنی ڈالتا چلوں

☆النبی یری الملائکۃ

نبی وہ ہے کہ ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے یہ نہیں کہ کبھی دیکھتا ہے کبھی نہیں دیکھتا

بخاری شریف میں واقعہ وفات موسیٰ علیہ السلام کو دیکھیں ملک الموت جو قبض ارواح پر مقرر ہے بارگاہ کلیمؑ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا نبی اللہ غلام حاضر ہے

انہوں نے دریافت فرمایا کیسے آئے ہو؟ اس نے عرض کیا قبض روح کیلئے چند ضمنی روایات کے ساتھ بیان کر رہا ہوں پوچھا بھلا یہ بتا کیسے روح قبض کرے گا؟ اس نے عرض کی آنکھوں سے روح قبض کروں گا انہوں نے فرمایا ان آنکھوں سے جن سے میں نے انوار قدرت کا مشاہدہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا پھر کانوں سے کرلوں

گا فرمایا ان سے تو میں نے کلام اِلٰہی سنا ہے؟ الغرض وہ ایک ایک عضو کا کہتے گئے جناب موسیٰ علیہ السلام ہر بار تردید فرماتے گئے آخر اللہ کے نبی کو جلال آ گیا صاحب بخاری شریف لکھتے ہیں جناب موسی علیہ السلام نے عزرائیل کو ایک ایسا تھپڑ رسید کیا کہ اللہ کا عظیم فرشتہ ایک آنکھ سے محروم ہو گیا اور روتا ہوا روانہ ہوا

☆فرجع اِلیٰ ربہ اس طرح خالق کے حضور پیش ہوا

مولوی جی آپ تو انبیا کو اپنے جیسا بتاتے ہیں مگر یہاں تو عزرائیل بھی بے بس نظر آتا ہے ذرا اس فرشتے کے سامنے بھی کوئی دعویٰ فرمائیں اس کے سامنے اونچا کھانس کر دکھائیں جو پورے گھر میں جنازے نہ بکھیر دے تو عزرائیل نام نہیں

مولوی جی ذرا اس سے آنکھ ملا کر بات تو کریں دیکھیں کتنی دیر وضو قائم رہتا ہے

مسلّمہ ہے کہ ہر نائب اپنے منیب کے اختیار و قدرت کا مالک کل ہوتا ہے، صفات و ذات کا پرتو کامل ہوتا ہے، مکمل آئینہ دار ہوتا ہے، جس ذات والا صفات نے فرمایا تھا کہ میری امت کے علماء انبیاءِ بنی اسرائیل سے بہتر ہیں ذرا اس کے نائب کے اختیارات کو دیکھ لو پھر اسی سے اندازہ لگا لینا

مقداد بن اسود صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ نماز صبح کے بعد میں بارگاہ امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام میں حاضر ہوا آپ مسند پر جلوہ افروز تھے مسلسل آسمان کی طرف نگاہ ہے میں نے جا کر سلام عرض کیا جواب رحمت کشا فرمایا لیکن نگاہ مسلسل آسمان کی طرف جمی رہی اچانک میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا

☆اعطینی بسیفی

ذرا میری تلوار لانا

☆جئت به فوضعه علی رکبة

میں نے تلوار پیش کی سرکار نے اپنے زانو پر تلوار کو موزوں کیا ایک ہاتھ قبضۂ تلوار پر تھا دوسرا نیام کے آخری سرے پر اور پھر میں نے دیکھا

☆ثم رفع فی الھواء و غاب اِلٰی جو السماء

بس پھر ہوا میں پرواز کیا اور آسمانوں کی وسعت میں غائب ہو گئے مقداد بیان فرماتے ہیں نماز صبح کے بعد کا یہ واقعہ ہے میں وہیں انتظار میں بیٹھ گیا

☆فلما قُرب الظھر نزل علیه السلام و سیفه یقطر الدم

جب ظہر کا وقت ہوا تاجدار نجف وصی رسول علیہ الصلوات والسلام تشریف لائے مگر کس شان سے کہ ہاتھ میں ذوالفقار تھی اور اس سے تازہ خون کے قطرات ٹپک رہے تھے رُخ انور پر جلال کی سرخی تھی کچھ دیر بعد میں نے عرض کیا

☆سیدی این کنت

آقا و مولا آپ کہاں تھے؟ فرمایا آسمانوں پر دو فرشتوں میں نزع ہوا تھا اللہ نے فرمایا کہ تم کسی کو منصف بنا لو جو تمہارا فیصلہ کرے تو انہوں نے مجھے ''حکم'' (منصف) بنایا اور میں نے فیصلہ کیا، ایک نے نافرمانی کی تھی تو میں نے اسے قتل کر دیا یہ اسی کا خون ہے۔

مقداد نے عرض کیا آقا کیا آسمانوں میں صاحب الامر آپ ہیں؟

فرمایا مقداد مقام معرفت بلند کرو اور سنو

مافی السماء ملك یخط قدما عن قدم الا باذنیٰ فایای یرتاب المبطلون

آسمانوں میں کسی فرشتے کی جرأت نہیں کہ میرے حکم کے بغیر ایک قدم سے دوسرا

قدم اٹھائے مگر اس قول سے انکار صرف اہل باطل کریں گے

دوستو! اب آپ اس بات کو خود سوچیں اور استنباط کریں کہ جس کے حکم کے بغیر آسمان کے ملکوت قدم نہیں اٹھا سکتے جب اس سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اپنا تعارف کروا دیں تو فرماتے ہیں

☆انا عبد من عبید محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کہ میں تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عباد میں سے ایک عبد ہوں

اب اسی سے ان کے مالک کے اختیارات پر استدلال کریں یعنی جب ان کے یہ اختیارات ہیں تو مالک کے کیا کہنے کیونکہ یہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں اور یہ اختیارات سروری کے عکس مکمل بن کر آسمانوں پر حکومت کرتے ہیں تو پھر ملکوت پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت کیسی ہوگی؟ یہ تو پھر بھی

☆انا و علیؑ من نور واحد

کے مصداق ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ اس در کے غلام اور کنیزیں بھی ملکوت کو دیکھتے ہیں اور ان پر حکم چلاتے ہیں اور ان سے خدمت لیتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے

☆الملکوت خدّامنا و خدّام محبینا

کہ ملکوت تو ہمارے اور ہمارے چاہنے والوں کے خادم ہیں

آپ کتب میں اس در کی ایک کنیز جناب فضہ سلام اللہ علیہا کا مقام دیکھیں کہ وہ کس طرح ملکوت سے خدمات لیتی تھیں

پہلے ذرا ملکوت اربعہ کا مقام دیکھیں جناب عزرائیل کا مقام یہ ہے کہ سلیمان پیغمبر علیہ السلام کو وہ ایک سیڑھی نیچے نہیں اترنے دیتے اور روح قبض کر لیتے ہیں

www.khrooj.com

اور جناب عزرائیلؑ سے جناب جبریلؑ افضل ہیں۔

اس در کے غلاموں اور کنیزوں کے سامنے جناب جبریل کی پوزیشن یہ ہے کہ جب وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در اطہر پر آتے ہیں تو واپس جاتے ہوئے عرض کرتے ہیں آقا میرے لائق کوئی کام ہو تو فرمائیں شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میرا تو کوئی کام نہیں ذرا ہماری کنیز جناب فضہ سلام اللہ علیہا سے پوچھ لینا شاید کوئی کام ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اگر عرض کرتے اجازت ہے میں واپس جا سکتا ہوں؟ یہ پاک کنیز سلام اللہ علیہا تیوری چڑھا کر فرماتیں تو جانے کی جلدی میں ہے چکی تمہارا کون چلائے گا؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمْ عَجلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

نوٹ = 1979 میں میلاد النبیؐ کے موقعہ پر استاد العلماء مفتی غلام حسن صاحب بریلوی کی اچانک فرمائش پر یہ خطبہ دیا گیا تھا

مہتاب اذفر

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوت اللہ علیک

النقطہ والخط

انا النقطة ، انا الخط ، اناالخط ، انا النقطة ، اناالنقطة و الخط

اے راہ روانِ راہ سلوک !
شہنشاہ معظم امیرؑ کائنات مرکز موجودات علیہ الصلوات والسلام کا ارشاد فہم ایجاد ہے کہ میں نقطہ ہوں اور میں خط ہوں اور میں خط ہوں اور میں نقطہ ہوں ، میں نقطہ اور خط ہوں
اِس فرمان کو علمائے عظام نے مشکل احادیث میں شمار کیا ہے یعنی اس کے مقصد و مرادات کو سمجھنا آسان نہیں اس پر بہت سی آراء ہیں کسی نے کچھ مقصد لیا ہے کسی نے کچھ معنی لئے ہیں صاحب مصابیح الانوار فی حل مشکلات الاخبار نے اس پر بہت خوبصورت بحث کی ہے اسی کتاب کو دیکھ کر آج کچھ دوستوں نے فرمائش کی کہ میں بھی اس پر آج کچھ عرض کروں اس لئے چاہتا ہوں کہ اس پر کچھ گفتگو ہو جائے
پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ نقطہ کیا ہوتا ہے اور خط کیا ہے
ہر شخص جانتا ہے کہ نقطے کے معنی کیا ہیں جس نے بھی اردو کی ابجد پڑھی ہے وہ یہ ضرور جانتا ہے کہ نقطہ کیا ہے مگر جو شخص اس کی ابجد نہیں بھی جانتا تو پھر بھی وہ حرف ’’ب‘‘ کے نقطے کو ضرور جانتا ہے

www.khrooj.com

خط کہتے ہیں لکیر کو ہمارے ہاں خط سے مراد یہ ڈاک والا خط لیا جاتا ہے مگر عربی میں لکیر کو خط کہتے ہیں

لیکن منطقی طور پر نقطہ کہتے ہیں اس چیز کو جو طول (لمبائی) عرض (چوڑائی) اورعُمق (گہرائی) میں سے کسی چیز کا حامل نہ ہو

طول وعرض وعُمق کو ابعاد ثلاثہ کہتے ہیں ان میں سے کوئی صفت اس میں نہ ہوتو وہ ہے ''نقطہ'' ......اب ذراسی لمبائی پیدا ہوگئی تو وہ خط بن جائے گا یعنی نقطہ وہ ہے جو ابعاد ثلاثہ سے دور ہو یہ ثلاثہ میں سے کسی کا ہم صفت نہ ہو صفات ثلاثہ سے منزہ وارفع ہو لیجئے یہ تو تھا نقطہ اوراب ہے خط

تو خط کے معنی ہیں کہ صرف ایک ہی صفت رکھتا ہو یعنی طول یا لمبائی اس میں ہو، چوڑائی اور گہرائی نہ ہو، اگر خط میں ذراسی چوڑائی پیدا ہوگئی تو یہ ''سطح'' بن جائے گی پھر خط نہیں''سطح'' کہلائے گی کیونکہ اس میں دو ابعاد آ گئے ہیں، دو صفات داخل ہو چکی ہیں یہ نہ ''نقطہ'' ہے نہ ''خط'' ہے بلکہ ''سطح'' ہے اب سطح میں تھوڑی سی گہرائی پیدا ہوگئی تو یہ بن جائے گا ''جسم''

اب یہ کلیہ بن گیا کہ وہ چیز جو ابعاد ثلاثہ کی حامل ہو وہ ''جسم'' ہے یعنی طول وعرض و عُمق لازمۂ جسم ہیں

جسم کی چار اقسام ہیں جنہیں موالید اربعہ کہتے ہیں

جمادات ونباتات وحیوان وانسان

کیونکہ میرا موضوع گفتگو منطق نہیں بلکہ وہ فرمان ہے کہ

میں نقطہ ہوں، میں خط ہوں، میں خط ہوں، میں نقطہ ہوں، میں نقطہ اور خط ہوں

میری نظر میں اس فرمان کے اندر علم وعرفان کا ایک سمندر ہے جو موجیں مار رہا ہے
اس فرمان سے معرفت کے سبھی راستے پہچانے جاسکتے ہیں
دیکھئے دوستو جب کوئی خط شروع ہوتا ہے تو قلم کو کاغذ پر رکھا جاتا ہے تاکہ خط لگایا جائے آپ صاف زمین پر انگلی سے لکیر لگانا چاہیں تو زمین پر پہلے انگلی رکھیں گے تاکہ خط کو شروع کیا جاسکے لیکن آپ پھر ارادہ بدل دیتے ہیں کہ خط نہ لگایا جائے مگر انگلی رکھتے ہی زمین پر نقطہ فوراً وجود میں آجائے گا اس سے ثابت ہوا کہ خط ہمیشہ نقطے سے شروع ہوتا ہے جناب امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا ''انا النقطۃ'' میں نقطہ ہوں
گویا وہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اللہ نے جب خط تخلیق امر لگانا چاہا تو ہر چیز سے قبل میں تھا اور یہ سلسلہ مجھ سے شروع ہوا ہے
ساتھ ہی یہ بھی فرمانا چاہتے ہیں کہ اللہ عزوجل اگر سب سے اوّل کسی اور چیز کو وجود میں لانا بھی چاہتا تو تب بھی پہلے میں ہی ہوتا
جیسا کہ حدیث شریف میں ہے الحجۃ قبل الخلق حجت تو ہے ہی وہی جو خلق سے پہلے ہو اب وہ فرمان بھی یاد کرلیں کہ امیر کائناتؑ علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا کہ اگر مشیّت ہماری اختراع وتکوین نہ بھی چاہتی تو تب بھی ہم ضرور ہوتے کیونکہ ''انا النقطۃ'' میں وہ نقطہ ہوں جس کے بغیر سلسلۂ ایجاد وتکوین شروع ہو ہی نہیں سکتا ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ لکیر ہو اور نقطہ نہ ہو...... خلق ہو اور اوّل ما خلق اللہ نوری کا مصداق نہ ہو مخلوق ہو اور حجت نہ ہو، اسی راز کو بہ الفاظ دیگر افشا فرمایا جارہا ہے کہ
☆انا النقطۃالتی ھی قبل الخلق

یعنی بہ الفاظ دیگر فرما رہے ہیں کہ میں ''حجت'' ہوں جس کا خلق سے قبل موجود ہونا لازم ہے

() ایک اور راز جو اس فرمان میں ہے وہ یہ ہے کہ میں نقطہ ہوں یعنی نقطۂ آغاز ہوں یعنی خط کا پہلا نقطہ ہوں لکیر کا اوّلین نقطہ ہوں میں ہی خط ہوں اور میں ہی خط کا آخری نقطہ ہوں

دوستو! اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جب بھی خط لگایا جاتا ہے تو اس کے اوّل اور آخر میں نقطہ خود بخود بن جاتا ہے، اب دیکھئے اس میں کس طرح ایک اور راز کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ فرماتے ہیں کہ

''انا النقطہ'' یعنی ''اوّل'' بھی میں ہوں ''انا الخط'' اور ''اوسط'' بھی میں ہوں

وانا الخط وانا نقطتہ یعنی ''اوسط'' اور ''آخر'' بھی میں ہوں پھر فرمایا میں ہی نقطہ اور خط ہوں، اس میں ایک اور حدیث کو نئے انداز میں بیان فرمارہے کہ

☆اوّلنا محمد صلی الله علیه و آله وسلم و اوسطنا محمد صلی الله علیه و آله وسلم وآخرنا محمد صلی الله علیه و آله وسلم و کلنا محمد صلی الله علیه و آله وسلم و لاتفرقوا فینا

ہمارا اوّل اوسط آخر جامعیّت کلیہ رکھتا ہے ہم میں فرق نہ سمجھو یعنی کلنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر میں ہوں یا یوں سمجھ لیں کہ

☆ الحجة قبل الخلق و مع الخلق و بعد الخلق

کی تفسیر فرمارہے ہیں یعنی نقطۂ آغاز بھی میں ہوں نقطۂ اختتام بھی میں ہوں جب کچھ نہ تھا تو ہم تھے جب کچھ نہ ہوگا تو ہم ہوں گے جب تک کچھ رہے گا ہم رہیں گے

دوستو! اس فرمان کو ایک اور طرح سے بھی دیکھ لیں آپ ایسا کریں کاغذ پر ایک نقطہ لگائیں، اس کے نیچے چھ انچ پر ایک اور نقطہ لگائیں، پھر ایک خط کھینچ کر انہیں آپس میں ملا دیں، اس طرح ایک نقطہ اوپر والا ہوگا اور ایک نیچے والا، اب اوپر والے نقطہ کو نقطۂ کمال اوج سمجھیں یعنی بلندی کی انتہا فرض کرلیں اور نیچے والے نقطے کو پستی کی انتہا فرض کرلیں، اب جس خط سے آپس میں ان دونوں نقطوں کو ملایا ہے اسے دیکھیں تو یہ خط ایک طرف بلندی سے ملا ہوا نظر آئے گا دوسری طرف پستی سے متصل نظر آئے گا۔

اس میں یہ راز بیان ہوا ہے کہ ایک طرف کا نقطہ ترجمان خالق ہے اور دوسری طرف کا نقطہ ترجمان مخلوق ہے اور درمیان والا ''خط'' ان دو کو ملانے والا وسیلہ ہے

اب پھر ایک بار امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا فرمان دیکھ لیں فرمایا

میں نقطہ ہوں، میں خط ہوں اور میں پھر نقطہ ہوں

یعنی آپ اس راز کو بیان فرما رہے ہیں کہ میں نقطۂ آغازِ مخلوق ہوں، پھر مخلوق سے خالق تک وسیلہ ہوں، اِدھر مخلوق سے متصل ہوں، اُدھر خالق سے واصل ہوں، گویا فرماتے ہیں کہ بشریت ہماری پستی کی انتہا ہے الوہیت ہماری بلندی کی انتہا ہے ہم اِدھر بھی ہیں اُدھر بھی ہیں

جس نے صرف نیچے والا نقطہ دیکھا ہے اس نے بشر سمجھ لیا ہے جس نے صرف اوپر والا نقطہ دیکھا ہے اس نے خدائے واحد سمجھ لیا ہے یہ تو نظر نظر کی بات ہے ورنہ ہم یہ نقطہ بھی ہیں اوپر جانے والا خط بھی ہیں اور اوپر والا نقطہ بھی ہم ہیں، اگر پستی تک نہ آئیں تو مخلوق محروم ہدایت رہے، اگر بلندی تک نہ جائیں تو اللہ سے فیض حاصل نہ

www.khrooj.com

کرسکیں، بشریت ہمارا لباس ہے، ربوبیت ہماری ذات ہے، وسیلۂ ہدایت ہونا ہماری صفت ہے اور ہمارا منصب ہے ورنہ

☆نحن اسرار الهية المودعة فی هياكل البشريه ()المصباح الكفعمی

کہ ہم تو اللہ کے راز ہیں جو بشری لباس میں آئے ہیں ذات تو ہماری اوپر سے چلی ہے اوپر سے نیچے کی طرف ہمارا ہبوط ہے نیچے آنا صرف ہدایت خلق کیلئے ہے جب عالم جبروت میں تھے تو اِن کے لباس میں ہادی تھے، عالم ملکوت میں اشباح ملکوت تھے، جب عالم بشر میں آئے تو بشری لباس میں تھے، یہ سب لباس ہیں اور لباس جزو ذات نہیں ہوسکتا، اس مقام پر زیارت کا وہ فقرہ ضرور یاد کرلیں جو آپ کے بچوں کو بھی یاد ہے

☆السلام علیٰ اصل القديم و الفرع الكريم

کہ سلام ہو ہمارا آپ پر کہ جن کی اصل واصلیت قدیم ہے، ذات قدیم ہے اور فرع کریم ہے۔

اصل کہتے ہیں جڑ کو اور فرع کہتے ہیں شاخ کو جڑ ہمیشہ پوشیدہ رہتی ہے شاخوں کا اظہار ہوتا ہے تو ان کی ذات قدیم ہے جو اصل ہے مگر ہمیشہ عقول عوالم سے محجوب رہتی ہے، جو کچھ اظہار ہورہا ہے یہ شاخیں ہیں یہ ظاہری صفات اصل ذات نہیں یہ تو ہدایت کا سامان ہے اور ہدایت بوجہ کرم ہے تو فرع الکریم ہوئے یا نہیں؟

متکلمین کا مسلّمہ ہے قدیم صرف اللہ ہے لیکن ان کی ذات کے قدیم ہونے کا ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ اِن کی ذات واصل الوہیت ہے اور ان کی صفات حامل کرم ہیں کسی نے خوب کہا ہے کہ

ع

اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر توحید سے واصل

ولی اللہ اس برزخ میں اِک حرف مشدّد ہے

()

دوستو! ریاضی کا قانون ہے کہ ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک مختصر ترین خط صرف ایک ہوسکتا ہے اور مختصر ترین خط بالکل مستقیم (سیدھا) ہوسکتا ہے یعنی ایک نقطے سے دوسرے نقطہ تک خط مستقیم ہی مختصر ترین خط ہوسکتا ہے جہاں بھی تھوڑا سا خط ٹیڑھا ہوا اس کی طوالت لمبائی بڑھ جائے گی ٹیڑھے راستے بہت ہوسکتے ہیں لیکن سیدھا راستہ صرف ایک ہوسکتا ہے اور اِس کا نام ہے صراطِ مستقیم ......اس کلیے کو سمجھنے کے بعد پھر امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کا فرمان دیکھ لیں وہ فرماتے ہیں

''میں نقطہ ہوں میں خط ہوں میں خط ہوں میں نقطہ ہوں''

گویا فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ میں ہی وہ صراط مستقیم ہوں کہ جس کی طرف ہر نماز میں ہدایت طلب کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے☆اھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ یعنی ہر نماز میں یہ دعا کی جاتی ہے کہ خالق ہمیں امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام تک پہنچادے ان کی طرف ہدایت فرما۔

سارے علمائے اسلام یہ فرماتے ہیں کہ اگر نماز میں یہ سورۃ نہ پڑھی جائے تو نماز باطل ہے اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ نماز فروع میں سے ہے اور امامت اصول میں سے ہے تو جب تک اصل درست نہ ہو فرع درست ہو نہیں سکتی اس لئے خالق نے اس سورۃ کو نماز میں واجب فرمایا ہے کہ اگر نماز میں امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کا

ذکر نہ ہوگا تو نماز باطل ہے، اب یہ تو آپ کو سوچنا ہے کہ یہ تشہد والا مسئلہ کیسا؟ شہادت ثالثہ پر بحثیں کیسی ہیں اس سے تو نماز میں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا ذکر وجوب میں داخل ثابت ہو رہا ہے

()

دوستو! آپ نے دیکھا ہے کہ ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک سیدھا خط ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہی مختصر ترین خط ہوتا ہے اب آپ ایک اور ایکسپیریمنٹ (Experiment) تجربہ کریں

آپ ایسا کریں کہ زمین پر شرق غرب ایک خط لگائیں جس کی لمبائی ایک ہزار میٹر کی ہو اس خط کے ایک طرف ایک آدمی کھڑا کر دیں اور اس کے دوسرے سرے پر دوسرا آدمی کھڑا کر دیں، پھر ان آدمیوں کے مابین اس خط پر ہر دس میٹر پر ایک آدمی کھڑا کرتے جائیں، اس کے بعد جو شخص اس خط کے مشرقی سرے پر کھڑا ہے اسے کہیں کہ وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرے مگر یہ خیال رہے کہ ان درمیان والے آدمیوں کو سجدہ نہ کرنے دیں، یہ دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے کہ وہ آدمی اسی خط پر قائم رہتے ہوئے اس خط پر کھڑے ہوئے افراد سے بچا کر قبلہ کو سجدہ نہ کر سکے گا کیونکہ یہ سارے لوگ ایک ایسے خط پر کھڑے ہیں کہ جو سیدھا قبلے کی سمت میں لگا ہوا ہے اور جب بھی مشرقی شخص سجدہ کرے گا اس کے سامنے اس سے آگے کھڑا ہوا شخص ضرور آئے گا

اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سارے لوگ خط مستقیم پر کھڑے ہوئے ہیں یا یوں سمجھ لیں کہ

سارے لوگ صراط مستقیم پر کھڑے ہیں اب قرآن کریم میں دیکھیں ارشاد ہوتا ہے

☆ إِنَّ رَبِّى عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (ہود 56) وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (یٰسین 3) عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (یٰسین 4) إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (زخرف 43)

خالق بھی صراط مستقیم پر ہے...... انبیا علیہم السلام صراط مستقیم پر ہیں ......شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صراط مستقیم پر ہیں ...... آئمہ معصومین علیہم الصلوات والسلام بھی صراط مستقیم پر ہیں

اب آپ دوبارہ اس شخص سے کہیں جو سب سے آخر میں مشرقی طرف کھڑا ہے کہ وہ قبلہ کی طرف سجدہ کرے اور یہ خیال رکھے کہ سامنے والے کسی شخص کی طرف اس کا رُخ نہ ہو۔

آپ یہ دیکھیں گے کہ اس کیلئے ناممکن ہوگا کہ وہ کعبہ کی طرف سجدہ بھی کرے اور درمیان والے لوگوں سے اپنا رُخ بھی بچا لے کیونکہ جب سارے ایک سیدھ میں کھڑے ہوں تو لازماً پہلے انہی کو سجدہ ہوگا پھر کعبہ کو سجدہ ہوگا۔

اب اس تجربے کے بعد ہم یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتے ہیں کہ جو لوگ ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام سے بچ بچا کر اللہ کو سجدہ کرنا چاہتے ہیں ان کیلئے ناممکن ہے کہ وہ اللہ کا سجدہ کسی اور رخ سے کرسکیں کیونکہ یہ سارے ایک خط مستقیم پر ہیں اس لئے اللہ کو ہونے والا سجدہ سب سے پہلے آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام کو ہوگا اس کے بعد سلسلہ بہ سلسلہ سارے معصومین علیہم الصلوات والسلام سے ہوتا ہوا اللہ تک جائے گا۔

اسی لئے فرمان ہے کہ ہم ہی مومنین کی نمازیں وصول کرتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ جو اعمال ہم تقرب اِلٰہی کیلئے کرتے ہیں وہ پہلے آئمہ ھدیٰ علیہم الصلوات والسلام کے حضورِ قدس میں پیش ہوتے ہیں ان کے بعد سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے

جاتے ہیں پھر اللہ جل جلالہ کے حضورِ قدس میں پیش ہوتے ہیں

()

دوستو! معصومین علیہم الصلوات والسلام کے وجود ذی جود کو عرفا ہمیشہ داخل وجوب سمجھتے ہیں نہ کہ داخل امکان ......اور وجود کی تین قسمیں ہیں

1 ...... وجود مقید

یہ وجود وہ ہے کہ جو زمانے کی قید میں چلتا ہے، وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے، پہلے بچہ تھا، زمانے نے بوڑھا کر دیا، کتنا مجبور ہے کہ نہ بچپن کو روک سکتا ہے نہ جوانی کو بلکہ وقت کے رحم و کرم پر چل رہا ہے، یہی سلسلہ جمادات و نباتات و حیوانات تک پھیلا ہوا ہے، یوں سمجھ لیں جو وقت اور زمانے کی پابندیوں کا اسیر ہے وہ ہے وجود مقید۔

2...... وجود مطلق

یہ وہ وجود ہے کہ زمانہ اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتا ہے یہ زمانے اور وقت کو بدلتا رہتا ہے زمانہ اس کے ماتحت ہوتا ہے یہ زمانے اور وقت کا پابند نہیں ہوتا زمانہ اس کا اسیر امر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان انوار معصومین علیہم الصلوات والسلام کو ''ولی العصر'' و ''صاحب الزمان'' علیہ الصلوات والسلام کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے، یہ وہ ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام ہیں کہ یہ وقت پر حاکم ہیں انبیا علیہم السلام جتنے عظیم المرتبہ ہیں مگر دائرۂ وجود مقید میں شامل ہوتے ہیں مثلاً جناب زکریا علیہ السلام کا ذکر دیکھیں وہ دعا کرتے ہیں میرے خالق میرا سر سفید ہوگیا ہے ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں میں بوڑھا ہوگیا ہوں

www.khrooj.com

جناب ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سلام اللہ علیہا کے وہ الفاظ دیکھ لیں کہ جو ولادت اسحاق علیہ السلام کی بشارت پر فرمائے یعنی اپنے شوہر کی اور اپنی ضعیفی اور کمزوری کا اظہار فرمایا اور تعجب کیا، اس طرح یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی وجود مقید کے حامل ہیں

لیکن معصومین علیہم الصلوات والسلام کے یہ انوار مقدّس وجود مقید کے حامل نہیں ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ سلمانؑ کے ساتھ مروان کو ابوذرؓ کے ساتھ ابولہب کو دیکھ کر یہ اظہار بچپن وجوانی وضعیفی کریں ورنہ زمانہ ان پر اثر انداز نہیں ہوسکتا

اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب غیر کا وجود باقی نہ رہے گا صرف عارفان کامل رہ جائیں گے تو صدیاں گزرنے کے بعد جب امام زمانا عجل اللہ فرجہ الشریف ظہور فرمائیں گے تو چالیس سال کے جوان ظاہر ہوں گے علماء نے آئمہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کے الفاظ نقل کیئے ہیں فرماتے ہیں جب ہمارا آخری آئے گا تو شیخ السن وشاب المنظر ہوگا یعنی سن کے لحاظ سے حیات طویل کے حامل ہوں گے اور اظہار میں نوخیز جوان نظر آئیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ ان کے وجود ظاہری کو نہیں بدل سکتا

ہر زمانے کے مزاج کو سمجھنے والے انوار قدسیہ علیہم الصلوات والسلام نے اسی لئے قبل از وقت فرما دیا کہ ان کے مختلف حالات وکیفیات کو دیکھ کر کوئی فیصلہ نہ سنا دے

☆فانا نظهر فی کل زمان فی صورة ما شاء الرحمن

ہم ہر زمانے میں ظاہر ہوتے ہیں جس صورت میں ہمارا رحمان چاہتا ہے

یہ صورتیں اختیاری ہیں مرہونِ شہور وسنین نہیں تو ان کے ظاہری وجود جو ہیں وہ وجود مطلق کے دائرے میں آتے ہیں اور اِن کی ذات کیا ہے؟ وہ وجود واجب میں داخل ہے

www.khrooj.com

3...... وجودِ واجب

یہ وہ وجود ہے جس سے کوئی وقت خالی نہ ہو، جس سے قبل عدم نہ ہو، اس لئے اللہ عزوجل کا وجود وجودِ واجب مانا جاتا ہے۔

یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ان کا وجودِ ذات بھی واجب ہے، جب سے اللہ ہے تب سے یہ ہیں جب تک اللہ عزوجل رہے گا تب تک ان کی ذات رہے گی، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ واجب بالذات ہے، یہ واجب بالغیر ہیں، اللہ عزوجل اپنی ذات میں واجب ہے اور یہ اللہ عزوجل کی ذات کی وجہ سے واجب ہیں۔

میں یہ گذارش کررہا تھا کہ اللہ عزوجل بھی صراط مستقیم پر ہے یعنی وہ بھی خط وجوب پر ہے اور یہ انوار الٰہیہ علیہم الصلوات والسلام بھی خط وجوب پر ہیں۔

( )

دوستو! ☆احادیثھم کمعادننا والی بات ہے کہ ہر حدیث علم وعرفان کی ایک کان کی طرح ہوتی ہے جب بصیرت کی کندال لے کر اسے کھودا جاتا ہے تو اس سے علم وعرفان کے خزانے نکلتے ہیں اور ہم یہی کچھ کررہے ہیں

یہ بھی ایک مسلّمہ ہے کہ ہر خط نقطے سے شروع ہوتا ہے اور نقطے پر ختم ہوتا ہے ہر لکیر نقطے سے شروع ہوتی ہے چاہے وہ سیدھی لکیر ہو یا ٹیڑھی چاہے وہ گل کاری کی شکل میں ہو چاہے وہ حروف والفاظ کی شکل میں ہو وہ نقطے سے شروع ہوگی اور نقطے پر ہی ختم ہوگی یعنی دراصل ہر خط نقطوں کا ایک سلسلہ ہے جو ایک دوسرے سے جوڑا ہوا ہوتا ہے

www.khrooj.com

خط کیا ہوتا ہے نقطوں کا اِتصال یعنی بہت سے نقطے ایک دوسرے سے مل کر خط بناتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تحریر کو بھی خط کہا جاتا ہے مثلاً جو شخص الفاظ کو خوبصورت کر کے موزونیت سے لکھتا ہے اسے خطاط کہتے ہیں، کسی نے الفاظ کو موزوں شکل دے دی تو سب کہتے ہیں کہ اس کا خط بہت اچھا ہے یا خوش خط ہے، تو کتابت بھی خط سے بنتی ہے اور خط میں شامل ہے اب یہ کتاب چاہے اردو میں ہو یا انگریزی میں، چاہے عربی میں ہو یا فارسی میں یہ دائرہ خط میں شامل ہے چاہے وہ انجیل کی شکل میں ہو یا قرآن کی شکل میں، مگر یہ خط اور نقطے کے دائرے میں آئے گی اور لکھائی کی بنیاد نقطہ ہے اور نقطوں کی ملت سے خطوط میں آئے گی اس دور میں کمپیوٹر (Computer) متعارف ہو چکا ہے اس کا سارا نظام ڈاٹس (Dots) نقطوں پر مبنی ہوتا ہے چاہے وہ تحریر ہو یا گرافکس (Graphics) ہوں یا امیجز (images) یہ سب نقطوں ہی سے بنتے ہیں اس لئے اس کی ریزولیشن (Resolution) میں D.P.I کی ابریویشن (Abbreviation) استعمال ہوتی ہے یعنی اس میں نقاط فی مربع انچ یا

(Dot per square inch) ڈاٹس پر سکوائر انچ شمار کئے جاتے ہیں

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تحریر چاہے کمپیوٹر (Computer) پر ہی کیوں نہ ظاہر ہو اس کی بنیاد بھی نقطے پر ہوتی ہے

اب یہاں پہنچ کر آپ کو وہ فرمان یاد دلاؤں گا جسے جملہ مکاتیب فکر کی کتب نے بالاتفاق لکھا ہے کہ امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا

☆کل ما کان من اسرارالکائنات فھو فی الصحف السماویة و کل ما فی الصحف السماویة فھو فی القرآن و کل ما کان فی القرآن فھو فی

یٰسین و کل ما کان فی یٰسین فھو فی المثانی و کل ما کان فی المثانی فھو فی بسم اللہ الرحمن الرحیم وکل ما فی بسم اللہ الرحمن الرحیم فھو فی باء بسم اللہ الرحمن الرحیم و کل ما فی باء بسم اللہ الرحمن الرحیم فھو فی النقطۃ التی تحت الباء قال علیہ السلام انا نقطۃ التی ھی تحت الباء

اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ صبح ازل سے شام ابد تک جتنے اسرار ہیں وہ سمٹ کر قرآن بنتے ہیں پھر قرآن سمٹتا سمٹتا نقطہ بن جاتا ہے اور وہ حرف ''ب'' کا نقطہ میں ہوں یا یوں سمجھ لیں کہ کوئی حرف ایسا نہیں جس میں خط نہ ہو اور کوئی خط ایسا نہیں جس میں نقطہ نہ ہو اور وہی نقطہ کون ہے؟ فرماتے ہیں وہ ہم ہیں اور کون ہے؟

امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام جو فرماتے ہیں میں نقطہ ہوں میں خط ہوں اب کائنات کے راز تو نقطے میں سما گئے ہیں یعنی نقطہ میں آ گئے اور اِس میں ازل سے ابد تک سما گیا تو اللہ نے بھی تائید فرما دی

☆و کل شیئاً احصیناہ فی امام مبین

ہر چیز کو امام مبین کے سپرد کر دیا ہے خود سوچیں کہ یہ علم غیب کی بخشیں کیسی ہیں؟ کیونکہ اب وہ لوح محفوظ کی تحریر ہو یا لوح محو و اثبات کی، شروع تو نقطے سے ہوگی اس سے ثابت ہوا کہ قلم لکھ نہیں سکتا جب تک امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام کو ابتدائے حرف نہ بنائے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر حرف میں نقطہ موجود ہے اور وہ نقطہ ہیں شہنشاہ کائنات علیہ الصلوات والسلام تو گویا قرآن میں یہ حروف و الفاظ نہیں اوّل سے آخر تک علیؑ علیؑ علیہ الصلوات والسلام ہے

( )

دوستو! ایک نکتہ عرض کرتا چلوں کیونکہ آیت آ گئی ہے تو تھوڑی سی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں خالق نے فرمایا ہے

☆وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ

ہر ہر چیز کو امامؑ مبین کے وجود میں احصا کر دیا گیا ہے

اب آپ سوچیں اس میں لفظ احصا ہے تو اللہ عزوجل نے احصا کا لفظ کیوں استعمال فرمایا ہے؟ عدد و تعدد کیوں نہیں فرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ احصا گنتی کا اور تعداد کا ظرف ہوتا ہے

☆و احصیٰ کل شیئاً عددا یعنی وجود امام مبینؑ ہر چیز کا ظرف ہوتا ہے

مثال پیش کرتا ہوں کہ آپ کے پاس سکے آئے ہیں آپ نے ایک ایک سکہ گننا شروع کیا اور گنتے گئے اور سیف (Safe) میں ڈالتے گئے مثلاً وہ ایک ہزار تھے آپ نے آخری سکہ سیف (Safe) میں ڈال دیا گنتی میں آ گیا کہ یہ ایک ہزار ہیں آپ نے گن لئے یاد ہو گئے ایک ہزار ہیں لیکن جب آپ نے آخری سکہ سیف (Safe) میں ڈالا تو آپ کا ہاتھ خالی ہو گیا تعداد ذہن میں آ گئی اور سیف (Safe) نے ان ہزار سکوں کا احصا کر لیا، تعداد کا معلوم ہونا اور بات ہے تعداد کا محفوظ ہونا اور بات ہے۔

آپ سکوں کی تعداد تو رکھتے ہیں احصا نہیں رکھتے احصٰی ظرف رکھتا ہے جو مظروف پر محیط ہوتا ہے، امام مبین موجوداتِ عالم کا ظرف ہوتا ہے نہ کہ اس کا صرف علم رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ معاملہ اگر صرف علم تک محدود ہوتا تو تعدد ہوتا اور فی امام مبین کی

بجائے لا امام مبین ہوتا فی جس کے معنی ہیں ''میں'' یعنی امام مبین ''میں'' ہر شئے کو سمو دیا گیا ہے

اس لفظ سے امام مبین خزینۂ موجودات اور مخزن مادّہ کائنات ثابت ہوتا ہے نہ کہ صرف علم رکھنے والا پھر امام مبین کوئی فرد واحد نہیں بلکہ امام تو بارہ ہیں اور مبین ایک ہو یہ بھی ناممکن ہے مبین کے معنی ہیں ظاہر وعصر کے یا پھر زمانے کے، فرمان ہے کہ

☆ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ

ہر خشک وتر کا ذکر تمہارے زمانے کی کھلی کتاب میں ہے دور جناب عیسیٰ علیہ السلام میں انجیل کتاب مبین تھی اور ہمارے زمانے میں قرآن کتاب مبین ہے تو یہاں مراد یہ ہے کہ ہر چیز کا ظرف حقیقی ہر زمانے کا امامؑ ہوتا ہے اور نور امامؑ زمانہ ہر چیز پر محیط ہوتا ہے اب جب ہر چیز کتاب مبین میں ہے اور کتاب مبین مرتب ہے نقطوں اور خطوں سے تو ہر چیز سمٹ کر نقطہ ہوگئی یا نہیں تو پھر حاضر وناظر کی بحث کیسی ؟

()

دوستو! علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ہر چیز کے چار وجود ہوتے ہیں یعنی وجود مکتوبی، وجود ملفوظی، وجود ذہنی اور وجود حقیقی ۔

اگر چہ میں ان کے اس تصورِ وجودِ اربعہ کو درست نہیں سمجھتا کیونکہ اس دور میں تو ایک چیز کے بیسیوں وجود موجود ہیں آپ خود دیکھیں اب کیمرے (Camera) کی تصاویر بھی ایک وجود رکھتی ہیں، پھر وِڈیو (Video) تصاویر کا بھی ایک وجود ہے، اسی طرح آئینے میں موجود بھی ایک وجود ہوتا ہے، اسی طرح کمپیوٹر (Computer) کے گرافکس (Graphics) اور اس کے امیجز (images) بھی ایک وجود ہیں، اسی

طرح دیکھتے جائیں تو یہ چار وجودوں والا نظریہ فرسودہ نظر آئے گا مگر ہمارے علماء ابھی تک ان چار وجودوں کو مانتے ہیں اس لئے انہی کے حوالے سے بات کروں گا کہ ہر چیز کے چار وجود ہیں ان کی اس طرح تشریح کی جاتی ہے

اگر آپ بسم اللہ کی ''ب'' لکھ دیں تو یہ ب اور نقطے کا وجود مکتوبی ہوگا...... اور اگر آپ اسے پڑھ لیں تو یہ اس کا وجود ملفوظی ہوگا...... اور آپ اگر اس کا تصور کرلیں تو یہ اس کا وجود ذہنی ہوگا

اور بائے بسم اللہ کا وجود حقیقی شہنشاہ معظم امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ہوں گے

اب آپ خود دیکھیں کہ ایک وقت میں لاکھوں لوگ قرآن پڑھ رہے ہیں لکھ رہے ہیں پھر ہر سورہ کے اوّل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جارہی ہے اگر وجود مکتوبی و ملفوظی لاکھوں کروڑوں مقامات پر حاضر ہو تو کوئی اعتراض نہیں کرتا اگر ہم کہہ دیں کہ وجود حقیقی چالیس مقامات پر حاضر ہے تو اعترض کیسا؟

عرفاء کا فرمانا ہے کہ کوئی ایک حدیث ایسی نہیں جو جملہ مسائل کو حل نہ کر رہی ہو کیونکہ ''کلام الامام امام الکلام'' کا مقصد ہی یہی ہے کہ ان کا کلام تمام کلاموں کا امام ہوتا ہے، ایک معروف حدیث ہے کہ

علم ایک نقطہ ہے اور جاہلین نے اِسے پھیلا دیا ہے...... پھر ایک اور حدیث ہے کہ علم ایک نور ہے اللہ جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے

ان احادیث سے ثابت ہے کہ علم ایک نورانی نقطہ ہے اب یہ حدیث بھی ہے کہ

☆انا مدینة العلم و علیؑ بابها

کہ میں علم کا شہر ہوں اور اس کا دروازہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ہیں ان احادیث

سے ثابت ہوتا ہے کہ علم نور کا وہ نقطہ ہے کہ جس کا اصل مخزن شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اِس نقطہ تک پہنچنے والا خط شہنشاہ نجف علیہ الصلوات والسلام ہیں، ان احادیث سے تو نور و بشر کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے اور حاضر و ناظر کا فیصلہ بھی، مگر پھر بھی کوئی بد بخت بضد رہے تو اس کا علاج امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی تلوار رہی ہے جو انشا اللہ بہت جلد فیصلہ سنائے گی

( )

دوستو! جناب مجلسی ثانی علامہ سید شبر نے بھی اس حدیث کو مشکل احادیث میں شمار کرتے ہوئے اس کی سات توجیہات لکھی ہیں ان میں سے جو چوتھی توجیہ فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ

☆النقطة هو مركز دائرة الكون و محيطها ولولا لما خلق الله من الاشيا كما يستفاد من بعض الروايات و علمه و قدرته محيطان بدائرة الامكان......الخ

یعنی نقطہ کیا ہے؟ دائرۂ امکان کا مرکز ہے اور خط دائرۂ امکان کا محیط ہے اگر یہ نہ ہوتے تو اللہ عز و جل کسی شئے کو خلق نہ فرماتا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ ان کا علم اور قدرت دائرۂ امکان پر محیط ہے

یعنی علامہ موصوف کے بیان کے مطابق امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام فرماتے ہیں کہ میں مرکز ازل و ابد بھی ہوں اور میں ہی دائرۂ امکان کا محیط بھی ہوں، یہ بھی دیکھ لیں کہ اللہ عز و جل کے علاوہ کوئی واجب نہیں ہے یعنی اس کے علاوہ جو بھی ہے وہ دائرۂ امکان میں شامل ہے اور یہ دیکھ لیں کہ دائرۂ امکان کے مرکز بھی ہیں اور محیط بھی ہیں

اب سوال ہوتا ہے کہ دائرہ اور مرکز کیا ہوتے ہیں؟

اب ذرا جیومیٹری(Geometry) کے سامان کی ضرورت ہے ایک چیز ہوتی ہے پرکار اس کی شکل اردو کے آٹھ ۸ کی طرح ہوتی ہے اس کے ایک سرے میں پنسل پھنسانے کی جگہ ہوتی ہے دوسرا سرا نوکدار ہوتا ہے اس کے نوکدار سرے کو کاغذ پر جما دیا جاتا ہے اور پنسل والا سرا گھمایا جاتا ہے پنسل لکیر دینا شروع کر دیتی ہے وہ ٹھیک گولائی میں گھومے گی اور ہر پہلو سے یکساں دائرہ بنا دے گی لیکن درمیان والا سرا بھی ایک چھوٹا سا نشان بنائے گا کہ جس کے سہارے پرکار نے گولائی کو قائم رکھا ہے یہ باہر والا دائرہ ''محیط'' کہلاتا ہے اور اندر والا نشان ''مرکز'' کہلاتا ہے، تو مرکز کی یہ شان ہے کہ ایک مقام پر رہ کر پورے محیط کو سنبھال رہا ہوتا ہے پورے دائرے کو تخلیق کر رہا ہوتا ہے اگر پرکار کا یہ مرکز دعویٰ کرے کہ دائرہ بن نہیں سکتا جب تک میرا وجود نہ ہو تو کسی کو گنجائش انکار نہیں ہے

اگر مرکز کائنات یہ اعلان فرمائے کہ میرے ذریعے مجازاً فاعلیت قائم ہوسکتی ہے، میں ہی آسمانوں کو قائم کرنے والا ہوں، زمین کو بچھانے والا ہوں، سورج کو طلوع کرنے والا ہوں، رات کو لانے والا ہوں، بادلوں کو برسانے والا ہوں، عالم امکان کے نظام کو چلانے والا ہوں تو اعتراض کیسا؟

یہی تو مرکز کی شان ہے کہ ایک مقام پر رہ کر بھی پورے دائرے پر تصرف رکھتا ہے اور یہ صرف مرکز ہی نہیں محیط بھی ہیں اِن کی ذات دائرۂ امکان پر محیط ہے اگر یہ نظام عالم چلانے کا دعویٰ کریں اور اِن کے دعوے پر اللہ قسم کھائے کہ والـمـدبـرات امراً کہ مجھے قسم ہے کائنات کے تدبر سنبھالنے والوں کی تو انکار

کیسا ؟

یہ بھی ریاضی کا اصول ہے کہ مرکز محیط کی سمت جھکا ہوا نہیں ہوتا بلکہ محیط سے جس سمت سے بھی پیمائش کرلو ہر طرف سے فاصلہ برابر ہوگا گویا خالق نے فرما دیا تھا کہ مرکز کی شان یہ ہے ☆لا شرقية ولا غربية مرکز وہ ہے جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے بلکہ پاک خاندان کو مخاطب کر کے فرمایا ☆و جعلناکم امة وسطا کہ تمہیں مرکزی امت یعنی جماعت قرار دیا ہے کہ جو مرکز کائنات ہے کہ پوری کائنات انہیں کے گرد گھوم رہی ہے اور یہی دائرۂ امکان کے مرکز ہیں

یہ بھی ریاضی کا مسلّمہ ہے کہ دائرے کا مرکز ایک ہی ہوسکتا ہے دائرے میں نقطے چاہے جتنے لگا لو مرکز ایک ہی ہوسکتا ہے ورنہ دائرہ دائرہ نہ رہے گا اس ایک کی پہچان عقل صحیح ہی کرسکتی ہے ذرا سی غفلت ولا پرواہی مرکز سے ہٹا دیتی ہے کیونکہ مرکز صرف ایک ہی ہوتا ہے اگر مرکز میں وحدت نہ ہوتو فساد فی الدائرہ ہوجائے ، دائرہ کا وجود ہی وحدت مرکز کی دلیل ہوتا ہے اور اللہ نے پاک خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کو امت وسط یعنی مرکز دائرۂ امکان فرمایا ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ چودہ وجود صرف اعتباری ہیں دیکھنے کی حد تک ہیں اگر مرکز کائنات ہیں تو پھر چودہ تو کیا انہیں دو بھی کہنا یا سمجھنا خلاف عقل ہے جو پہلا ہے وہی آخری ہے جو آخری ہے وہی پہلا ہے

یہی وجہ تھی کہ مرکزیت کے پیش نظر تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

☆اوّلنا محمدؐ و اوسطنا محمدؐ و آخرنا محمدؐ وکلنا محمد علیهم الصلوات والسلام

یعنی کلنا محمدؐ کہہ کرفر مایا جا رہا ہے کہ دائرۂ امکان کی وحدت مطلقہ ہم ہیں ہمارے انوار میں دوئی کا تصور تک نہیں ہے یہی تو مرکز کی شان ہے کہ وہ ایک ہو اس میں تعدد کا امکان نہیں متعدد مرکز ہونا محال عقل ہے یہ چودہ تو آئینے ہیں صاحب عکس ایک ہے اور تعدد عکس وحدت ذات کے منافی نہیں ہوسکتا

جب یہ حقیقت ظاہر ہوگئی تو یہ تفریق کیسی کہ یہ بڑا ہے، یہ چھوٹا ہے، یہ باپ ہے، یہ بیٹا ہے ان میں یہ تعینات نہیں ہیں کیونکہ یہ تو مرکز کائنات ہیں جو ایک ہی ہوتا ہے

اب ایک اور طرح سے منزل عرفان تک جایئے ،آپ پرکار لیں، ایک سرا مرکز بنا دیں ،دوسرے سے خط کھینچیں لیکن رُکیئے خط لگانے سے پہلے پرکار کا پنسل والا سرا کاغذ پر لگا دیں ایک نقطہ بن جائے گا تو ماننا پڑے گا کہ محیط بھی نقطے سے شروع ہو رہا ہے، مرکز بھی نقطہ ہے اور محیط کی ابتدا بھی نقطہ پھر پرکار کو آہستہ آہستہ چلائیں اب خط شروع ہو چکا ہے، پنسل پرکار کے ماتحت دھیرے دھیرے چل رہی ہے ایک خط کھنچتا جا رہا ہے اور پنسل کا سفر جاری ہے مگر نقطۂ آغاز سے آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی ہے۔

جوں جوں پنسل آگے بڑھے گی ابتدا سے دور سے دورتر ہوتی جائے گی اب جدھر پنسل جا رہی ہے ادھر بھی تو دیکھئے جوں جوں پنسل دائرہ کی تکمیل کی طرف بڑھ رہی ہے نقطۂ آغاز کے قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے گویا جتنی آغاز سے دور ہو رہی ہے اتنی ہی قریب ہو رہی ہے یعنی محوری سفر میں جتنا بعد (فاصلہ) بڑھتا ہے اتنا ہی قُرب بڑھتا ہے اب پنسل سے کہیں ذرا چاروں طرف دیکھ کیا ہے تو بے ساختہ کہہ اٹھے گی۔

☆فَأَيْنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجْهُ اللّهِ جدھر دیکھو اللہ کا چہرہ موجود ہے

انسان کی ابتدا نقطہ سے ہے اور پھر اسی نقطے کی طرف جانا ہے، اسی کے روبرو پیش ہونا ہے، تخلیق کائنات کا آغاز جس سے ہوا ہے وہی کائنات کا انجام ہے، اسی نے پیدا کیا، اسی نے حساب لینا ہے، اسی نے بھیجا ہے، اسی کے پاس جانا ہے، کوئی جتنا دور ہوتا ہے اتنا ہی قریب ہوتا ہے کیونکہ یہی ذوات ہی تو ہیں جو دائرہ کائنات کے مرکز بھی ہیں اور محیط بھی ہیں۔

یہاں مرکز نقطہ، ابتدا نقطہ، درمیان میں محیط یعنی خط، پھر منتہائے وصال نقطہ، اب پھر اس فرمان کو دیکھ لیں۔

میں نقطہ ہوں میں خط ہوں میں خط ہوں میں نقطہ ہوں میں نقطہ اور خط ہوں

دوستو! مرکزی نقطہ ہمیشہ غائب رہتا ہے جیسا کہ میں کئی بار اس کا اعادہ کر چکا ہوں اور یہاں اس لئے اعادہ کر رہا ہوں کہ معصومین علیھم الصلوات والسلام نے فرمایا ہے

☆غائبنا لم یغب

کہ ہمارا غائب بھی غائب نہیں ہے حاضر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک دائرے کے مرکز کو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا ہے جسے ہم مرکزی نقطہ سمجھتے ہیں یہ تو اس مرکز کا ظاہری لباس ہے کہ جس کے اندر اس کی ذاتِ خفی جلوہ نمائی کر رہی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ نقطۂ ظاہرہ کو مرکز کہہ دینا ایسا ہے کہ جیسے شلوار قمیص کو انسان کہہ دیں کیونکہ لباس انسان کی ذات نہیں ہوتا اس لئے یہ نقطۂ ظاہرہ فقط لباس ہے یہ نقطے کی ذات نہیں بلکہ اس کی ذات تو غیب الغیوب ہے

اب آپ خود سوچیں جب عام نقطے کو ظاہری طور پر نظر آنے والی چیز کا نام دینا

www.khrooj.com

خلاف عقل ہے تو مرکز کائنات کے لباس ظاہری و بشری کو دیکھ کر بشر کہنا کہاں کی عقلمندی ہے؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہٗ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

نوٹ :-استاد گرامی القدر شہزادہ ذی وقار، صاحب علوم و معارف آل محمد علیہم الصلواۃ والسلام نے ماہ رمضان المبارک 1980 میں اس موضوع پر مجالس کی دو نشستوں میں گفتگو فرمائی جسے میں نے ایک خطبے میں جمع کر دیا ہے

مہتاب اذفر

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

حدیث طینت

☆ان الله خلقنا من عليين و خلق ارواحنا من فوق ذالك و خلق ارواح شيعتنا من عليين وخلق اجساد هم من دون ذالك...... الخ

اے میرے ردیفان ناقۂ فکر!

اللہ کی صداقت کلیہ کے مظہر صادق یعنی امامنا جعفر الصادق علیہ الصلوات والسلام فرماتے ہیں اللہ جل جلالہ نے ہمارے جسم ہائے انور کو علیین سے خلق فرمایا ہے اور ہماری ارواح مطہرہ علیین سے مافوق و ماوریٰ ہیں پھر فرمایا اللہ نے ہمارے شیعوں کی ارواح قدسیہ کو علیین سے خلق فرمایا ہے لیکن ان کے جسم و بدن علیین سے بدرجہا پست ہیں یعنی ترابی ہیں ،اس حدیث میں فرمایا یہ جارہا ہے کہ جس مادّے سے مومنین کی روحیں خلق فرمائی گئی ہیں اس مادّے سے ہمارے جسم بنے ہیں پھر فرمایا

☆ان الله خلق ارواح شيعتنا بفاضل طينة ابداننا

فرمایا اللہ نے مومنین کی روحوں کو ہمارے جسم ہائے انور کے بچے ہوئے باقی ماندہ مادّے سے خلق فرمایا ہے جس کا نام علیین ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علیین کیا ہے؟

جب ہم کلام اِلٰہی میں دیکھتے ہیں تو یہ لفظ ہمیں صرف ایک بار سورۂ مطففین میں نظر

آ تا ہے ارشاد ہوتا ہے

☆كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ()وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ()كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ()يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ

ہرگز نہیں غلط مت سمجھو کتاب ابرار ''علیین'' میں ہے......فرمایا کون ادراک کرسکتا ہے کہ علیین کیا ہے؟ فرمایا وہ تو کتاب مرقوم ہے اوراس پر مقربین گواہ ہیں

یہ بھی غور کریں کہ قرآن کے لب ولہجے میں شیعوں کوابرار کہا جارہا ہے، ساتھ ہی اس آیت میں لفظ ''کتاب'' بھی قابل غور ہے، یہ بھی دیکھیں کہ

''وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ '' میں وہی بات ہے

☆قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّن الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلاً

یعنی روح ''امراللہ'' سے ہے اوراس کا علم کم لوگوں کو عطا ہوا ہے یا لوگوں کو اس کا بہت کم علم عطا ہوا ہے۔

لفظ علیین مشتق ہے ''علی'' سے اوراس کی جمع ہے علیون صاحب منجد کہتے ہیں کہ جنت اعلیٰ کا نام ہے یا وہ لوگ جو شہر کے اونچے مقام پر رہتے ہوں انہیں اہل علیین کہتے ہیں صاحب لغات القرآن ملا شہید الدین احمد لکھتے ہیں یہ نیک لوگوں کی ارواح کا مقام ہے جو ساتویں آسمان پر عرش کے داہنے پایہ سے لے کر سدرۃ المنتھیٰ تک ہے یہ تو تھا سرسری جائزہ اب ذرا قریب سے دیکھتے ہیں۔

ایک مکمل انسان دراصل تین ارکان سے مرکب ہے یعنی جسم ونفس وروح سے مرکب ہے فلاسفہ کا کہنا ہے کہ یہ ارکان بذات خود ایک انسان کامل ہیں یعنی ہر رکن ایک مکمل انسان ہے اسی لئے بنیادی سات فلاسفہ نے انسان کو تین انسانوں کا مرکب

بتایا ہے۔

انسانِ جسمانی

افلاطون نے اپنی کتاب آ ئیڈیا لوجی (ideology) معرفت ربوبیت میں بھی اسی طرح انسان کو تقسیم کیا ہے کہ پہلا انسان ''جسم'' ہے جو ظاہری اعضا و جوارح کا مالک ہے، مادّی عضو رکھتا ہے، ظاہری آنکھ، ناک، کان وغیرہ اس کے آلات ادراک ہیں، یہ مرکب انسان کا پست ترین انسان ہے، بدن کو اسی پستی کے پیش نظر مجعولات جوہریہ میں سے پست ترین درجہ یعنی تیسرا درجہ دیا گیا ہے یعنی یہ تھرڈ کلاس(Third Class) جوہر ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم انسانی وجود اور استکمال دونوں میں محتاج غیر ہے کیونکہ انسان کے بدن کو انسانی شکل میں آنے تک ہزاروں محتاجیاں لاحق ہیں یعنی پیدائش میں ماں باپ کا محتاج ہے ماں باپ نہ ہوں تو پیدا نہیں ہوسکتا، پھر شکم مادر میں ابتدا سے لے کر آخری شکل تک غذا اور تربیت کا محتاج ہے، پھر پیدا ہونے کے بعد حفاظت و تربیت و غذا و لباس وغیرہ کا محتاج ہے، جب آپ بدن کو دیکھیں تو یہ پائیں گے کہ یہ محتاج بھی ہے اور غیر اللہ کا محتاج ہے، اللہ کے سوا دوسری چیزوں کا محتاج ہے یعنی خالق نے اسے محتاج غیر پیدا کیا ہے یعنی پیدائش میں بھی اور استکمال میں بھی یہ غیر اللہ کا محتاج ہے کیونکہ ورزش و تربیت و غذا وغیرہ کے بغیر جسم مکمل تو ہوسکتا ہے لیکن اسے کمال جسم حاصل نہیں ہوسکتا، انہی محتاجیوں کو دیکھتے ہوئے بدن کو انسان کے قوائے ثلاثہ میں سے پست ترین قوت کا مالک سمجھا جاتا اور اس کی قوت کو

''طاقت'' کہا جاتا ہے

یہ بھی حقیقت ہے کہ ''طاقت بدن'' کمالِ بدن تو ہے کمالِ انسان نہیں ہے من حیث الکمال اسے کمال نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بدن کو انسانِ طبعی کے نام سے پکارا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس ہر کام کیلئے علیحدہ علیحدہ اعضا ہیں دیکھنے کیلئے آنکھ، سننے کیلئے کان، سونگھنے کیلئے ناک، بولنے کیلئے زبان اور اس کے پاس کوئی جامع الاعضا عضو نہیں ہے کہ جس سے یہ سارے اعضا کے کام لے سکے اس لئے اس کے اعضا ایک دوسرے کا مقام نہیں لے سکتے، ایک عضو تلف ہوا تو دوسرا اس کا مقام سنبھال نہیں سکتا آنکھ سن نہیں سکتی، کان بول نہیں سکتے، زبان دیکھ نہیں سکتی یعنی سارے اعضا ایک دوسرے کے متبادل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے جسم کو طبعی انسان کہا جاتا ہے

انسانِ نفسانی

دوسرا انسان ہے انسانِ نفسی یہ غیر مادّی انسان ہے اسی کا نام ہے نفس یہ بھی مکمل انسان ہے اس کے بھی اعضا ہیں آنکھ، ناک، کان وغیرہ ہیں مگر مادّی نہیں خواب میں انسان کیا کیا سنتا ہے، دیکھتا ہے، بولتا ہے، مگر بدن کے اعضا سے نہیں بلکہ نفس کے اعضا سے لیکن اس کے اعضا کی علیحدہ علیحدہ تشخیص ناممکن ہے اس کے اعضا بھی ایک دوسرے کے متبادل نہیں ہو سکتے اسی لئے مجعولات جوہر یہ میں اسے دوسرا مقام دیا جاتا ہے یعنی اسے سیکنڈ کلاس (Second Class) کا جوہر مانا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نفس انسانی وجود میں تو غیر اللہ کا بالکل محتاج نہیں یعنی پیدا ہونے میں

www.khrooj.com

یہ صرف اللہ کا محتاج ہے اسباب وعلل کا محتاج نہیں لیکن استکمال میں یہ غیر کا محتاج ہے کیونکہ اس کے کمالات بالفعل نہیں ہوتے بلکہ بالقویٰ ہوتے ہیں نفس انسان وجود کیلئے تو محتاج غیر نہیں ہے لیکن اپنی ترقی اور تکمیل کیلئے یہ کئی چیزوں کا محتاج ہے مثلاً محتاج تربیت ہے اس میں اخلاق کی تربیت آ جاتی ہے، ریاضاتِ نفس وتزکیات کا محتاج ہے یعنی تزکیاتی علوم وغیرہ سے اپنے کمال تک پہنچ سکتا ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ قوائے ثلاثہ میں سے اسے دوسرے نمبر کی قوت عطا ہوئی ہے جس کا نام ہے ''شعور'' یعنی بدن کی قوت کا نام ہے ''طاقت'' اور نفس کی قوت کا نام ہے ''شعور'' یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ماہرین نفسیات کی ''شعور''، ''تحت الشعور'' اور ''فوق الشعور'' کے موضوعات پر ہزاروں کتابیں بھری پڑی ہیں

میں شعور کے بارے میں صرف اتنا کہوں گا شعور یا تو ٹھوکر کھانے سے آتا ہے یا شعور دلانے سے آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شعور صرف عالم محسوس سے ''حسیات'' کے خزائن جمع کرتا ہے

آپ دیکھیں جہاں بھی کفّار کی توجہ حسیات ومرکبات کی طرف دلائی گئی ہے وہاں فرمایا گیا ہے ''افلا یشعرون'' کیا وہ شعور نہیں رکھتے؟ اسی طرح جب شہید کی حیات سری اور رزق غیر حسی کا ذکر کیا تو فرمایا☆ ''ولکن لا تشعرون'' لیکن اس کا شعور تمہارے لئے محال ہے کیونکہ یہ حسیات سے نہیں ہے

مقصد بیان یہ تھا کہ انسانِ نفسی تخلیق میں اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہیں کمال وترقی میں محتاج غیر ہے تربیت، تجربات، تزکیہ، ریاضات وغیرہ سے یہ ترقی کرسکتا ہے اور ان کا محتاج ہے

www.khrooj.com

انسانِ عقلی

انسانِ عقلی کا تعلق روح سے ہے یعنی روح بذات خود ایک مکمل انسان ہے اس کے اعضا و جوارح غیر وضعی ہیں اس کے کان، ناک، آنکھ، زبان کی تشخیص ناممکن ہی نہیں محال ہے لیکن اس کی ذات ہی یہ کام کرتی ہے نہ اس کے کان ہیں، نہ آنکھ ہے، نہ ناک ہے، وہ اپنی ذات سے سارے اعضا کا کام لیتی ہے دیکھتی ہے تو سراپا حس جلد یہ بن جاتی ہے، سنتی ہے تو عین سماعت بن جاتی ہے، اس کی کوئی چیز بالقویٰ نہیں ہوتی ہر چیز بالفعل ہوتی ہے یعنی اس کی جملہ صفات عین ذات ہوتی ہیں وہ جسم و صورت کے شوائبات سے ماوریٰ ہوتی ہیں، اس انسان کا نام ہے ''روح'' اور اسی کے بارے میں ارشاد قدرت ہے

☆ ''وَمَا أُوتِيتُم مِّن الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا''

کہ اس کا علم بہت کم عطا کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ مجعولات جوہریہ میں اسے پہلا مقام دیا گیا ہے یہ فرسٹ کلاس(First Class) جوہر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نہ وجود میں محتاج غیر ہے، نہ استکمال میں، یعنی نہ یہ پیدائش میں کسی غیر سبب کا محتاج ہے، نہ تربیت میں، نہ اس کا بچپن ہے، نہ جوانی ہے، اس میں نہ تغیر ہے، نہ تعینات ہیں، نہ بڑھنا ہے، نہ گھٹنا ہے، کیونکہ یہ اعلیٰ ترین جوہر ہے اس لئے قوائے ثلاثہ میں اسے سب سے اعلیٰ قوت حاصل ہوتی ہے جس کا نام ہے ''عقل'' ...... بدن پیدائش میں تدریج و مراحل سے گزرتا ہے مگر چونکہ روح عالم امر سے تعلق رکھنے والا جوہر ہے یہ صرف کن کے حکم سری سے پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہوتے ہی اپنے نقطہ کمال کو پہنچا

www.khrooj.com

ہوا ہوتا ہے یہ پیدا ہوتے ہی مکمل انسان ہوتا ہے

چونکہ عقل کا تعلق روح سے ہے اس لئے جس طرح روح عطائے اِلٰہی ہے اسی طرح عقل بھی عطائے قدرت ہے

عرفان کا تعلق شعور سے ہے اور علم کا تعلق عقل سے ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ العلم نوراً کہ علم نور ہے، اور مخبر صادق علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا کہ جیسی لطافت ہمارے ابدان طاہرہ میں ہے ہمارے مومنین کی روحیں ویسی ہی لطیف ہیں یعنی جس مادّے سے مومنین کی روحیں بنی ہیں اسی سے ہمارے ابدان طاہرہ بنے ہیں تو یہی کلام امام کی صفت ہے کہ ایک کلیہ ذہن کو تھما دیتے ہیں اذہان کو ایک کلید عطا کر دیتے ہیں کہ جتنا جتنا ظرف ہوگا عرفان کے قفل کھلتے جائیں گے

اب ادھر روح کو دیکھتے جائیں اور ان کے جسم سمجھ آتے چلے جائیں گے لیکن بات ذہن میں ضرور رکھنا چاہئے کہ جسم انسان کا پست ترین رکن ہے اور ہمارے بلند ترین رکن کے برابر ان کا پست ترین رکن ہے ان کے نفوس طاہرہ اور روح مقدّسہ تک عقل کی پہنچ ہی نہیں کیونکہ ہماری عقل کا تعلق ہماری روح سے ہے اور ہماری روح کی رسائی بمشکل ان کے جسموں تک ہے اس لئے فرمایا کہ جہاں تمہاری عقول کی انتہا ہوتی ہے وہیں سے ہماری ابتدا ہوتی ہے

مجھ سے پہلے شاید کسی نے اس طرح وضاحت نہ کی ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کی ابتدا بدن ہے اور ہماری انتہا عقل ہے جو بمشکل ان کے بدن تک پہنچ سکتی ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ روح کی صفات کیا ہیں تا کہ ان کے اجساد طاہرہ ہماری سمجھ میں آ سکیں جب روح جسم خاکی میں داخل ہوتی ہے تو کیا وہ پیٹ میں آ کر بیٹھ جاتی

ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ روح جب بھی جسم کو شرف دے گی پورے جسم پر محیط ہو جائے گی، رگ رگ میں جلوہ گر ہو گی اب خاندان تطہیر کے انوار علیہم الصلوات والسلام اگر فرمادیں کہ ہم محتاج شکم مادر نہیں بلکہ اپنی ظاہری امہات کو اپنا مظہر بناتے ہیں تو ان کے جسم کے مدبر بن جاتے ہیں تو کون کہتا ہے کہ یہ عقلاً بعید ہے، ماننا پڑے گا کہ ان کا ورود و نزول والدۂ پاک پر اس طرح ہوتا ہے جس طرح جسم آدم میں روح داخل ہوئی تھی روح تو ایک نور ہے جب جنات انسان سے ملتے ہیں تو ان کا جسم انسان پر مکمل مدبر ہوتا ہے وہ نار ہے رگ رگ میں جن موجود ہوتا ہے تو نور کو شکم مادر تک کیسے محدود کیا جا سکتا ہے یہ تو مدبر جسم کی حیثیت سے آتے ہیں اب اگر امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام کی پاک والدہ ماجدہ صلواۃ اللہ علیہا یہ فرماتی ہیں کہ میں مجبور ہوں کہ رسولؐ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کو سرو قد کھڑی ہو جاؤں تو یہ مدبر تعظیم کروا رہا ہے نہ کہ خود تعظیم کر رہی ہیں اب روح کیا ہے؟ عالم امر سے ہے روح امری مخلوق ہے اور ان کے جسم اطہر امری ہیں اور روح جو حقیقی مدبر ہے اس کے لحاظ سے یہ ہر فرد صاحب الامر ہے

روح کے بارے میں ہے کہ آج تک نہ اس کی جنس کا تعین ہوا ہے نہ فعل ممیّز کا کیونکہ نوع کی تشخیص محال ہے جب تک جنس اور فعل معلوم نہ ہو

اب یہاں مجھے بھی یہ بات کہنے کا حق ہے کہ جب علمائے اوّلین و آخرین اپنی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر بھی روح کی نوع معلوم نہیں کر سکے تو اس پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کی نوع کے بارے میں بحث کیوں کی جا رہی ہے؟ جب ان کی نوع کا سمجھنا محال ہے تو خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کو نوع بشر سے ثابت کرنے والوں کا دماغ خراب نہیں تو کیا ہے

www.khrooj.com

روح کے بارے میں آج تک کسی نے نہیں بتایا کہ اس نے کھانا کھایا ہو، کبھی پانی پیا ہو، کبھی اسے بھوک لگی ہو، پیاس لگی ہو

اگر یہ پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام بھی تریسٹھ (63) سال میں سولہ سیر جو کھانے کا اعلان کریں تو تعجب کیسا؟ یہ تو غیر کی روایات سے ہے جیسے ابن خلدون وغیرہ نے یہ لکھا ہے اگر نہ بھی کھائیں تو درست ہے بلکہ نہ کھایا ہو تو کیا عجب ہے

کیا روح کو کبھی کسی نے سوتے ہوئے بھی دیکھا ہے؟ نہیں کیونکہ روح بھی لا سـنة ولا نوم کی مصداق ہوتی ہے

اگر یہ پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام بھی یہ اعلان کر دیں کہ ہمیں بظاہر سوتا دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہاری طرح سوتے ہیں، اہل سنت نے خود لکھا ہے کہ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم نے سوتے ہوئے دیکھا ہم نے ان کے خراٹے بھی سنے اور آذان کی آواز پر جاگے تو بغیر وضو کی تجدید کیئے نماز پڑھا دی، جب روح پر نیند غالب نہیں ہوتی تو ان کے جسموں پر کیسے نیند طاری ہو سکتی ہے؟

کیا کسی بڑے سے بڑے عالم نے کبھی روح کا سایہ بھی دیکھا ہے؟ اب ان کے جسم کا سایہ نظر نہ آئے تو تعجب کیسا؟

کیا کبھی کسی دانا و بینا شخص نے روح کو شادی بیاہ کرتے دیکھا ہے یا حظوظِ بشریہ سے لطف اندوز ہوتے دیکھا ہے؟ اب اگر کوئی ان کی نو کے بجائے نو ہزار بیویاں بنا دے تو بنا دے مگر سچ نہ ماننا حماقت کے سوا کچھ نہ ہوگا

دوستو! کیا کسی فلسفی نے کبھی یہ فلسفہ دیا ہے کہ روح میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں اور اختلاط زوجین سے دوسری روح پیدا ہوتی ہے، سبھی یہی کہتے ہیں کہ روح نہ پیدائش

میں اسباب کے ماتحت ہے نہ اللہ کے سوا کسی کی محتاج ہے

اب اگر انہیں کوئی محتاجِ اسباب وعلل ووالدین سمجھے تو اسے کیا کہنا چاہئے؟

تذکیر وتانیث نہ نفس پر لاگو ہے نہ روح پر یہ نہیں کہ مرد کی روح مذکر ہو اور عورت کی روح مؤنث، کیونکہ نفس اور روح پر کلیات بشری کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ ان کے اعضائے صنفی نہیں ہوتے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اب ان کے ابدان کو اگر کوئی مذکر ومؤنث تشخیص کرے تو وہ کس کھاتے میں شمار ہو گا؟

دوستو! آج تک کسی آدمی نے روح کو لیٹرین میں جاتے ہوئے بھی دیکھا ہے؟ یا اسے کبھی حوائج ضروریہ بشریہ کی ضرورت محسوس ہونے کا کسی نے فلسفہ دیا ہے؟

ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں اگر کوئی ان امور پر بحث کرے تو وہ کون ہے؟ صوفیائے کرام نے تو یہ فتویٰ دیا ہے کہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسی بحث کرے تو وہ کافر ہے اب یہاں خود کو عارف کہنے والوں کو یہاں کیا فتویٰ دینا ہو گا وہ خود سوچیں، اگر شہنشاہ کائنات علیہ الصلوات والسلام فرما دیں کہ

☆وارفعوا عنا حظوظ البشریه

کہ ہم سے بشریت کے تقاضوں کو دور رکھو تو پھر بھی جو ضد کرے وہ کون ہے؟

دوستو! کبھی کسی نے سنا ہو کہ روح بیمار ہوئی ہے اور حکیم کے پاس گئی ہے یا روح کو کسی نے زخمی کر دیا ہے یا روح کو کبھی درد محسوس ہوا ہو یا روح پر کسی کا جادو چل گیا ہو ایسا کسی نے سنا ہے؟

سچی بات تو یہ ہے کہ ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں اس قسم کی جو روایات ہیں وہ روایات متشابہات سے ہیں

www.khrooj.com

دوستو! اس بات پر سبھی فلاسفر متفق ہیں کہ روح مرتبۂ روحی میں ہمیشہ غائب رہتی ہے صرف اس کے آثار و علامات سے اس کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، اس طرح یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کے اجساد اطہر مرتبۂ اصل میں غائب ہی ہیں جو کچھ ہم دیکھتے ہیں یہ ان کے ابدان کے آثار و مظاہر ہیں حقیقت میں ان کے جسمانی وجود ہمیشہ غائب رہے ہیں

☆ مارانی علیٰ صورةِ التی خلقت ماسوانی

فرمایا کہ ہمیں جس صورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے اس صورت کو ہمارے سوا کسی نے آج تک دیکھا ہی نہیں

دوستو! فنا کا اطلاق نہ روح پر ہے نہ نفس پر، موت کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے فاسدہ کا انتشار، فنائے کلی تو بدن پر بھی نہیں ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ جلا کر راکھ کر دیں، پیس لیں، اڑا دیں، مگر فنا تو نہیں ہے اجزائے لایتجزا کی شکل میں اڑانا تسلیم ہے مگر ان اجزا کا وجود تو ہے، یہاں کائنہ فاسدہ ہی منتشر ہو جاتے ہیں فنا نہیں ہوتے، اور نفس کا بھی یہی حال ہے مگر روح میں کائنہ فاسدہ ہوتے ہی نہیں

اسی لئے تفسیر کبیر میں فخر الدین رازی بھی لکھتے ہیں کہ روح پر موت ہے ہی نہیں

اب یہاں بھی لمحۂ فکر یہ ہے کہ یہاں پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں اگر کوئی موت کا لفظ استعمال کرے تو وہ کون ہے؟

اگر شہنشاہ کائنات علیہ الصلوات والسلام اعلان فرما دیں کہ موت کو مارنے والا میں ہوں تو پھر تعجب کیسا؟

دوستو! یہ بھی فلاسفہ نے تسلیم کیا ہے کہ روح کی جملہ صفات بالذات ہوتی ہیں، روح

زندہ ہے تو وہ عین حیات ہے، روح کا علم غیر نہیں اس کی ذات ہی عین علم ہے، روح کا تدبر غیر نہیں عین تدبر ہے، یہ نہیں ہے کہ کوئی وقت ایسا ہو کہ جب روح ہو اور اس میں حیات موجود نہ ہو، جب سے روح ہے وہ زندہ ہے

اب اس مقام کو دیکھتے ہوئے کوئی عارف ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے ابدان و اجسام کے بارے میں یہی بات کہہ دے کہ ان کی ہر چیز بالذات ذاتی ہے تو کیسا شرک؟

ہمارے سامنے اس کی جتنی مثالیں موجود ہیں ان میں کوئی بھی شرک کا فتویٰ نہیں دیتا مثلاً یہ ناممکن ہے کہ پانی ہو اور اس میں نمی نہ ہو، آگ ہو اور اس میں حرارت نہ ہو وغیرہ وغیرہ، ان چیزوں کی یہ صفات بالذات ذاتی ہر کوئی مانتا ہے

دوستو! اگر کوئی یہ کہہ دے کہ خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کا علم بالذات ذاتی ہے، سمع بالذات ہے، بصر بالذات ہے تو شرک کیسا؟

دوستو! کبھی آپ نے سنا ہے کہ کسی نے روح کا بچپن دیکھا ہو اور دس بیس سال بعد روح بالغ ہوئی ہو پھر پچاس سو سال بعد جوان ہوئی ہو پھر دو چار سو سال بعد بوڑھی ہو گئی ہو اور اس پر کسی نے زمان و مکان کا یا مہینوں اور برسوں کا کوئی اثر مرتب ہوتا دیکھا ہو؟ ہرگز نہیں، کیونکہ روح روز اوّل سے جوان خلق ہوئی ہے اور بلا تغیر کیفیات تا حیات رہے گی، اب اگر اس پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کا کوئی پاک فرد چودہ سو سال بعد عین شباب کے عالم میں ظاہر ہو تو تعجب کیوں؟

یہ مکان و زمان اگر اثر انداز ہوں تو صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ الشریف نام کیوں ہو؟

دوستو روح تکمیل و کمال کیلئے محتاج تدریج نہیں ہوتی یعنی یہ نہیں ہوتا کہ پہلے صرف نحو

پڑھے پھرا فاضل سے گزر کر اجتہاد تک جائے ، اگر یہ خاندان پاک علیہم الصلوات والسلام ایسی کوئی آواز بلند فرمادیں یعنی النبی نبی ولو کان صبی کا اعلان فرمادیں تو انکار کیسا؟

دوستو! روحِ بدن ہمیشہ کیلئے غائب مطلق ہے مگر بدن اس سے مسلسل استفادہ کرتا رہتا ہے روح کا غائب ہونا اس کے فیض میں مانع نہیں ہوتا، اب اگر ان ذوات کے اجساد طاہرہ غائب ہوجائیں تو استفادہ کیسے منقطع ہوسکتا ہے؟

یہ تو صرف آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کے اجساد اور ارواحِ مومنین کا ذکر تھا لیکن من حیث الحجة یہ نور واحد پوری کائنات کی روح ہے کیونکہ فرمان ہے

☆ان الحجة یدبر کل العالم کما یدبر الروح فی الجسد

حجۃ اللہ پوری کائنات پر ایسا تدبر رکھتا ہے جیسے بدن کیلئے روح مدبر ہوتی ہے

یعنی یہی نور رجحت عجل اللہ فرجہ الشریف اس طرح کائنات میں کارفرما ہے جس طرح بدن میں روح کارفرما ہے فلسفی اعظم ارسطو اگرچہ نزول قرآن سے قبل گزرا ہے مگر اس کا ایک قول اس آیت کی تفسیر میں پیش کیا جاتا ہے

☆مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ

وہ کہتا ہے کہ عالم یعنی یہ کائنات بذات خود ایک مکمل انسان ہے یعنی انسان کبیر ہے اور اس کا نام ہے عالم اکبر اور انسان یعنی آدمی انسان صغیر ہے یعنی انسان عالم اصغر ہے اور جس طرح آدمی عالم اصغر ذی حیات ہے اسی طرح عالم اکبر ذی حیات ہے

امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا اے انسان تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جرم (جسم) ہے لیکن تمہارے اندر عالم اکبر سمایا ہوا ہے

www.khrooj.com

مقصد یہ ہے کہ یہ کائنات یہ ہستی ایک انسان کی طرح ہے جس طرح آدمی میں انسان صغیر میں ایک مدبر کل ہے حاکم مطلق یعنی روح موجود ہے اسی طرح انسان اکبر یعنی کائنات میں بھی ایک ذات کو مدبر کل ہونا چاہئے اور وہی نور حجت ہے جو عالم اکبر کی روح ہے

یہ بھی ہے کہ روحِ انسان تخلیق بدن سے ہزار ہا سال پہلے کی ہے، اگر روح اعلان کرے کہ میں بدن سے قبل ہوں بدن کے ساتھ ہوں جب تک یہ بدن رہے گا میں ساتھ رہوں گی اور بدن کے بعد بھی میں رہوں گی تو کسی کو اعتراض نہیں

اگر روح عالمین علیہ الصلوات والسلام یہ اعلان فرما دیں کہ

☆الحجة قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق تو انکار کیسا؟

دوستو یہ ایک مسلّمہ ہے کہ انسان کی روح پیکر خاکی میں جب تک موجود رہتی ہے جسم فاسد نہیں ہوتا ہے یعنی انسان اصغر کی وجہ بقا روح ہے اور روح نہ رہے تو جسم فاسد ہو جاتا ہے، اب اگر روح عالم اکبر روح کائنات علیہ الصلوات والسلام اعلان فرمائے کہ اگر وجود حجۃ کائنات سے علیحدہ کر دیا جائے تو طرفۃ العین میں کائنات فنا ہو جائے تو انکار کیسا؟

دوستو! انسان اصغر کی روح انسان کے بدن کے کسی ایک خلیہ سے بھی غافل نہیں رہ سکتی اور وہ اعلان کرے کہ وہ بدن کے ہر سیل (Cell) میں مسلسل موجود ہے اور یہ بھی اعلان کر دے کہ انسان کے بدن کی کوئی چیز مجھ سے غائب نہیں تو کسی کو انکار نہیں اور روح کائنات نور حجت علیہ الصلوات والسلام اگر اعلان کریں کہ کائنات ہمارے سامنے کف دست کی طرح ہے اس کی کوئی چیز ہم سے اوجھل نہیں ہے اور ہم ہر جگہ ہمہ وقت

www.khrooj.com

موجود ہیں تو انکار کیسا؟

دوستو! کوئی انسان یہ بھی بتا سکتا ہے کہ روح انسان کے کس حصے میں موجود ہے اور کس حصے میں موجود نہیں ہے، یا کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ روح تو ایک ہے اور وہ جسم کے متعدد مقامات پر موجود نہیں رہ سکتی؟

جب ایک جسم کی روح اس پورے جسم میں اس طرح سرایت پذیر ہوتی ہے کہ جیسے دودھ میں مکھن ہوتا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تو روح عالمین علیہ الصلوات والسلام کے بارے میں یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ایک جسم متعدد مقامات پر موجود نہیں رہ سکتا اور وہ ہر جگہ موجود نہیں رہ سکتے، اس پر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ عالم تو بہت بڑا ہے اس لئے اس میں ایک ذات کا ہمہ وقت موجود رہنا عقلاً محال ہے

بات یہ ہے کہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ جسم چاہے چیونٹی کا ہو یا ہاتھی کا اس کی روح اس کے پورے جسم میں سمائی ہوئی ہوگی اور اس سے کوئی جگہ خالی نہ ہوگی، ایک چیونٹی یہ نہیں کہہ سکتی کہ ہاتھی کی روح میری روح کے سائز (Size) کی ہوگی اس لئے ہاتھی میں ایک روح مدبر نہیں ہوسکتی بلکہ اس میں ہزاروں لاکھوں روحیں مل کر کام کرتی ہیں اگر کوئی چیونٹی یہ بات کرے بھی تو کیا کوئی اس کی اس بات کو درست بھی مانے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ جسم جتنا بڑا ہوتا ہے روح اس کے سائز (Size) کی ہوتی ہے یا یوں سمجھیں کہ جسم چاہے جتنا چھوٹا ہو یا بڑا ہو روح کیلئے اس جسم کا حجم کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اس کیلئے جسم کا چھوٹا بڑا ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے وہ ایک چیونٹی میں ہو یا ہاتھی میں، ایک ہی طرح فعال و مدبر ہوتی ہے

www.khrooj.com

اسی طرح جو روحِ عالمین ذات ہے اس کیلئے اس کائنات کی وسعت کوئی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ وہ اسی طرح فعال و مدبر رہتی ہے جس طرح ایک چھوٹے سے جرثومے کے جسم میں فعال و مدبر ہوتی ہے

آج ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اس کائنات کے مدبر واحد ہیں اور ان کیلئے اس کائنات کا کوئی گوشہ بعید نہیں ہے بلکہ وہ اس کے ہر حصے ہر گوشے میں اسی طرح فعال و مدبر ہیں کہ جس طرح ایک چیونٹی کی روح اس کے ننھے سے جسم میں فعال ہوتی ہے ان باتوں کو آج ہم نہیں سمجھ سکتے ہاں ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب ہم ان باتوں کو عین الیقین کی حد تک دیکھ اور سمجھ لیں گے اور وہ وقت اب دور نہیں کہ جب شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور اس کائنات پر ان کا تدبر اور حکومت ظاہر ہو جائے گی اور اس کے بعد ساری چیزیں مشاہداتی ہو جائیں گی اور اس وقت سارے راز کھل جائیں گے

آیئے مل کر دعا کریں کہ وہ روز سعید جلدی آئے کہ جب ان اسرار اِلٰہیہ سے پردۂ مصلحت ہٹ جائے اور ہم انوار اِلٰہیہ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے اس دنیا کا مدبر و حاکم و متصرف دیکھیں

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشريف وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلىٰ آلِهِ اَجمَعِين

www.khrooj.com

یاھوالوہاب الخبیر العلیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوت اللہ علیک

حدیث ثقلین

☆انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی ......الخ

اے محنت کشانِ معادنِ عرفان !
آج کی نشست میں مجھے ایک ایسی حدیث کے بارے میں کچھ کہنا ہے کہ جس کے بارے میں اتنا کچھ کہا گیا ہے کہ اب اس کے بارے میں کچھ کہنے کی گنجائش ہی باقی نہیں ہے
یہ ''حدیث ثقلین'' کے نام سے مشہور حدیث ہے کہ حضور اکرم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہم دو بھاری اور ہموزن چیزیں چھوڑے جا رہے ہیں ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسری چیز میری عترت ہے''
یہ تو وہ عام لفظی ترجمہ ہے جو سارے مقرّرین کرتے ہیں
اس حدیث کے بارے میں عرض کرتا چلوں کہ یہ حدیث ستر 70 طریق سے آئی ہے اوران میں سے صرف ایک راوی نے لفظ ''عترتی'' کے بجائے لفظ ''سنتی'' روایت کیا ہے ورنہ باقی سبھی نے لفظ ''عترتی'' بیان کیا ہے

www.khrooj.com

اب ذرا اس حدیث کو سمجھنے کیلئے ذرا یہ دیکھ لینا چاہئے کہ ان دو چیزوں کو یعنی ثقلین (دو بھاری چیزوں) کو کیوں چھوڑا جا رہا ہے؟ اس کا جواب اسی حدیث میں ہے کہ انہیں مخلوق کی ہدایت کیلئے چھوڑا گیا ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہدایت کرنا مقصود تھا تو ایک چیز بھی ہدایت کیلئے کافی تھی دو چیزوں کی کیا ضرورت تھی کہ دو ہی ہدایت کا ذریعہ ہوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان ہدایت میں محتاج محض ہے اور اس کی ہدایت کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہیں ''گفتار'' اور ''کردار'' ...... جب یہ دو چیزیں ہوتی ہیں تو ان چیزوں سے پندار پیدا ہوتا ہے یعنی قول اور فعل مل کر کسی چیز یا شخص کے بارے میں عقیدہ پیدا کرتے ہیں جملہ مکاتیب فکر کے فلاسفہ کا کہنا ہے کہ گفتار سے کردار ہمیشہ بلند آھنگ ہو کر ابھرتا ہے کردار گفتار سے بہت اونچی آواز میں بات منواتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ گفتار تب مؤثر ہے جب کردار اس سے ہم آہنگ ہو، کردار کی پستی گفتار کی بلندی کو زمین بوس کر دیتی ہے، کردار گفتار سے زیادہ بلند آواز میں ہدایت کر سکتا ہے اس لئے اوّلیت کردار کو حاصل ہے اور گفتار کی حیثیت ثانوی ہے، مضبوط گفتار کو ناقص کردار ناقص کر دیتا ہے مگر مضبوط کردار پر گفتار کا نقص زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجموعۂ گفتار کتاب اللہ ہے اور ان کا مجموعۂ کردار ان کی عترت کے پاک افراد علیہم الصلوات والسلام ہیں جب تک ان دونوں سے تمسک نہ ہوگا پندار یعنی عقیدہ درست نہ ہوگا ایمان درست نہ ہوگا اور گمراہی کے سوا کچھ بھی نہ ملے گا۔

www.khrooj.com

اب خود دیکھیں گفتار پر کردار کو کتنی فضیلت حاصل ہے ماضی بعید کو چھوڑیں صرف بعثت سرورانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھیں ان کی حیات طیبہ دو بڑے حصوں میں تقسیم نظر آتی ہے چالیس سال صرف کردار نظر آتا ہے کوئی گفتار نہیں ...... تئیس سال کردار کے ساتھ گفتار کا سلسلہ بھی نظر آتا ہے یعنی چالیس سال تک خاموشی کا حکم تھا کہ کردار کا لوہا منوایا جائے چالیس سال بعد حکم ہوا ''اِقرأ'' اب قرأت فرمائیں

''وانزلنا معهم الكتب'' کے تحت کتاب تو ان کی معیّت میں نازل ہو چکی تھی مگر اذن قرأت نہ تھا جب قرأت میں آیا تو قرآن ہوا جو تعلیمات اِلٰہیہ کا لفظی مجموعہ ہے مگر کردار تو پہلے ہی لوہا منوا چکا ہے

آپ دیکھیں کردار گفتار سے قبل کیسے لوا منوا چکا تھا دعوت ذوالعشیرہ ہی کو دیکھ لیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم اگر فرمائیں کہ اس پہاڑ کے پیچھے لشکر ہے تو کیا آپ یقین کریں گے؟ اس پر سب نے بیک زبان عرض کیا کہ زبانِ صادق وامین سے کبھی کوئی غلط بات سرزد ہوئی ہی نہیں تو پھر یہ ہم کیسے یقین نہیں کر سکتے۔

اگر چہ وہ کافر تھے مگر صادق وامین مانتے ہیں دراصل یہ صداقت کردار ہے، یہ کردار نے منوایا ہے نہ کہ وہ اللہ کے کلام کی وجہ سے صادق مان رہے ہیں، جب اللہ کو نہیں مانتے تو کلام کو کیا مانیں گے وہ اللہ کا کلمہ نہیں پڑھ رہے مگر کردار کا کلمہ بالاتفاق پڑھ رہے ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ کردار کا مقام گفتار سے بہت اونچا ہے اور کردار کے بغیر گفتار نا کافی ہے تو پھر کہنے والے کو کیا حق ہے کہ کہے حسبنا کتاب الله کہ اللہ کی کتاب کافی ہے

بلکہ کتاب تو اقوال پر مبنی ہے یہ تو گفتار ہی گفتار ہے اور کتاب کردار تو نہیں دکھا سکتی ہے صرف گفتار دکھا سکتی ہے اگر کردار دیکھنا ہو تو کردار آئینہ دکھاتا ہے۔

دوستو حقیقت یہ ہے کہ ہدایت کیلئے صرف گفتار کی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک کردار کی بھی ضرورت ہے تاکہ جب تک مخلوق میں احتیاج ہدایت باقی رہے گفتار کے ساتھ کردار بھی باقی رہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خود ان کا وجود اطہر کردار تھا۔ اور گفتار اللہ کی کتاب تھی سچ تو یہ ہے کہ کتاب تو خود زمانۂ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں کافی نہ تھی پھر ان کے جانے کے بعد کیسے کافی ہوگئی ؟

جس نے سب سے پہلے کتاب کو کافی کہا تھا اسی کو جو سب سے پہلا مسئلہ درپیش ہوا تو اس نے اقرار کیا کہ کتاب اللہ میں خلافت کا مسئلہ موجود ہی نہیں لہٰذا ووٹ کروالیں اس طرح یہ بات کرکے ''حسبنا کتاب اللہ'' کہنے والے نے خود تسلیم کرلیا کہ کتاب کافی نہیں ہے مسئلۂ خلافت موجود ہونے کے باوجود نہ دکھا سکنا ثابت کرتا ہے کہ خود اس کے لئے بھی کتاب کافی نہ ہوئی، دوستو اسی لئے ضروری ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ ایک کردار ہو جو قیامت تک ساتھ ساتھ رہے

اب کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ پھر لفظ ''سنتی'' کو دیکھ لیں سنت کردار ہے اور قرآن گفتار ہے اس طرح گفتار اور کردار دونوں مل جاتے ہیں

اس کے جواب میں میں عرض کرتا ہوں چاہے لفظ ''سنتی'' مان بھی لیا جائے تب بھی کتاب تو کافی نہ رہی، حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہو یا کتب احادیث یہ سب مجموعہ ہائے گفتار ہیں سب دائرہ اقوال میں داخل ہیں

جب کسی راوی نے فعل رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کردار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کیا تو بقول

راوی ہوا، لہٰذا گفتار رہی ٹھہرا کردار کہاں رہا راوی کہتا ہے ہم تک یہ پہنچا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے اب خود تجزیہ کریں جو راوی تک پہنچا ہے وہ کردار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے یا گفتار؟ کیونکہ کردار آئینے تک پہنچتا ہے گفتار کتاب تک جاتی ہے تو ایک کتاب جس طرح گفتار کیلئے لازم ہے اسی طرح ایک آئینہ کردار کیلئے لازم ہے گفتار کتاب دکھائے کردار آئینہ دکھائے

دوستو! گفتار اور کردار میں ایک نمایاں فرق ہوتا ہے، گفتار کی اطاعت ہوتی ہے کردار کی اتباع ہوتی ہے اس لئے اطاعت کی طرح اتباع کا اور قول کی طرح فعل کا اور گفتار کی طرح کردار کا تا قیامت رہنا لازم ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار قیامت تک جاری رہے۔

یہ بھی مسلّمہ ہے کہ ہر چیز کا کافی ہونا جنس کیلئے ہوتا ہے کوئی چیز جنس غیر کیلئے کافی نہیں ہوتی مثلاً کوئی کسی کا مہمان ہوا اس نے پانی کا جگ لیا اور ایک گلاس میں پانی ڈالا تو اس نے کہا بس مجھے یہی کافی ہے باقی لے جائیں تو کیا یہ گلاس پانی کا کافی ہو گیا؟ کیا پھر یہ سارا دن پانی نہیں مانگے گا کہ گلاس کافی ہے۔

جب کھانے کا وقت ہوا تو میزبان کھانا تیار نہ کروائے کہ گلاس کافی ہے جب بستر کی ضرورت ہو تو کہے کہ تم نے کہا تھا گلاس کافی ہے وہ چارپائی مانگے تو میزبان کہے کہ جناب نے فرمایا تھا ایک گلاس کافی ہے اب اسی طرح ساری ضروریات پر پھیلاتے چلے جائیں تو پتہ چلے گا کہ کافی ہونا جنس کیلئے ہے اب پیاس کیلئے یعنی فوری پیاس کیلئے تو پانی کا گلاس کافی تھا مگر بھوک کیلئے تو کافی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ بھوک اور پیاس کی جنس مختلف ہے ہم بھی مان لیتے ہیں کہ گفتار کی حد تک کتاب کافی ہے مگر

www.khrooj.com

کردار کیلئے کیسے کافی ہوسکتی ہے یہ تو جنس ہی علیحدہ ہے اب قرآن میں دیکھئے

☆قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی

اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو میری اتباع کرو، اب اگر حسبنا کتاب الله والی بات کو درست مان لیا جائے تو قرآن کو کہنا چاہیئے تھا کہ اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو پھر قرآن کے احکام پر عمل کرو قرآن حفظ کرو قرآن پڑھو، آپ دیکھیں ایسا نہیں ہے بلکہ قرآن خود کہہ رہا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلو اس سے ثابت ہوا کہ خود قرآن بھی اقرار کرتا ہے کہ کتاب کافی نہیں ہے

دوستو! جب کتاب خود کہہ رہی ہے کہ کتاب کافی نہیں تو دوسرے کو یہ کہنے کا کیسے حق حاصل ہے؟ ...... ہمارے لئے یہ ماننا ناگزیر ہے کہ جو بات ان کے نقش قدم میں ہے وہ قرآن میں بھی نہیں ہے کیونکہ گفتار ہمیشہ ناکافی ہوتی ہے کردار کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ گفتار سے ہم آہنگ ہوکر پندار کو تشکیل دے۔

اب ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ایسا نظر آتا ہے کہ احکام کے ضمن میں بہت کچھ بھلایا جارہا ہے مثلاً فروعات کو دیکھیں اللہ نے سینکڑوں مقامات پر نماز کا حکم دیا ہے مگر ترکیب واوقات بتانا بھول گیا، رکعتیں بھی بھول گیا، روزے کا حکم دیا تو مبطلات روزہ اور دیگر لوازمات بھول گیا، زکواۃ کا حکم دیا تو نصاب زکواۃ بیان کرنا بھول گیا، خود حج کا حکم دیا تو مناسک حج اور ترکیب حج بتانا بھول گیا، معلوم ہوتا ہے خالق بڑی ذمہ داری کے ساتھ بھول رہا ہے۔

یہ بھی ہے کہ وہ خالق وعلیم ہے اس کے بارے میں تو بھولنے کا امکان تک نہیں اگر انسانوں میں سے کوئی نسیان اور بھولنے کے مرض میں مبتلا ہو تو بھی اس پابندی سے

بھولنے کا امکان نہیں یہ بھولنا بتا رہا ہے کہ قرآن بتانا چاہتا ہے اجمال مجھ سے لو تفصیل کیلئے کوئی اور راستہ ہے، حکم میں دیتا ہوں عمل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیکھو ان کے نقش قدم پر چلو۔

قرآن مجید تو خود کو فروعات واصول دین میں ناکافی بتا رہا ہے تو اب کسی اور کو کیا حق حاصل ہے کہ کہے کہ "حسبنا کتاب اللہ" یعنی ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے

پوری دنیا کی حکومتیں یہ بتاتی ہیں کہ آئین مرتب کر لینا آسان ہے کاغذی کاروائی کر لینا مسودہ قانون بنا لینا آسان ہے مگر عملی زندگی میں بے سود ہے جب تک عمل کروانے والا نہ ہو، قانون کا نمائندہ نہ ہو، ایک سڑک پر بورڈ لگا دینا کافی نہیں ٹریفک سارجنٹ یا ٹریفک سگنل کا ہونا ضروری ہے جب ایک عام سی سڑک پر چلنے کیلئے بھی تحریر کافی نہیں ہے تو صراط مستقیم پر چلنے کیلئے کتاب کیسے کافی ہے؟

( ) دوستو! کئی علما تفسیر بالرائے کو برا کہتے ہیں فتوے لگاتے ہیں کہ آیات کے وہی معنی وتفسیر کیئے جائیں جو حدیث میں ہوں۔

ان کی یہ بات بجا ہے مگر اس سے یہ بھی تو ثابت ہوتا ہے کہ کلام الٰہی کی تفسیر کیلئے احادیث کی ضرورت ہے تو یقیناً کتاب خود اپنے لئے بھی ناکافی ہی ٹھہری۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ کتاب کافی نہیں ہے آپ ذرا واقعۂ مباہلہ کو دیکھ لیں کہ عیسائی راہبوں کی جماعت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباحثہ کر رہی ہے، وہ اپنے دلائل دے رہے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیات پیش کر رہے ہیں مگر فیصلہ نہیں ہوتا قرآنی دلائل جب ناکافی ہوئے تو کچھ ذوات متعالیہ علیہم الصلوات والسلام اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور وہی کافی ہو جاتے ہیں

اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ صرف کتاب کافی نہیں ہوسکتی

() ہر دور میں جبر وتفویض پر بڑی بڑی کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں اور وہ آج بھی موجود ہیں اس مسئلے کو سمجھانے کیلئے جہاں دیگر دلائل دیئے جاتے رہے ہیں وہاں ایک یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ جہاں تک نظام جبر کارفرما ہے وہاں صرف خدا کی ذات ہدایت فرماتی ہے اور جہاں سے نظام تفویض واختیار شروع ہوتا ہے وہاں سے ہادیوں اور انبیاعلیہم السلام کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مثلاً ایک بچہ پیدا ہوا اب آپ بتائیں اسے دودھ پینے کا عمل کون سکھاتا ہے؟ دفع ضرر اور جلب منفعت کیلئے رونے کا عمل کون سکھاتا ہے؟

پوری دنیا کے علماء ساری دنیا کی کتابیں لے کر جمع ہو جاتے اور انہیں بچے کو دودھ پینے کا طریقہ سکھانا ہوتا تو کبھی نہ سکھا سکتے کیونکہ وہ بچہ ابھی خالق کے نظام جبر کے ماتحت ہے اس لئے اسے کسی ہادی کا محتاج نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اسے اپنے نظام جبر کے تحت سکھا کر بھیجا گیا ہے، فطرت کو معلم بنا کر سکھا دیا گیا ہے مگر جب نظام جبر سے نکلا تو پھر ہدایت انبیاعلیہم السلام کی ضرورت درپیش ہوئی یعنی اختیار ملتے ہی تعلیمات انبیا علیہم السلام کی ضرورت ہے۔

گویا وہ بچہ اللہ کے نظام ہدایت سے نکل کر انبیاعلیہم السلام کے دائرۂ ہدایت میں داخل ہوا تو پھر یہاں خدا بھی کافی نہ رہا بلکہ انبیاعلیہم السلام کی ضرورت پڑ گئی۔

ثابت ہوا کہ جب انسان دائرۂ جبر سے نکل کر دائرۂ تفویض واختیار میں داخل ہوا تو خود خدا بھی کافی نہ رہا اور جب خدا بھی کافی نہیں ہو رہا تو اس کی کتاب کیسے کافی ہو گئی۔

www.khrooj.com

اس مختصر سی بحث سے یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ ''حسبنا کتاب اللہ'' کہنے والوں نے غلط کہا تھا کہ کتاب کافی ہے۔

() دوستو! ہدایت کے مرحلوں میں گفتار سے زیادہ اہم کردار ہے کیونکہ کتاب اقوال دکھاتی ہے لیکن افعال کا دکھانا کتاب کا کام نہیں بلکہ آئینے کا کام ہے اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا آئینہ ہو جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کی حیثیت کو بحال رکھے اور ہر دور میں موجود ہو جو آئینے ہمارے پاس موجود ہیں ان آئینوں میں یہ نقص ہے کہ جب تک صاحب عکس ان کے سامنے موجود رہتا ہے یہ اس وقت تک کردار پیش کرتے رہتے ہیں ادھر صاحب عکس غائب ہوا تو کردار بھی غائب ہو گیا۔ یہاں ایسے آئینوں کا وجود لازم ہے کہ جب صاحب عکس تشریف لے جائیں تو یہ ان کے کردار کو مسلسل لوگوں کے سامنے قائم رکھیں یہ نہ دکھائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کیا تھا بلکہ یہ دکھائیں کہ اگر آج وہ ہمارے مابین ظاہراً موجود ہوتے تو کیا کرتے؟

دوستو! جو آئینہ کردار کو زمانے کے حساب سے پیش کرے یعنی بحساب زمانہ و وقت پیش کرے اس آئینے کو صاحب العصر والزمان علیہ الصلوات والسلام کہا جاتا ہے۔

ہمارے زمانے میں جو آئینہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار دکھا رہا ہے وہ ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں اور ان کی ذات ہی ذات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر ہے بالکل وہی کردار ہے جو قرآن کا عملی نمونہ ہے۔

قرآن تعلیمات اِلٰہی کا لفظی مجموعہ ہے تو یہ تعلیمات اِلٰہی کا عملی مجموعہ ہے

() دوستو! لوگ کہتے ہیں وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور وہ لوگ وحی کے نزول کو

مطلق بند سمجھتے ہیں تو ہمیں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا واقعی اب خالق اور مخلوق کے مابین کوئی رابطہ نہیں ہے؟ جو کچھ اس خلاقِ کائنات عزوجل نے کہنا تھا کہہ دیا ہے اور اس کے پاس انسان کو دینے کیلئے واقعی کوئی پیغام نہیں ہے۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ کائنات مسلسل ارتقا پذیر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انسان بھی ارتقا پذیر ہے اور وقت کے تقاضے لمحہ بہ لمحہ بدل رہے ہیں اس بدلتی ہوئی دنیا وانسان سے قطع نظر کیا خالق کائنات نے مخلوق سے سلسلۂ تعلق منقطع کر دیا ہے؟ کیا واقعی انسان کا خالق سے رابطہ کٹ چکا ہے؟ اس کے جو پیغامات آنا تھے آچکے ہیں؟ باقی کوئی ایسا پیغام نہیں جو اس ایٹمی دور میں انسان تک پہنچ سکے؟

کافی لوگ اس سلسلے کو بھی منقطع سمجھتے ہیں اور پھر خالق سے رابطہ بھی سمجھتے ہیں یہ تضاد نہیں تو کیا ہے؟ ہمارا رابطہ تو اس سے کٹ گیا ہے اور اس کا رابطہ باقی ہے؟ مگر کیسے؟

میں جو سمجھ پایا ہوں وہ یہ ہے کہ وحی کی دو اقسام ہیں ''وحی قولی'' اور ''وحی فعلی''

وحی قولی یہ ہے کہ ''اقیموا الصلواۃ ''یعنی ''نماز قائم کرو'' یہاں حکم تو ہو گیا اب عمل کیسے کرنا ہے؟ اس کیلئے وحی فعلی کی ضرورت ہے۔

''وحی قولی'' منصب نبوت سے متعلق ہے اور وحی فعلی منصب امامت سے متعلق ہے جس وحی سے قرآن بنا یہ وحی قولی ہے اس لئے اس میں تفصیلی عمل نہیں اب وحی فعلی ہوئی کہ اس طرح پڑھو گویا پڑھتے گئے تکمیل فعل ہوتی گئی یا یوں سمجھ لیں وحی آتی گئی عمل میں ڈھلتی گئی یہی وجہ ہے کہ قرآن قول ہونے کے نام سے صرف احکام صادر کرتا ہے اور ترکیب و ترتیب و شرائط و مقدار کا تعین نہیں کرتا کیونکہ اس تفصیل کا تعلق فعل سے ہے۔

www.khrooj.com

سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نبی و رسول ہی نہ تھے بلکہ امام الآئمہ بھی تھے کیونکہ ابوالآئمہ علیہ الصلوات والسلام جیسی ذات جب ان کے پیچھے چلتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ منصب امامت کے حامل بھی تھے ورنہ وہ صدور افعال میں محتاج غیر ہوتے۔

حقیقت یہ ہے کہ امامت وہ منصب ہے کہ اس کا تعلق ہے ہی ''فعلی'' اس لئے جب حکم جنگ و جہاد ہوا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفّار سے جنگ کریں مگر عہدۂ رسالت و نبوت تو ''قولی'' ہے اس لئے جہاد کرنا اس کے منصب کے دائرے سے باہر تھا اس لئے جہاد منصب امامت نے کیا۔

اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ منصب امامت ہے ہی ''فعلی'' اس لئے افعال و اعمال امامت سے متعلق ہیں اور خالق نے جس عہدے کو ختم فرمایا ہے وہ عہدۂ نبوت ہے نہ کہ رسالت کا عہدہ ختم فرمایا اور نہ ہی منصب ولایت ختم فرمایا ہے اور نہ ہی منصب خلافت ختم فرمایا ہے اور نہ منصب امامت ختم ہوا ہے صرف نبوت کا عہدہ ختم ہوا ہے قرآن کریم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبین فرمایا گیا ہے نہ کہ کسی دیگر عہدے کا بھی خاتم قرار دیا ہے اور جو سلسلۂ وحی بھی ختم ہوا ہے تو وہ وحی نبوتی وقولی کا سلسلہ ختم ہوا ہے نہ کہ وحی فعلی کا لفظ نبی ''نبا'' سے مشتق ہے اور ''النبا'' کے معنی ''خبر'' کے ہیں ختم نبوّت کا مقصد یہ ہے کہ مزید کوئی خبر نہیں آنا کیونکہ مزید کسی خبر کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے یہ سیٹ ہی ختم کر دی گئی لیکن باقی عہدوں کی مسلسل ضرورت ہے اللہ کی نیابت کی ضرورت ہے، خلافت اِلٰہیہ کی ضرورت ہے، عہدۂ رسالت کی ضرورت ہے، ولایت کی ضرورت موجود ہے، امامت کی ضرورت ہے تو انہیں کیوں ختم کیا جائے؟

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ''وحی قولی'' کا سلسلہ تو بند ہوا ہے مگر ''وحی فعلی'' کا سلسلہ بند نہیں ہوا کیونکہ اس کا تعلق امامت سے ہے جیسا کہ کلام پاک سے ثابت ہے سورہ الانبیاء آیہ 73 میں ارشاد ہوتا ہے

☆وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ

کہ جو امام حق ہیں ان کیلئے وحی شرط امامت ہے کہ انہیں فعل خیرات کی وحی ہوتی ہے اگر کوئی اس سے انکار کرے تو اس کیلئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو سلسلۂ امامت بند کر دیں یا پھر سلسلۂ وحی کو جاری سمجھیں

اس گفتگو سے ثابت ہوا کہ افعال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کردار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا قیام قیامت موجود رہیں گے یعنی اس دنیا میں ایک ایسی ذات ضرور موجود رہے گی جس کا وجود اطہر سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود اطہر کے برابر ہو، جس کے افعال ان کے افعال کے ہموزن ہوں، جس کا کردار بالکل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا مقدّس کردار ہو اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو دنیا بوجہ اعمال زشت عذاب عام میں مبتلا ہو جاتی کیونکہ سورہ الانفال آیہ 33 میں ارشاد قدرت ہے

☆وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک آپ ان لوگوں کے درمیان میں ہیں اللہ عذاب کیسے نازل فرما سکتا ہے؟

یہاں عذاب سے مراد عذاب عام ہے ورنہ عذاب خاص تو زمانۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی نازل ہوتا رہا ہے جیسے حارث بن نعمان فھری پر آسمان سے پتھر برسے لیکن عذاب عام اس امت پر نازل نہیں ہوا ورنہ واقعہ کربلا کے بعد امت مسلمہ مستحق

عذاب ہو چکی تھی سقیفہ سے لے کر غیبت تک ہر موڑ پر امت مستحق عذاب رہی ہے
لیکن عذاب عام نہیں ہوا تو ماننا پڑے گا کہ کوئی ''انت فیھم '' کا مصداق موجود ہے
کہ جسے دیکھ کر خالق محسوس کرتا ہے کہ میرا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب بھی ان میں موجود
ہے

یہ عذاب کا نہ آنا ایک تو وجود حجت پر دلیل ہے کہ حجت خدا موجود ہیں نمبر دو مرتبۂ
حجت و مقام حجت پر دلیل ہے کہ حجت کم از کم اس مقام پر فائز ہے کہ جیسے خود محبوب
کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امت میں بیٹھے ہوں اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ جو موجود ہے وہ
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار ہے

() دوستو!

شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتار اور کردار کو قیامت تک ساتھ ساتھ چلنا ہے اور یہی
حدیث ثقلین کے معنی ہیں کہ کتاب اللہ مجموعۂ اقوال ہے اور عترت مجموعۂ افعال ہے
کتاب اللہ اللہ کی اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتار ہے پاک عترت اللہ اور اس
کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار ہے، کتاب اللہ کا قول ہے عترت اللہ کا فعل ہے

اب اگر کوئی یہ دیکھنا چاہے کہ اللہ کیا اور کیسے کہتا ہے تو جا کر کتاب سے پوچھ لے اور
اگر کوئی یہ دیکھنا چاہے کہ اللہ کیسے کرتا ہے تو جا کر پاک عترت کو دیکھ لے اسے سمجھ
آ جائے گا کہ اللہ کیسے کرتا ہے

کہتے ہیں اگر قول و فعل میں تضاد پیدا ہو جائے تو صداقت مشکوک ہو جاتی ہے اب
اس مقام پر پہنچ کر میں کہوں گا کہ اگر کوئی شخص پاک عترت پر حرف زنی کرنا چاہتا
ہے تو اسے پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ اگر عترت سے غلط فعل کے ارتکاب کا احتمال

فرض کرلیا تو اللہ کی عصمت خطرے میں پڑ جائے گی

اسی لئے نہ قرآن پر شک کرنا جائز ہے اور نہ پاک عترت پر شک کرنا جائز ہے کیونکہ وہ ھدی للمتقین ہے تو یہ امام المتقین ہیں، وہ متقین کی ہدایت کرتا ہے یہ متقین کی قیادت کرتے ہیں، وہ مقام اطاعت پر فائز ہے تو یہ مقام اتباع پر فائز ہیں، اس کی ہر بات اللہ کی طرف منسوب ہے ان کا ہر فعل اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے

قرآن گواہ ہے یہ پتھر ماریں تو اللہ کو کہنا پڑتا ہے تو نے نہیں مارا میں نے مارا ہے

( ) دوستو! اب ایک اور مرحلہ سامنے ہے

دیکھئے فعل وافعال جو اکثر صادر ہوتے ہیں یا جو کام ہوتا رہتا ہے وہ ہے ''فعل'' اور جو طاقت اس فعل کو صادر کرواتی ہے وہ ہے ''ملکہ''

مثلاً کسی نے نماز میں انگوٹھی دے دی، یہ دینے کا عمل عمل سخاوت ہے اور عمل سے سخاوت کا اظہار ہوا ہے اور جو ''جوہر سخاوت'' ہے اسے ''ملکہ'' کہتے ہیں یعنی سخاوت ملکہ ہے اور عمل سخاوت ''فعل'' ہے...... ملکۂ سخاوت وشجاعت ہوگا تو عمل سے ظاہر ہوگا اگر جوہر ہی نہ ہوا تو عمل میں کیسے ظاہر ہوگا؟ بس یوں سمجھ لیں کہ افعال کا مرکز اعضا ہوتے ہیں اور ملکات کا مرکز نفس ہوتا ہے، افعال جوہر اعضا ہوتے ہیں اور ''ملکات'' جوہر نفس ہوتے ہیں افعال مختلف اعضا سے ظاہر ہوتے ہیں آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتا ہے، زبان بولتی ہے، پاؤں چلتے ہیں مگر ان کو استعمال تب کیا جا سکتا ہے جب ان کے پیچھے ''ملکہ'' موجود ہو سماعت ہی نہ ہو تو کان کیا سنے گا؟ ملکۂ نطق ہی نہ ہو تو زبان کیا بولے گی؟ یوں سمجھ لیں اصل محرک تو ''ملکہ'' ہوتا ہے اور ''ملکہ'' نفس کا جوہر ہوتا ہے اسی وجہ سے افعال واعمال کی نسبت اعضا سے پہلے نفس

www.khrooj.com

کی طرف ہوتی ہے کہ انسان کہتا ہے میں نے سنا ہے، دیکھا ہے، کہا ہے، حالانکہ یہ افعال تو اعضا سے صادر ہو رہے ہیں اور مختلف اعضا مختلف افعال کر رہے ہیں مگر سب افعال کو صرف ''میں'' سے منسوب کر دیا جاتا ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب افعال اعضا میں تقسیم ہوئے تو اس کی اصل وجہ نفس ہی تھا اور جملہ اعضا کا کنٹرول روم (Control room) بھی نفس ہی ہوتا ہے اور جملہ ''ملکات'' اسی ایک کے اندر ہوتے ہیں اسی طرح حامل کردار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسا ہونا چاہیئے جو افعال کو جذب نہ کرے بلکہ نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملکات کا حامل ہو، جو جو ہر قلب و نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہو اس میں اسی تابانی کے ساتھ موجود ہو اور خود اللہ کو وحدت نفس کے پیش نظر فرمانا پڑے ''انفسنا وانفسکم '' تم اپنے نفسوں کو بلاؤ ہم اپنے نفس کو بلاتے ہیں کہ جو ''ملکات'' نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامل ہیں

اب کسی کو یہ ☆ابنائنا و نسائنا کے الفاظ دھوکہ نہ دیں کہ پاک حسنین علیہم الصلوات والسلام صرف ان کے بیٹے تھے نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل نہیں تھے حقیقت یہ ہے کہ یہ پہلے حامل نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے پھر بیٹے تھے

آج تک کسی نے اجتماع صفات فی ذات واحد سے انکار نہیں کیا اس لئے اگر یہ نفس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملکات کے حامل نہ تھے اور انفسنا میں شامل نہ تھے تو ''الحسینؑ منی و انا من الحسینؑ '' کے کیا معنی لیں گے؟ کیونکہ یہ فرمان بھی تو ''علی منی و انا منہ'' ہی کا ہم مزاج فرمان ہے

دوستو! ہمیں یہ ماننا لازم ہے کہ سارے معصومین علیہم الصلوات والسلام میں سے ہر فرد ملکات

نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حامل ہے اور اس دور میں بھی ایک نفس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملکات کلیہ کا مالک موجود ہے جو آج بھی وہی کچھ کر رہا ہے کہ جو آج اگر شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے تو یہی کرتے

اب کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں کہ یہ کہے کہ وہ ایسا کیوں نہیں کرتے ایسا کیوں نہیں کرتے

ارے یہاں بھی اعتراض کرنے والے کو صلح حدیبیہ کے معترضین جیسا اعزاز ملے گا

دعا کریں اب اس کائنات کے مالک کا جلدی ظہور ہو اور اس تڑپتی انسانیت کا نجات دہندہ جلدی تشریف لائے

﴿آمین یارب العالمین﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف
وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہِ اَجمَعِین

﴿نوٹ﴾

یہ تقریر 1975 سے قبل کی تقاریر میں سے ہے جبکہ تقاریر کا آغاز ہو رہا تھا اس تقریر میں لڑکپن کا تتبع بھی نظر آتا ہے اور علمائے ہندوستان کا انداز بھی علمی وفکری ارتقا پر تحقیق کرنے والوں کیلئے یہ ایک اہم تقریر ہے

مہتاب اذفر

www.khrooj.com

يا مولا كريم عجل الله فرجك و صلوات الله عليك

القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی کی مطبوعات

تالیفات وتصنیفات

السیّد مخدوم المخادیم محمدؐ جعفرؒ الزمان نقوی البخاری

(1) انتصارِ مظلوم [اردو مسدس نظمیں]

(2) عرفانِ حجتؑ [شہنشاہ معظم کے اسم حجت عجل اللہ فرجہ الشریف کی شرح پر چودہ خطبات]

(3) کنڑھا المعروف قلندرنامہ [فقر کے موضوع پہ سرائیکی مسدس]

(4) عصمت السیدات [سیدزادی کا کسی غیر سید سے عقد ہرگز جائز نہیں ہے، اس کے متعلق ناقابل تردید دلائل، ثبوت اور حقائق]

(5) گستاخیاں [سادات عظام کے موضوع پہ اصلاحی نظمیں]

(6) طریق المنتظرین [حقوق امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اور فرائض مومنین پر ایک جامع کتاب]

(7) دعائے تعجیل فرج

(8) امتیاز العالین عن انواع العالمین

(9) معدن العصمت فی سیرت ام القائم الحجۃ صلواۃ اللہ علیہا

(10) اسرار العبدیات یعنی عملی روحانیات

(11) افکار المنتظرین [غوامض الٰہیات پر خطبات]

(12) The Last Reformer of the World

www.khrooj.com

[دنیا کے تمام مذاہب میں آخری دور میں ایک آنے والی ذات کا تصور]

(13) باادب بامراد

(14) عرفانیے [مدحیہ اردو نظموں قطعات ور باعیات کا مجموعہ]

(15) شرح دعائے عہد

(16) انتصارِ ولایت عصرؑ [کربلا نے ہمیں انصار سازی کا کیا درس دیا ہے؟]

(17) مجالس المنتظرین فی مقتل المظلومین پانچ جلدیں، اُردو، سرائیکی

[محققانہ مجالس، ایک تاریخ، ایک جغرافیہ، ایک روضہ نگاری جو ہزاروں کتابوں سے بے نیاز کردیں]

(18) نہج المعرفت فی اسماء القائمؑ تین جلدیں [امامؑ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے اسماء مبارکہ پر خطبات]

(19) دین نصرت

(20) مصباحِ شیعت [شیعیت کے اصول وفروع پر جامع کتاب]

(21) وحدانیت مطلقہ [امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں مولا امیرؑ المومنین کے چالیس فرامین]

(22) کرچیاں [اردو قطعات، رباعیات، سلام]

(23) کشکول [السید مخدوم محمد باؑقر الزمان نقوی البخاری المعروف ببلہ سائیں کا سرائیکی مجموعہ کلام]

(24) کاروانِ ادعیہ [بارگاہِ امام عصرؑ میں استغاثے اور دعاؤں کا مجموعہ]

(25) موعود الرسلؑ [دنیا کے تمام مذاہب میں آخری دور میں ایک آنے والی

www.khrooj.com

ذات کا تصور]

(26) محسنین اسلام [عقد محسنہ اسلام صلوات اللہ علیہا کے موضوع پر جامع کتاب]

(27) داغ ماتم [فن نوحہ نگاری 4 جلدیں]

(28) عرفانِ امامت

(29) ہیلاں [سرائیکی مسدس]

(30) صحیفہ نصرت [اردو مسدس نظمیں]

(31) کنوزِ قصائد [قصائد پاک و عارفانہ کلام]

(32) لذتِ درد [سرائیکی ڈوہڑے]

(33) زرپارے اقوال و آرٹیکلز

(34) آہیں غزلیات

(35) دہکتے احساس اردو نظمیں

(36) گوہر روحانیات روحانیت پہ مبنی خطبات

(37) زمان پامسٹری ہاتھ کی لکیریں، علم قیافہ

....

مصنف ادیم نقوی

(38) محسن عالم

(39) اہل البیتؑ

(40) خونِ ناحق

(41) مشعلِ نور

www.khrooj.com

(42) ہل من ناصر ینصر نا

(43) جاہلیت کی موت

(44) مدح اولیاء

(45) راہِ ارم

(46) مجالس الصادقین

(47) الحسینؑ والبکاء

مصنف ابوالفارق واسطی

(48) تعلیم الاسلام

(49) جامع الانوار

(50) انوارالایقان

مصنف ابومنصور

(51) القرآن ....مترجم

(52) تعلیم بذریعہ ادعیاء معصومینؑ

(53) عرفان

(54) حقائق واسرار

(55) دعائے ابوحمزہ ثمالی

(56) امت منقاد

(57) جادہ منزل

www.khrooj.com

(58) نشانِ منزل

(59) ''سرِ خودی'' (علامہ اقبال کے اشعار کی تشریح)

مصنف شبیر بلگرامی

(60) سورۃ فجر اور کربلا

(61) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن حکیم کے متعلق غیر مسلم مشاہیر کی آراء

(62) غم حسینؑ اور تزکیہ نفس

(63) مکتوب غم

(64) Grief Purifies The Self

(65) Beacon Light

(ادیم نقوی کی الہامی نظم ''مشعل نور'' کا انگریزی ترجمہ)

(66) Glories of Belief

(ادیم نقوی کی معرکتہ الآراء کتاب ''انوار ایقان'' کا انگریزی ترجمہ)

(67) The First Word of Islam

(ادیم نقوی کی کتاب ''اسلام کا پہلا کلمہ'')

مصنفہ عذرا مسعود

(68) رموز

مصنف حکیم سید محمود گیلانی

(69) ایلی علیہ السلام

www.khrooj.com

مترجم لیفٹیننٹ کرنل (ر) مظفر علی ہمدانی

(70) ''پھر حضرت علی آئے'' یہ ترجمہ ہے ڈی۔ایف۔کراکا کی کتاب Then Came Hazrat Ali کے دو ابواب 19، 21 کا ہے اور اسی مصنف کے ایک مضمون کا بھی جو بمبئی کے انگریزی جریدے ''کرنٹ'' 23 ستمبر 1976ء کی اشاعت میں ''علیؑ عظیم کے روضہ نجف میں آج بھی معجزے ہوتے ہیں'' کی سرخی کے تحت شائع ہوا

.... ☆ ....

www.khrooj.com